

Proudly Presented by Paksociety.com

APRIL 2011

خواتین اور وہ شیزاؤں کیلئے اپنی طرز کا پہلا ماہنامہ

خواتین کا مہینہ

سالانہ نمبر



Digests of Pakistan

[www.Paksociety.com](http://www.Paksociety.com)



www.Paksociety.com www.Paksociety.com

- |  |  |
|--|--|
| <p>286 آپ کا اور جی خانہ</p> <p>283 مونسیم کے کچھ کواں</p> <p>288 نفسیاتی لڑائی لڑائیں</p> | <p>268 شگفتہ جہاہ</p> <p>280 غزل کوکانا</p> <p>276 سحر جباب</p> <p>274 خالد جیلانی</p> |
|--|--|

290 بیوٹی بکس کے شولے، امت الصبیحہ

290 بیوٹی بکس کے شولے، امت الصبیحہ

پشاور آرڈر سروس کے ذریعے من پسند پوسٹ پر پوسٹ سے کام لیا جائے گا۔ تمام آرڈرز کو 91 W.Pak.com سے تصدیق کرنا ضروری ہے۔  
 Phone: 32721777, 32728817, 021-32022494 Fax: 92-21-32786872  
 Email: khawateendigest@hotmail.com, info@khawateendigest.com

- |  |  |   |
|--|--|---|
| <p>86 نرہت شیانہ</p> <p>214 نمونہ احمد</p> <p>130 رفاقتی</p> <p>بشری سعید</p> <p>شہزاد بختاری</p> <p>عقیقہ شویگ</p> <p>عائشہ فیاض</p> <p>ام ثمامہ</p> <p>لیڈی شہزادی</p> <p>فائدہ عسکری</p> <p>انور شعور</p> <p>نفا قاضی</p> <p>حمیدہ شاہین</p> <p>بیات علی باہم</p> | <p>بجر کا عنوان</p> <p>مصحف</p> <p>پینسل اور پیرہ</p> <p>سفال گز</p> <p>ہم کے زمانہ</p> <p>دل کے آئینے</p> <p>نشر مکرز</p> <p>جیو کوالیٹی</p> <p>ازرا لیش</p> <p>میاؤں کا جورا</p> <p>غزل</p> <p>غزل</p> <p>اظہار</p> <p>غزل</p> | <p>14 مسیح</p> <p>15 احادیث</p> <p>30 نادرہ خاتون</p> <p>20 انشائیہ</p> <p>272 میری ڈائری ہے</p> <p>37 ہمایوں سعید سے ملاقات</p> <p>26 لفظ رشک میں</p> <p>21 تصویری نیا تہلکین</p> <p>248 محبت خواب فر</p> <p>42 چرخ آخر شب</p> |
|--|--|---|

پشاور نائٹ پبلسٹری ہاؤس، پشاور، پاکستان کے تحت تیار کیا گیا ہے۔ اس کتاب کو پشاور نائٹ پبلسٹری ہاؤس، پشاور، پاکستان نے شائع کیا ہے۔ اس کتاب کے حقوق محفوظ رکھے گئے ہیں۔ اس کتاب کو کسی بھی قسم کی کاپی رائٹنگ یا کسی بھی قسم کی کاپی رائٹنگ سے محفوظ رکھا گیا ہے۔ اس کتاب کے حقوق محفوظ رکھے گئے ہیں۔ اس کتاب کو کسی بھی قسم کی کاپی رائٹنگ یا کسی بھی قسم کی کاپی رائٹنگ سے محفوظ رکھا گیا ہے۔ اس کتاب کے حقوق محفوظ رکھے گئے ہیں۔ اس کتاب کو کسی بھی قسم کی کاپی رائٹنگ یا کسی بھی قسم کی کاپی رائٹنگ سے محفوظ رکھا گیا ہے۔



اقبال

حضرت ابو جریور رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: "پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں رکھتا بلکہ تمہارے عملوں اور دلوں کو رکھتا ہے۔"

فوائد و مسائل

بلاشبہ خوب صورت یا بد صورت ہو جائے، اس کے ہاتھ میں نہیں بلکہ یہ اللہ کی مشیت کے مطابق ہوتا ہے۔ کوشش کرنی چاہیے کہ عمل اچھے ہوں تاکہ اللہ کو راضی کیا جاسکے۔

پیغمبر اللہ کے ہاں دار اور بے زور رہے ہیں۔ ہاں دار کو محض دولت مند ہونے کی وجہ سے معافی نہیں مل سکتی اور نادر کو محض اس کی عقلی کی بنا پر مجرم نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔

ہاں دار ہوتا بھی اللہ کی آزمائش سے اور مجلس ہو کر کسی طرح کی آزمائش۔ اگر اس طرح سے اللہ کے ہاں پہنچا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں پہنچا ہے۔ ایسی طرح تدارک لگائی جاسکتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی رات اور بے صبری کرنے اور حرام کھانے کی کوشش کرنے تو اللہ کے قریب سے محروم ہے۔

ہاں انسان اگر نیکی کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اس راہنیت اور خواہش ضرور رکھنی چاہیے۔ ایسی نیت پر عمل کرنا چاہتا ہے۔

مہر

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: "انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کئی بار یہ فرماتے سنا ہے۔ "ختم سے اس رات کی جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے! آن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروالوں کے پاس ایک صلح غلہ ہے نہ ایک صلح بھجوری ہے۔"

ان دونوں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فوجیوں میں

فائدہ: "مساع" کا مطلب "تہی" سے جو غنڈہ پانے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اہل حدیث کا صلح تقریباً "وہابی" کا گرام ہوتا تھا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروالوں کے پاس صرف ایک صلح خوراک ہے۔"

فوائد و مسائل

بلاشبہ اس میں ہی صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک استقامت قیامت اور سادگی کلیان ہے۔

ہاں حیات مبارکہ کے آخری سالوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سال بھر کے فریغ کے لیے کھجوریں اور جو و میوہ لکھے وہ شروع کر دیے تھے لیکن اہل حدیث کے خلاف سے کلمہ لیتے ہوئے جلد ہی فریغ کر دیتی تھیں۔ اس لیے اکثر روایتیں ہیں اور کثرت و میوہ کے بغیر گزارا ہوتا تھا۔ بعض اوقات کھجوریں بھی پھینک دیتی تھیں۔

آن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کمزورات

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے: "انہوں نے فرمایا: "حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروالوں پر مینہ بھرا اس طرح سے کہ گرجا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی گھر میں کبھی دھواں نظر نہیں آتا تھا۔"

(حضرت ابو سلمہ رحمت اللہ علیہ نے بیان کیا) "میں نے کہا: بچہ لوگ کیا کہتے تھے؟"

ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: "دوسرا بچہ کہتا تھا: "بھروسے اور پانی" البتہ ہمارے کچھ انصاری ہمارے تھے تو مجلس ہمارے تھے۔ ان کے گھروالوں میں پلٹے وہاں کچھ کھانا تھیں (جس میں چرے کے لیے چرگا میں نہیں لے جایا جاتا تھا) مگر لا کر چارہ دیا جاتا تھا۔"

تمہارا (وہ ان کا وہی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف (انہوں نے) کھینچ کر لیا تھا۔"

تین رات

حضرت سلمان بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: "انہوں نے فرمایا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں تشریف لائے تو ہماری حالت تھی کہ ہمیں تین رات تک کھانا نہیں ہوسکا۔"

حضرت ابو جریور رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: "انہوں نے فرمایا: "ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گرم کھانا حاضر کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا کھلایا۔ جب فارغ ہوئے تو فرمایا:۔"

"اللہ کا شکر ہے میرے پیٹ میں اتنے دن سے (ناتو اور) گرم کھانا نہیں گیا۔" (کھجور وغیرہ پر گزارا رہا۔)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے: "انہوں نے فرمایا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کھانا چڑھنے کا تھا جس میں کھجور کی پھل بھری ہوتی تھی۔"

قالین

مطلب یہ ہے کہ بستر محمد کیڑے کا نہیں تھا جس میں اونٹ یا روئی بھری ہوئی ہو بلکہ چڑے کا بستر بنا ہوا تھا اس میں کھجور کے کھانے کی پھل بھری ہوئی تھی جو سخت اور تیز ہوا ہوتی ہے۔ لیکن چڑے کی وجہ سے اس کی کھینچ زیادہ محسوس نہیں ہوتی۔ اہل عرب چڑے کو ساتھ انداز سے تیار کرتے تھے جو تیز زیادہ کھینچتا ہوتا تھا۔ یہ خوب صورت۔ اس لحاظ سے چڑے کا بستر انتہائی سادگی کی مثال ہے۔

آخرت

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: "انہوں نے فرمایا: "میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں حاضر

ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ چٹائی تشریف فرما تھی میں نے کہا میں نے تو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف بستر ہنر رکھا ہے اور میرا کوئی بچہ یا ریشہ تو نہیں۔ میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیلو پر چٹائی سے نشان پڑے ہیں۔ اب طرف صرف تھوڑے سے جو تھے۔ غالباً ایک صلح ہوں گے اور دیگر کے بستر تھے (جو چڑے کی روایت میں کام آتے ہیں) اور بغیر وباغت کھال لکھی دینی تھی۔ میری آنکھوں میں آنسو آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔"

"تین خطاب! آپ کیل روئے ہیں؟"

میں نے کہا:۔

"اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! میں کیا بات روؤں؟ اس چٹائی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیلوں سے نشان پڑے ہیں (کوئی نرم بستر بھی نہیں) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سنان رکھنے کی حالت میں کچھ نظر نہیں آتا سوائے اس (ایک صلح جو) کے جو میں دیکھ رہا ہوں۔ صلح کسری اور قیصر ہاں اور یہ ہیں (جس کو کہتے ہیں)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے بستر ہوتے اور اس کے یہ آپ اللہ سے ہے۔" (جو ظاہر ہے)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مطلب کے لیے اس بات سے خوش نہیں۔" میں آخرت مل جائے اور ان (قیصو کسری) کو دنیا؟"

"میں نے کہا: کیوں نہیں! (میں خوش ہوں۔)"

فوائد و مسائل

ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کا لہجہ جمع نہیں کیا بلکہ نہایت اختیار فرمایا۔

ہاں گھر میں ایک دو وقت کی خوراک موجود ہونا نہایت سادگی کی مثال ہے۔

ہاں بے تکلف ساتھیوں:۔ صرف تہذیب و تمدن کرنا یعنی قیص سے بغیر بیٹھا جاتا ہے۔

ہاں صلح کرنا رضی اللہ عنہم ہی صلی اللہ علیہ وسلم

سے شریعت ثابت رکھتے تھے۔  
 انہوں نے کہا کہ ان کی عیبوں کا جواز نہ دیا جائے  
 مسلمان یا نہیں، حضرت کی صورت میں مل جاتا ہے۔  
 مسلمان پر دعویٰ تکبہ دستی آخرت میں  
 درجات کی پاندی کا باعث ہے۔

**والہد رسول صلی اللہ علیہ وسلم**

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے  
 انہوں نے فرمایا۔  
 جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی  
 حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رخصت ہو کر  
 میرے گھر آئیں، اس رات ہمارا بستر صرف ایک  
 میٹھے کی شکل پر مشتمل تھا۔  
 نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ  
 عنہم کی گزراں  
 صدقہ

حضرت ابو مسعود عقبہ بن عمرو انصاری رضی اللہ  
 تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدقہ کا حکم دیا  
 تو (ہم) اسے رخصت نہ کی، بلکہ ہم نے کوئی ٹوٹی چاکر  
 چھڑائی کر لیا، اور یہ کہ جو بیویوں کے گزراں  
 (دو اسے صدقہ کے طور پر پیش کرنا) آج تک  
 کوئی نے کیا، ایک لاکھ کی رقم بھی موجود ہے۔  
 ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد حضرت  
 عقیق رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: غالباً ان کا شمار خود  
 اپنی طرف تھا۔

**فوائد و مسائل**

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سخاوت کے اعلا مقام  
 پر فائز تھے کہ خود اولاد کے مستحق ہونے کے باوجود اولاد  
 قبول نہیں کرتے تھے بلکہ اس مجلس میں بھی محنت  
 مزدوری کر کے خیرات کرتے تھے۔  
 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صلی اللہ علیہ وسلم کے قربان کی

تعمیل کے لیے ہر ممکن کوشش کرتے تھے، حالانکہ  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو ہم سے کراہت  
 نہیں دیتے تھے کہ خیرات کرنا، تب بھی ان کی کوشش  
 ہوتی تھی کہ ہم بھی اس کی تعمیل کرنے والوں میں  
 شامل ہو جائیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ  
 جو خصال کی صورت میں مل جاتا ہے۔  
 حضرت ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے  
 حالات بیان فرمائے لیکن یہ وضاحت نہیں فرمائی کہ یہ  
 میرا ہونا واقعہ ہے، مگر یہ ہر کارکن میں شامل نہ ہو جائے  
 جب کہ ان کا مقصد مساکین کو اس نیکوئی کی ترغیب دانا  
 تھا، اس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اخلاص واضح  
 ہے۔

**استقامت**

حضرت خالد بن عبید رحمۃ اللہ علیہ سے روایت  
 ہے انہوں نے کہا: میں عقبہ بن عمرو انصاری رضی اللہ  
 عنہ سے منبر پر خطبہ دیا اور اس میں یہ بھی فرمایا۔  
 میں نے دیکھا ہے کہ ہم سات افراد رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، میں نے کہا: تم  
 سب کو ان کے خزانے میں سے جو کچھ بھی ضرورت تھا، ہم  
 ہوتے کہتے رہے، حتیٰ کہ ہماری بائیس لاکھ تھی۔

**فوائد و مسائل**

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام  
 رضی اللہ عنہم نے آنے والے سخت حالات و ہزارت کے  
 سبب استقامت کا سبق ہیں۔  
 منبر پر ایسے حالات بیان کرنے کا مقصد مساکین  
 کو یہ سمجھانا ہے کہ ایسے جب کہ ہر قسم کی نعمتیں میر  
 ہیں، لیکن ان کا شکر ادا کرنا چاہیے، اور ان میں معمولی  
 سی کمی پر شکوہ شروع نہیں کرنا چاہیے۔

جائے تو وہ بھی یہی نعمتیں ہیں، لہذا ان کا شکر کرنا  
 ضروری ہے۔  
 صحابہ میں بہت ہی نعمت ہے۔  
 انہوں نے فرمایا: ضرور ہو گا۔ رسول اللہ صلی اللہ  
 علیہ وسلم کے اس فرمان کے وہ مفہوم ہو سکتے ہیں۔  
 ایک یہ کہ اگر آج تمہارے پاس نعمتوں کی فراوانی  
 نہیں ہے تو من قریب یہ ہو جائے گی، یعنی فتوحات  
 ہوں گی اور تمہیں وافر مقدار میں مال نصیب ہوا  
 ہو گا۔ لہذا نعمتیں بہت سی نعمتیں میر ہوں گی۔  
 دوسرا مفہوم یہ ہو سکتا ہے کہ ہر ایک انسان کو دنیا میں  
 تھوڑا بہت مال و وسائل ملتا ہے، یعنی کسی کو کم کسی کو  
 زیادہ، لہذا اقامت کے دن ہر شخص سے اس کو دی  
 جائے والی ہر نعمت کے بارے میں سوال ہو گا، ہماری  
 رائے میں دوسرا مفہوم راجح ہے، واللہ اعلم۔

**مہاجر**

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت  
 ہے کہ انہیں بھول کا سامنا کرنا پڑا جب کہ وہ سات  
 افراد تھے، وہ فرماتے ہیں: مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم  
 نے سات مہاجرین عنایت فرمائیں۔ ہر آدمی کے لیے  
 ایک مہاجر۔  
**فوائد و مسائل**

مہاجر مہاجر، ہاں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس  
 بھی ان کی ضرورت کی خوراک نہیں تھی، اس کے  
 باوجود جو چہرہ مہاجر میں موجود تھی وہی دیکھنے والے  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی ضرورت  
 کو اپنی ضرورت پر ترجیح دیتے تھے، قائد کو اپنے  
 ساتھیوں کا کسی طرح خیال رکھنا چاہیے۔  
 تھوڑی چیز تقسیم کرتے وقت بھی انصاف اسی  
 طرح ضروری ہے جس طرح زیادہ مال کی تقسیم میں۔  
 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مہاجر اور مہاجر کے مثال  
 ہے کہ ایک ایک مہاجر کو اپنی اپنی ضرورتوں کا پورا کرنے  
 کے لیے ان کی خوراک میں نظر نہیں کرنا۔

**نعمتیں**

حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے  
 والد حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے  
 ہیں انہوں نے کہا: یہ یہ نعمتیں مل گئی ہیں۔  
 پھر اس دن تم نے نعمتوں کے بارے میں ضرور  
 سوال ہو گا۔

حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: ہم سے  
 گورنر ہی نعمتوں کے بارے میں سوال ہو گا، ہمیں تو  
 سرفرازی اور مہجور میں ہی میر ہے۔  
 نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آنگاہ رہو! یہ  
 (سوال) ضرور ہو گا۔

**فوائد و مسائل**

جو نعمتیں ہماری نظر میں معمولی ہیں، مہجور کیا

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے  
 روایت ہے انہوں نے فرمایا۔  
 مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک  
 جملہ میں (مہاجر) روانہ فرمایا۔ ہم میں جو افراد تھے، ہم  
 اپنی خدائی اشیاء اپنی گردنوں پر اٹھائے ہوئے تھے۔  
 (ہم کے دوران میں) ہماری خوراک ختم ہو گئی تھی کہ  
 ایک ایک آدمی کے حصے میں ایک ایک مہجور آتی  
 تھی۔  
 کسی نے کہا۔  
 ابو عبد اللہ! ایک مہجور سے آدمی کا کیا گزارا ہوتا  
 ہو گا؟

انہوں نے فرمایا: اس کا احساس ہمیں اس وقت  
 ہوا جب وہ (ایک ایک مہجور) بھی نہ رہی۔ (آخر) ہم  
 سندھ پر پہنچے تو اچانک ایک بیٹی چھٹی نظر آئی جسے  
 سندھ نے (رائی سے باہر) پھینک دیا تھا۔ ہم (سارا  
 لشکر اس میں سے اٹھا اور ان تک کھاتے رہے۔

## غزل

دل عشق میں بے پایاں، مودا ہو تو ایسا ہو  
دیریا ہو تو ایسا ہو، محسرا ہو تو ایسا ہو

لے قیس جتوں پیشر، انشا کو کبھی دیکھا  
وحشی ہو تو ایسا ہو، رسوا ہو تو ایسا ہو

دیریا بہ حجاب اندر، طوفال یہ سحاب اندر  
مشر بہ حجاب اندر، ہونا ہو تو ایسا ہو

ہم سے نہیں رشتہ بھی، ہم سے نہیں ملتا بھی  
سہے پاس وہ بیٹھا بھی، دھوکا ہو تو ایسا ہو

وہ بھی رہا بیگانہ، ہم نے بھی نہ پہچانا  
تو اسے دل دیوانہ، اپنا ہو تو ایسا ہو

اس درد میں کیا کیا ہے، رسوائی ہی لذت بھی  
کاشا ہو تو ایسا ہو، پھیلتا ہو تو ایسا ہو

ہم نے یہی مانگا تھا، اس نے یہی بخشا ہے  
بندہ ہو تو ایسا ہو، داتا ہو تو ایسا ہو

ابن انشاء



السان کی شخصیت محبت سے رکھتا ہے اس کی عادات مزاج اور گروئے لوگوں کے  
ساتھ دیر اور مودا کے معمولات اس کی ظاہری شخصیت سامنے لاتے ہیں لیکن اس کی شخصیت کے حقیقی  
تعداد حال احساس فکر اور حالت کے داخلی حصے تک رسائی آسان نہیں۔  
قرآن کے ممتاز انشائیہ نگار مختلف نئے اسٹی کے پار شاہ روپے کی ایک تصویر دیکھی جو اس نے چاک سے خورد  
بنائی تھی۔ تصویر دیکھ کر مولانا نے اس کا ذکر کیا اور فرمایا کہ اس نے کہا۔  
"انسانی طور پر ہر شخص کے لیے لازم کیوں نہیں کہ وہ اپنی تصویر خود بنا سکے۔"  
رنگین اور لکیروں سے تصویر بنانا شاید سب کے لئے ممکن نہ ہو لیکن الفاظ سے تصویر کشی ضرور کی جا سکتی ہے  
اگرچہ کہ یہ بھی آسان نہیں۔

اس سلسلہ کا آغاز ہم اندر ملتی سے کر رہے ہیں کہ وہ لفظوں سے اپنی تصویر بنا لیں۔ حلقہ حلقوں کو سمجھیں اور  
کالم اور انشائیہ میں پیش کرنے والی اندر ملتی اپنی تحریروں میں بہت سے محسوس و پارک میں نظر آتی ہیں کلمات  
بہت اور کثرت میں بکھر گئے ہیں۔ تحقیق کی آنکھ نے ہم میں بے شک کئی بھڑکی ہو لیکن ان کے مزاج پر اثر  
انداز نہیں ہوتی ہے۔ ان کے مزاج میں جدول مود سے والی اپنا تحت مفاہم اور وہ اعلان ہیں ہے وہ ہر قرار ہے۔

## تصویری بات چیت

### مہفتی

ادار

انکار بھی ہیں، جن کو باطل سمجھنے سے تک اٹھا جاتا  
بے گریں باؤں بھی ہے عظیم نیکو شاکل سے لیکن  
مجھے اندیشہ ہے آگے چلنے کے بہت آسان ہو جائے گا۔  
تو اس بیچے تک کھانا پلانے کا جادوئی ہوں، کھانا  
ہمارے ہاں بہت محنت سے پکا ہے۔ ڈالنے پر کوئی  
فحص کھروا کر نہیں کرکے لیکن مریم کھانا بہت اچھا  
پکاتی ہے۔

دس سے پونے ایک تک لکھنے پڑھنے کا کام کرتی  
ہوں۔ ابھی حال ہی میں اپنے نئے ٹیبل کی پروف  
ریڈنگ ختم کی ہے۔ مجھے سمیت پندرہ دن تک سٹریٹ  
میں آہلے گھ آج کل زیادہ تر پڑھتی ہوں مگر میری  
پانچ منٹ کی ڈراما ہے۔

میری صبح کا آغاز بہت جلدی ہوتا ہے۔ ساڑھے  
بہا بیٹھنے کو اسکول چھوڑ کے آتے آتے سوا  
ساتھ ہو جاتے ہیں اور اس دن کے لیے انگ  
کے کام ان کی فہرست اور کون سا کام اتنا ہم ہے  
قریباً "چند منٹ میں چائے کے ساتھ یہ سب منٹ  
جانا ہے۔ اگر لاہور میں ہوں تو پھر زیادہ تر لکھنے کا کام  
ہوتا ہے کیونکہ یہاں باہر کے کام کم ہی ہوتے ہیں۔  
پھر کئی دنوں کی اور کئی گھنٹوں کی چھٹی صبح خریداری تو  
گی تھی رہتی ہے۔ کھڑکیوں کی صورت میں سچ  
کے لئے لکھنے کوئی توجیہ تک میں اپنے

Organic Patch میں کام کرتی ہوں۔ یہاں  
میں نے مختلف طرح کی سبزیاں، پھل اور جڑی بوٹیاں



بالکل نہیں کھا سکتی۔ سبزبان چاہے ناراض ہو جائے  
ایسے موقعوں پر سارا دست برد گرنی ہے کیونکہ قدرت  
تجلی کھیرے کو کسی اور حالت میں پیدا نہیں کرتی۔  
بہ جسم رنگ سرخمی کا لسی رحلی گلابی اور شمر  
رنگوں میں بسنتی کوئی یا گلابی جیدی ہوں میرے  
دوستوں میں میرا باہ بہت ہونا چاہیے اچھے  
ہوئے بہت بڑھے کھئے لوگوں سے دوستی ہوتی ہے  
پھر بالکل ہی اٹھوٹا چھاپ فقط نوک و زبیر زندہ رہے  
والوں سے توجہات بے شمار ہیں۔ بڑی وجہ تو یہ  
دونوں کے پاس لن تھانوں کا علم ہونا ہے جو میری  
سے دور ہیں دوستی جلد ہی ہو جاتی ہے کیونکہ  
پرگمان نہیں لوگوں یہ بلا وجہ ٹھک میں کرتی۔

کرتے ہیں سہنے لگائے ہوئے پھولوں کو پھستا دیکھ کر۔  
اس بہار میں میرے لگائے ہوئے سیپوں اور آلوچوں  
پہلی ڈھیر چھل آئے ہیں۔ یہ بھی ایک بہت بڑی  
خوشی ہے۔ خوب صورت نقارے تصویریں اچھے  
لوگوں کی صحبت میں پیش کرنا اور اچھا لکھ کے کوئی اچھا  
جملہ لیل کے بہت خوش ہوتی ہے۔  
کھانے کے معاملے میں بہت خوش ذوق ہوں ہم  
خود راک ہوں ہم کو کھانا جس ترکیب سے پکا ہے اس  
میں ذرا بھی رتوبدل ہو جائے تو مٹی ہی جھوک کہیں نہ  
ہو میں کھا سکتی بہت طریقے جو کی روشنی بھی پڑی  
ہوئی کو پسند ہوتی لیکن آلو گوشت میں نمٹا اور ہر  
شوربے دار سالن میں اس کے ساتھ اور دک ہو تو

بچوں کو اسکول سے لے کر گھر پہنچتی ہوں اور صبح  
بچے کھن سواتین تک کھاتا کھاتا جاتا ہے۔ بالی کی  
ساری شام بچوں کے ساتھ گزرتی ہے۔ ان کا ہوم  
ورک اسکول کی باتیں دوستوں کے قصے خیالی  
کہانیاں سوالات اور ایشی شری کی خریداری میرے  
بچوں کے ہستوں میں بقتل ان کے  
borrower رہتے ہیں جو روزانہ ان سے پائل  
شاپرینو اور ریٹائیک کرتے جاتے ہیں۔ کسی کسی دن تو  
یہ بچے کس اور تالی یا سوٹر بھی لے جاتے ہیں اور ایک  
دن تو ایسا غصہ ہوا کہ شہیر کے جوتوں کے  
Laces بھی لے گئے تھے۔  
میرے بچوں کو کتابیں پڑھنے کا بہت شوق ہے  
شہوار سائنس، جغرافیہ اور تاریخ کی کتابیں لائبریری  
سے لاتے اور ایک گھنٹے میں کتاب شہ لب ماری  
کتاب مجھے سٹالی جاتی ہے اور میرا امتحان شہیر۔ شہیر  
کو ختیلی سپر پڑھانے اور ان کی کہانیاں لکھنے کا شوق  
ہے۔ بے چارے کی وہ کیبلوی ابھی کم ہے۔ جینچا  
جاتا ہے۔ ہمارے گھر میں ساری شام غنہ مہم اور  
شہیر کھاتی رہتی ہیں۔  
میرے مسائل بہت محدود تھے ہیں کھانا یا پانی  
یا دھوا کا لہا کھانا پکانا خاصا پیڑھ ہو گیا ہے  
لیکن شہر کی بندوبست میں دن میں کچھ نہ کچھ پکاتے ہوں  
گڑھائی سلائی کا سلسلہ عرصے سے موقوف ہے۔  
لیکن وزن کو تاکر، ٹیبل مینس ڈسٹریوٹرز اور رضائیاں  
چاوری تو میں یہ گڑھائیاں خرید کر کوئی رہتی ہوں۔  
یا پانی کا شوق مجھے ورستے میں ملا ہے ہماری کوئی  
پر داوی بنا ہے شہر آصف اللہ کے زمانے میں نہیں  
دور بیانی کہیں تو اپنا لگایا ہوا خوب چھتار درخت کیا  
نکلو اگر تھپہ پہ رکھ کے ساتھ لے کے گئے۔  
میری مزہم۔ پچو بھی قیصر جہاں بیگم کے لگائے  
ہوئے درخت آج بھی میرے گھر میں ہیں گولو پیری  
اور چھیلی گولو پیرن پھر گھڑیاں چر چرائی ہیں سارو پھل  
کے موسم میں اچانک کسی رات پر بلاگوں کا جھنڈا آجاتا

ہے۔ بالی کی واضح قطع اور حسرت کی یہ باتیں جس  
رات آئی ہیں میں گولو کے بچے بسبب کھڑی گولو کے  
سیرج لائن سے انیس دیکھتی ہوں ہم بھٹو اور بھٹو  
جا کر یا شاید وہ بھی میرے پروفائل کو خاطر میں نہیں  
لاتیں۔  
کچھ عرصہ ایک اسکول میں بطور پرنسپل کام کیا  
لیکن بوجہ بھٹو دیا گھومنا پھرنا تو یہ ہے کہ ہفتے میں  
ایک دو چکر لانا اور اپنے شہر کے لگ جاتے ہیں سیانی  
سفر کا ہوش ہی نہیں رہتا۔ ہاں پاکستان کے بہت سے  
شہروں کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ مگر میں کی  
چھٹیوں میں مختلف لمبے پروگرام ہتے ہی رہتے ہیں۔  
چھٹی کلین ڈراما مختلف ہوتا ہے تو اپنی کا سفر اور وہاں  
چلے ایک ہفتے کے دوران جو کچھ حل طلب پیش کیا  
ہو سب کو دیکھنا اگلے روز واپسی کی تیاری اگر کوئی  
چھٹی لاہور میں گزرتے تو دہر کا کھانا پکاتی ہوں۔  
رات کو اگر سینما میں اچھی بچوں کی پسند کی فلم ہو تو علم  
دیکھ لیا جاتی ہے۔  
میرا مزاج خوش آج تک خود نہیں کچھ کسی سہنے  
رہنے کا وقت اور شہر ان کو لگانا ہر سہنے کو بہت  
ایا ہمارے ہوتے ہیں۔ آگے والے وقت کو بہت سے  
سے بھرتی تھی ہوں اور اس معاملے میں ہر پکارا  
ہوں۔  
یہ ہی چیزیں جو خوبیاں ہیں یہی خامیاں ہوتی  
ہیں، ڈٹ جلتے والا شخص ختمی اور اڑیل بھی ہوتا  
ہے انسانوں کی غلطیوں کو بہت زیادہ جھٹی لائن کرنا  
بھی ایک عیب ہے۔  
فیسے کا کیا ہے۔ یعنی وہ تو بقتل ٹھنھے تیوری کے  
تین بل سوتے میں بھی نہیں جاتے۔ قصہ آنے کے  
بے شمار اسباب ہیں، میں ہر فلم کو ایک نظام اور  
تاکدے سے چلاتی ہوں۔ جب کوئی اس نظام میں رخنہ  
ڈالنے کی کوشش کرتا ہے تو بہت قصہ آتا ہے۔  
خوشی کے اسباب ہزار ہیں۔ اپنے بچوں کو جس  
وقت بھی دیکھوں ہی خوش ہو جاتا ہے۔ اللہ کا شکر ادا

بچوں کو اسکول سے لے کر گھر پہنچتی ہوں اور صبح  
بچے کھن سواتین تک کھاتا کھاتا جاتا ہے۔ بالی کی  
ساری شام بچوں کے ساتھ گزرتی ہے۔ ان کا ہوم  
ورک اسکول کی باتیں دوستوں کے قصے خیالی  
کہانیاں سوالات اور ایشی شری کی خریداری میرے  
بچوں کے ہستوں میں بقتل ان کے  
borrower رہتے ہیں جو روزانہ ان سے پائل  
شاپرینو اور ریٹائیک کرتے جاتے ہیں۔ کسی کسی دن تو  
یہ بچے کس اور تالی یا سوٹر بھی لے جاتے ہیں اور ایک  
دن تو ایسا غصہ ہوا کہ شہیر کے جوتوں کے  
Laces بھی لے گئے تھے۔  
میرے بچوں کو کتابیں پڑھنے کا بہت شوق ہے  
شہوار سائنس، جغرافیہ اور تاریخ کی کتابیں لائبریری  
سے لاتے اور ایک گھنٹے میں کتاب شہ لب ماری  
کتاب مجھے سٹالی جاتی ہے اور میرا امتحان شہیر۔ شہیر  
کو ختیلی سپر پڑھانے اور ان کی کہانیاں لکھنے کا شوق  
ہے۔ بے چارے کی وہ کیبلوی ابھی کم ہے۔ جینچا  
جاتا ہے۔ ہمارے گھر میں ساری شام غنہ مہم اور  
شہیر کھاتی رہتی ہیں۔  
میرے مسائل بہت محدود تھے ہیں کھانا یا پانی  
یا دھوا کا لہا کھانا پکانا خاصا پیڑھ ہو گیا ہے  
لیکن شہر کی بندوبست میں دن میں کچھ نہ کچھ پکاتے ہوں  
گڑھائی سلائی کا سلسلہ عرصے سے موقوف ہے۔  
لیکن وزن کو تاکر، ٹیبل مینس ڈسٹریوٹرز اور رضائیاں  
چاوری تو میں یہ گڑھائیاں خرید کر کوئی رہتی ہوں۔  
یا پانی کا شوق مجھے ورستے میں ملا ہے ہماری کوئی  
پر داوی بنا ہے شہر آصف اللہ کے زمانے میں نہیں  
دور بیانی کہیں تو اپنا لگایا ہوا خوب چھتار درخت کیا  
نکلو اگر تھپہ پہ رکھ کے ساتھ لے کے گئے۔  
میری مزہم۔ پچو بھی قیصر جہاں بیگم کے لگائے  
ہوئے درخت آج بھی میرے گھر میں ہیں گولو پیری  
اور چھیلی گولو پیرن پھر گھڑیاں چر چرائی ہیں سارو پھل  
کے موسم میں اچانک کسی رات پر بلاگوں کا جھنڈا آجاتا

اور اس سوال کے آٹھ حصے سے مجھے اختلاف ہے۔ آپ نے فقط آپ کی محبت سے اور نہ منہ انہم کہ منہ دائم چلو لیا خاص میں کلتی حالات کا ہے کہ تحصیل و حیران دونوں طرف زبان بھی تھی ہم بھی علم دوستی بھی اور نئے پڑتے و اولوں کو ہمیشہ عزت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔

ادنی خاص دہلی کی تحصیل عالی کرت پور کی ابو کے ایک چچا کے سامنے مرزا اجمل بیگ تھے عقل سننے زبان نہایت سادہ پطرس بخاری کے دوست تھے بیا عرصہ بمبئی و فیروز پور کام کیا۔ نہانے دیکھنے کے بعد اپنی کتابوں کے صندوق اور زبان پانچ پھلی پڑنے کی بھی و خوب لے کے ابو کے اصرار پہ ہمارے ہاں رہنے لگے تھے ولدا اجمل بہت فسی بیٹ کرتے تھے انہیں فالج تھا اور پاؤں ذرا کھینٹ کے چلنے تھے اب یہ بیٹھے ہیں۔ ماب میں کنڑی ڈالے اور "تومی موت" کوھا خواب "تومی جا رہی ہے میں پیچھے کھڑی پڑنے کی کوشش کر رہی ہوں" سمجھ دیکھ خاک نہیں آ رہی لیکن کھڑی ہوں۔

لین انشا کی غزل میں رہے ہیں میں ہی سرو سخن رہی ہوں تو جب رات آئی اس کی گھر سے بے جاگے سامنے اٹھا اب ہوگے شہری زبان اور چاروں طرف ٹھوس کرنے کو بولا پچھ۔ نشان ایک بیباک تھا جس کے چاروں طرف بلکہ کناروں پہ درختوں کا حاشیہ تھا اور اس تھاں میں ان گنت چھوٹے چھوٹے گروار جڑے ہوئے تھے۔ اہل ستارہ جو گھاگھرا پین کے بھی پہ نمک بیستی تھی اور ماسی زہر دو کلیے میں بیان دیا تے اپنی غلطی کو روٹی تھی کہ اتھو لو کیوں کو چھوڑ کر کہاں ایک بوڑھے بد شکل گھٹو کے ساتھ بھاگ آئی اور چاکر جو کر میوں میں بانٹے جانے والے ستوا اور شکر لیلے کر کے سر پہ ل لیا تھا کہ تا تیر تو تھنڈی ہے چاہے سر پہ پاندھو چاہے پیہ۔

تو یہ ان گنت لوگ انتظار ماندھے کھڑے ہیں پہلے مجھے کلمہ "نہیں مجھے نہیں مجھے" ابھی تو کسی کی بھی

بارہی نہیں آئی۔

اردو کے سبھی مصنفین انگریزی کے بھی لیکن زیادہ تر قزو العین حیدر عبداللہ حسین انتظار حسین اور اظاف فاطمہ کو پڑھتی ہوں پسندیدہ کتابیں ہے شاعر ہیں بلکہ شاید ہر کتاب پڑھتی محنت سے لکھی جاتی ہے اسے پڑھ کرنا چاہیے "دستک نہ دو" پہلی بار بارہا سال کی عمر میں پڑھی اور اب تک شاید چالیس مرتبہ پڑھ چکی ہوں "آگ کا دریا" اور اس سلیس بیسی بیسی کہوں میں سے بھی بار بار پڑھیں۔ فسانہ آزاد بھی بہت معتدات کے ساتھ "دروازہ کھلتا ہے" کا ایک باب "تھکنے" میں پڑھ کے پاسرا خریدی تھی پھر پھر باب سے آگے جانے کی ہمت نہیں ہوئی "کتاب بہت اعلیٰ ہے" شاید میرا دل ہی اتنا پوچھ اور گھنیا ہے کہ اسے پڑھ لیں۔

میرے شوہر ملتی ہاصم "اسٹیرو پوائپ ٹوکوں سے ذرا ترقی ہیں میرا لکھا ہوا بھی نہیں پڑھتے" انہیں شکار کا شوق ہے "لکھیں دیکھا اور بڑے ذرا دست نشتلے باق ہیں۔ لکھنے میں تعویذ لیتے تو طہر رکھا کرتے تھے جو معلومت چاہیے جس جگہ سے کسی کتاب سے لافاقت لکھنے کی تھی اس جگہ ہاتھ نہ لگاتے اسے انہوں نے فریاد نہیں۔ چنانچہ جانا چاہا جانتے و اسے کیا لکھتی ہوں لیکھتیں ہوں اس کی زبان کو کت زبان نہیں کرتے۔

شادی نہ ہوتی تو شاید میں لکھ نہ سکتی ہو مگر تب مجھے خود کو معاشی طور پہ سپورٹ کرنے کی ذمہ داری ہوتی۔ اب چونکہ میں معاشی طور پہ بے لگروں سے اس لیے میں لکھ رہی ہوں ہاں یہ بات ضرور ہے کہ کلام لہا لنگ جاتا ہے کیونکہ گھر بیلونہ واریاں بہت زیادہ ہوتی ہیں۔ خیال کی روجھاں سے جلی تھی دیوار اس گلی میں نہیں جاتی۔ ٹھنک جاتی ہے "گناہ کچھ ہوتا ہے" انجیل کچھ لیکن بہر طور اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کابول میں۔

شادی سے پہلے میں نے زیادہ شاعری کی اور وہ



تعلیم اور "کتاب" یا پھر انقلابی قسم کی شاعری تھی جو میں مختلف لڑائیوں سے چھوڑتی تھی۔ پھر افسانے بھی شائع ہوئے لیکن اس وقت تک زندگی کے بہت سے پہلو سبھی نظر میں نہیں تھے بعد کی تحریروں میں ایک قسم نے ہے۔

مجھ کو آمل نے نہیں کیا ہم دونوں ایک دوسرے کو اتنی تیرا تیرا دیتے ہیں کہ اپنی اپنی ذات کی کچھ کچھ لکھیں۔ لیکن چند سالوں میں اس عمل میں تھوڑے کچھ اور ہارے میں مزاج ہم دیکھے ان کے چاروں سنا لینا وقت اور توانائی ضائع کی۔

"بھی بھی سلسلہ "مل" وغیرہ کے گلے لگتے لگتے ہیں۔ زیادہ تر غزل پسند ہے وہ بھی بکیرت کی آواز میں "مدی سن آتا" اور جہاں راحت فرخ علی (آگروہ) تو سیاہ کا بنگلہ لگتے تو پھر میری مگر کی جوانی "خاموشی" کے نلنے کی سمجھ لیں پھر اچھا اور اب سیف علی اور شاید کچھ دیگر کچھ میرے دونوں بیٹوں میں شہادت آئی ہے۔

پاکستان کی ظم ایئر سٹری میں کوئی بے چارہ بچا ہی اٹھا ہے۔ چھین و جیو مراد مرحوم سمجھ لیں ایس ان کے بعد اند سٹری کا کچھ۔

پسندیدہ کتابیں رکھا ایٹورنہ رائے دونوں بہت

یا اصلاحیت ہیں۔ ہمارے ہاں رسم میں صلاحیت ہے عمر مواقع نہیں رہا بھی اچھی تھی، لیکن کامیابی حاصل کرنے کے لیے آپ کو درست وقت پہ درست جگہ ہونا چاہیے۔

پورا بسے بارے میں کیا باتوں کہانیاں چاروں طرف ہیں ہر شخص ایک بیوٹو لاپ ہے مگر بہتات لکھی نہیں جاسکتی۔ جی کر ڈا رہتے ہیں جن پہ چاہتے ہوئے بھی نہیں لکھ سکتے۔ تد من سے شاد میں۔ ملتی قزعات اللہ کے مسائل لکھتے ہوئے لکھا ہوا ہوا اور ہجرت میں اور ہمارے کش جھوٹ نہیں۔ جھوٹ اور ہجرت میں ملنا ہے یہی کشن نگار کا فن ہے۔ جھوٹ اور ہجرت کو مٹاتے مٹاتے نئی کردار کی شکل اختیار کر جاتے ہیں جو ایک تیرا کردار ہوتا ہے زمین چھٹی۔

میرے اگلے ناول "آخری دن" میں "میں نے قلعہ" کشن نگار سے کلام لیا ہے مگر اس کے کئی ابواب اور خصوصاً "وہ جن میں مشرق وسطیٰ میں انقلاب کا ڈر کیا گیا ہے۔ جین ویسے ہی جین آ رہا ہے۔ حالانکہ وہ سب کچھ فرضی ہے نہ کوئی خالد ہے اور نہ کسی خالد نے جہاد کیا ہے اور نہ کوئی راجیلہ ہے اور نہ کوئی لال مسجد لیکن سب چھا جانے تو لگتا ہے حقیقت لکھی ہے تو ایسی صورت حال اکثر پیش آئی ہے۔





آج کی مادی دنیا میں جب انسان اور انسانی قدر میں جیسے وہ جاتی ہیں ایسے میں تحقیق کا رویہ ہے جو معاشرے میں انسانی قدروں محبت، اخوت اور ہمدردی کی نشاۃ ثانیہ رکھے ہوئے ہے۔ وہ زندگی کے حاصل کیے گزروں کو تخلیق کی شکل دیتا ہے لیکن حسن اور قیادت کے ساتھ۔ فن اگر سوچ اور فکر سے عاری ہو تو بیکسر سٹی ہو جاتا ہے ایسا اچھی تحریر کا مقصد انسان اور انسانیت کے بہتر اہم کائنات کی ترغیب ہوتی ہے۔ تخلیق کار خواہ تہی کردار پیش کرے یا مثبت کردار سامنے لائے اس کے پس پشت ایک پیاری اور رہنے کے قابل دنیا کی خواہش ہوتی ہے۔ ایسی دنیا جو تنگی مچھائی اور حسن کی دنیاوں پر استوار ہوتی ہے۔

لیکن اس فکر اور سوچ کے لیے اظہار میں خوش سلیقگی اور خوب صورت الفاظ بھی ضروری ہیں خیال یا تحریر کتنا ہی اہمیت کا حامل کیوں نہ ہو اگر خوب صورت الفاظ کا یہ ان بند ہو تو تاثر اور اہمیت کھو رہا ہے۔ بیان اور الفاظ کی کشش ہی تحریر کو دلچسپ بناتی ہے ورنہ تحریر خشک اور بے مزہ بن جاتی ہے۔

ہماری مصنفین و افغانی اور تہذیبی اور ان کی پیاس واری کرتے ہوئے تحریر کے حسن کو بھی ملحوظ رکھتی ہیں۔ ان کی فکر، سوچ، احساس اور حسن بیان کا یہ اندازہ لھیے۔

حرف تہری رہ جاتی ہے۔"  
 یہ ایسا جملہ ہے جو آج بھی پھرے فرقہ کے ٹوٹ بکسے آکا ہوا ہے اور میں اس کا پیچہ تبدیل کرتی رہتی ہوں۔

بہت دفعہ ٹول یا کمائی کو انجام دینے کو بھی جوا مانگر ہماری رائے ہمارے لیے اپنی محنت و لگن سے لگتی ہیں تو وہ جو لگتی ہیں سب انھوں پر ہے مگر ایک ٹول یا کمائی کا انجام ایسا ہوتا ہے کہ پھر چھینٹ مرانا عذر کے تحت کرنا مشاغل کرنا اور اس ملک کے ہونے والے مسائل سے نمٹنے کے لیے کوشش کرنا اور پھر کوئی بھی نہ رہتا ایسا ممکن نہیں ہے کیونکہ سب کو جاننا ہے کہ "ہر بھائی اچھالی سے قسم ہو سکتی ہے۔"

شہینہ آکر رہے۔ ہمارا کاغذی لیاری دل کی گمراہیوں سے خواتین ڈائجسٹ کو اس کی سالگرہ مبارک ہو۔ اس کا معیار روز اول کی طرح آج بھی بلند کیلئے کے مقام پر ہے۔ جس کے لیے تمام ہم مبارکبادی کرتے ہیں۔

1- یہ حقیقت ہے کہ خواتین ڈائجسٹ کی ان سنت تحریریں اپنے اندر ایک گہرا مقصد اور اصلاحی پہلو لیے ہوئی ہیں۔ کسی کا لکھا اور ایک جملہ بھی کسی کی زندگی کا اندازہ بنا دے تو سمجھیں یہ ہی ایک جواب ہے جس سے ہر ماہ لکھ کے ہر پڑھنے کے سوالات ظنی طور سے پورے 15 روز سوال نمبر (1) کا جواب تلاش کرنے میں لگے رکھتی اس کے لیے جیسے 18 شمارے جو ہر ماہ

- زمین انسان کا مسکن ہے جو اسے جھک کر نہیں چھوٹا وہ ٹوٹ کر زمینوں سے ہو جاتا ہے (ذہبہ ممتاز)
  - سو کوئی کا "صرف" ہو جائے وہ کسی کا "سب" ہوتا ہے (رہمت سراج)
  - عام لوگ۔ عام دکھ۔ عام خوشیاں۔ عام زندگی کا حسن ہی دراصل "عام" ہونے میں ہے۔ (استریلہ ریاض)
  - کسی بھی حالات کی خرابی میں ہی کوئی بھلا بھری مصلحت چھپی ہوتی ہے۔ (عالیہ بخاری)
  - عقیدتیں اور رشتے حصار سے مل جاتیں جتنے گراموں کی گھنٹیوں پر کے سمیٹ لیا جائے۔ (فازانہ اعجاز)
  - دل گھٹانے کے لیے حلقہ کے بیٹے، گھنٹوں سے والوں کو آخیر کر لینے سے پوریان اسب سے ڈراؤ۔ (ذہبہ ممتاز)
- سالگرہ نمبر کے نمونے کا پہلا سوال اسی جو اگلے سے ہے۔
- (1) وہ کون سا ماہ مبارک ہے اگر اگست ہے جس نے آپ کے ذہن میں مدغم ہوئی۔
- (2) کسی کسی ٹول یا کمائی کا انجام دینے کو بھی جوا مانگر آئیے دیکھتے ہیں ہماری قارئین نے تلاش کے نتیجے میں متنی موٹی پتے ہیں۔



## لفظ روشنی ایسی

آواز

اسماء اقبال عمران لاہور

1- ویسے تو بہت سے جملے ایچ آکر ان نے زندگی کے اندر جھاڑ میں ہاتھ پکڑ کر رہنے کی ہے مگر ایک جملہ جو تہذیب و دانش کے نخل سے ہے۔ "ہجر کو میرے برداشت کرنے والوں کے لیے

90 سالہ کی حیالی سے لے کر اب تک خواتین ڈائجسٹ شعل گن پڑھتے ہوئے زندگی کے شب و روز گزار رہے ہیں۔



جائے اس سے ان کی عزت میں فرق نہیں آتا بلکہ چھوٹوں کو بھی جھکنا آتا ہے۔ (عمیدہ احمد)  
 بہت سارے ایسے ہی اراکف ہیں جن سے ذہن میں روشنی اور دل کو سکون ملا بہت کچھ سیکھا ایمان امید محبت کلمہ ہی اراکف مجھے بہت پسند ہے  
 ایمان کے پیشے پر کتنی ہی گرو اور مٹی کیل نہ ہو اسے صاف کیا جا سکتا ہے بس صرف ایک ہاتھ دھیر بنا پڑتا ہے اور شے شے میں سے عکس نظر آتا ہے کہ ہو جا ہے اور پھر ہر ہاتھ کے ساتھ کس کس سے زیادہ صاف اور چمکدار ہو گا آپ اپنے اور ہاتھ اس محبت کا ہونا ہے جو انہوں سے ہوتی ہے۔

تفسیر صفحہ 278 پر

ہمارے لیے صحیح ہے میری ذاتی میں لکھے ہوئے کچھ اصول موٹی یہ ہیں۔  
 ہمیں کا خاصہ جدائی توڑنا بھی چاہیے تو محبت کلندا ایسا بھی نہیں ہونے تاکہ محبت اگر امید اور حیات تو نہیں تو پھر کچھ بھی نہیں۔ (سعدیہ عمریز آفریدی)  
 ہمارے دل میں اتنی خوبزی چمکے کیوں ہے کہ ہم تمام مشقوں سے ایک جیسی محبت نہیں کرتے۔  
 (سعدیہ عمریز آفریدی)  
 ہمیں کوئی بھی سنی ہی قلبی صوف نہیں کر سکتا ہے کیونکہ ہمیں کہہ سکتا ہے کہ خدا اس کے بڑے ہوتے گناہ صوف کو نہ چھوڑے۔ (عمیدہ احمد)  
 بھی بھول گئی چھوٹوں کے آگے جھک جانا



ہاتھ ہماری رائیڈ توڑتا ہے جو ہمیں کمالی کے تجربے کر اللہ سے قریب کر دیتا ہے اور ہمارے دل کے کئی اور کھل جاتے ہیں اور یہ وہ طریقہ تبلیغ بہت برا اثر ہے اور دریا اثرات کا حامل ہے۔  
 1- ایسے بے شمار بہت و فہر کے موٹی ہیں۔  
 نے خواتین کی تجربوں سے بچنے اور اپنی باتیں نہت بنائے ان میں سر نہ بہت عمیقہ احمد نے شہزادت سے ایک اقتباس۔  
 یہ مردوں کو داندے و دوازے کا نام دے رہی ہے رستہ روٹنا ہے رستہ اس نے روک دیا ہے۔  
 عورت کا رستہ اس نے روک دیا ہے۔ آگے جا سکتی نہیں رہتا۔ اسی کے تو عورت نہ تخیل ہو قوت اور نہ دل۔ وہ دوازہ صونے کی پوشش ہی نہیں کر سکتی۔  
 دوازے کی روکٹ پر بھی اسے ہی سجدہ کر لیا ہے۔  
 دوازہ پھر رستہ کیوں نہ روکے حالانکہ یہ نہیں ہے اور نہ ہی اس کی چاہیے یہ شخص و عورتی طلب سہولت کی چاہ نہیں۔  
 2- نومبر 2010ء میں نامہ جیلانی کا مکمل مد "زیر قبضہ کا تجربہ" شائع ہوا تھا۔  
 ہرگز نہیں اور پھر وہ گناہ تھا۔  
 صحتی بیوں کو کاہل سے دیکھ کر میں نے کہا کہ اس کی بے خبری اور بے اختیاری اور بے اختیار اور بے اختیار کیا تھا۔  
 خان سے کلام کو بہت سارے مہم کے ہیں۔  
 صبا مشین۔ جنم

مصروفیت ہونے کے باوجود میں ہنم نہیں کر سکتی رہتی ہوں کیونکہ اتنے اتنے سوالات کا جواب دینے کا موح وہ بارہ خوبزی ملے گا۔  
 ہمارے گروار کی تعریف کرتے ہیں تو اس میں بہت پر خواتین ڈائجسٹ اور اس میں لکھنے والی رائیڈ کا ہاتھ سے جیسے کہ ایک بار میری سسٹر ٹائیہ کو اس کی دوست نے کہا کہ  
 1- ہنم نہیں کہیں بھی چلی جاؤ اپنی لاشیں یاد رہتی ہو۔  
 ہمیں خود یہ معلوم ہوا ہے کہ کیا غلط ہے اور نہ

سے بڑے بڑے کا  
 کائنات کا سب سے انمول خزانہ سے مال بہا بہا اور بہن بھائی۔ جو نموت جیسی برف سے چلی رگول نہیں ہوتے خون کو محمد نہیں ہونے دیتے یہ اپنی جڑوں اور اپنی شناخت کے ساتھ جینا ہی زندگی ہے۔  
 (سعدیہ عمریز آفریدی)  
 "کر پکے سڑکی صوفیوں سے ہوں آئیلہ باور و جو تھکوت سے چڑ ہو تو کبھی پورے سفر کا ارادہ پورا نہیں پانہ صفا ہے۔  
 "مٹھن تک رسانی مشکل ہو جاتی ہے۔" (مٹھن بھٹی)  
 "انسان شخصی ارتقاء کے ابتدائی ادوار میں کمالی مٹی کی مانند ہوتے ہیں۔ جنہیں معاشرے کا بہا بہا تربیت کے چاک پر دھرا ہے اور بڑا بڑا حیات کی مائیک کو نظر رکھ کر انہیں ایک خاص سائے میں ڈھاتا ہے۔"  
 (پرشہ سعید)  
 "جن سے محبت کی جاتی ہے ان کے لیے دل میں ایک قبرستان بھی بنا دیا جاتا ہے جس میں اپنے محبوب کی ساری خاموشیوں کی یادیں مانی ہیں اور ان پر کتنے ہی اکس لگائے جاتے۔ (عمیدہ احمد)  
 "ہم سب کا ناول اپنی رائیڈوں کی ملک جس کا انجام پانہ کر ایک دم شاک کا اور ہماری توقع کے برعکس یہ ہوتا ہے۔  
 اگر میں اپنی لکھی تو کچھ اس طرح ہونا کہ آیا گورر غازان نے سچے مال سے چاہا تھا۔  
 وہ لوگوں کے درمیان بے شک نہ کافی فرق ہے شک تھا۔  
 ہا پانہ سے شادی ہے شک نہ کر لی مگر اتنے دوستوں کی طرف اس سے پانہ ہو جاتی تاکہ پانہ پانہ کے ساتھ اپنی ہی زندگی ایک اچھی امید سے شروع کر سکتا ہے کہ وہ تمام عمر یہ جھتتا رہے گا کہ ہا جان ہارٹی۔  
 کیونکہ اس کی موٹی کی لڑی ٹوٹ گئی تھی۔

میرے اللہ سے قریب کرنے میں  
 سعیدہ شریٹ۔ فیصل آباد  
 خواتین ڈائجسٹ اور ہمارا ساتھ ہیں سال پرانا ہے اس ڈائجسٹ کا۔  
 گروار میری زندگی میں بہت نمایاں ہے اور مجھے میرے اللہ سے قریب کرنے میں



میں پہلی بیوی کا نکاح مگر ہوا تو ایسا نہیں۔ خلیل عثمان کے باہر پر محسن صاحب اسی کا کارزار تھے ہے نہ اچھا لگا۔ اشراق مگرچہ خاصا قسمی سا مہاکرم کا چھٹا نکاح اچھا لگا۔

ثانیاب جیلانی کا نکاح۔ کیا نکاحوں میں جیسا کہ ثانیاب بہت اچھا قسمی ہیں کہ اول کو چھوڑ جاتا ہے اور دوسری سے باہر ملتا ہے۔

اب آئی ہوں اس خبر کی طرف۔ حسن نے پہلی قطعت مجھے منور کر رکھا ہے۔ ایک ایک لفظ۔ ایک ایک سطر۔ کمال ہے۔ بشری کی طویل غیر ماضی کے بعد "میں" کو "میں" سے لیکھا جاتا ہے۔ خلیل کا مگر کڑی خیال پھر نکالے "عظیم بنیم" کو مر کے کو مار کھلی کی جین ہیں۔ ماضی و مستقبل کا حسین احتراز ہے۔ بشری نہایت کامیابی سے تمام کرداروں کو نبھاتی ہیں۔

تیسرا نکاح۔ کچھ کرمت خوشی ہوئی۔ پہلی انہوں نے بہت اچھا لکھا۔ مگر بشری کی ہی کا نام ہے۔ کچھ مباحثات کا متقاضی ضرور تھا۔ دور دور میں اچھا تھا۔

ثانیاب جیلانی کا مکمل نکاح بھی اس بار مجھے بنا کسی تنقید کے مجھے از حد پسند آیا۔ سرحیل اور خلیل کا گروہ کرمت اچھا لگا۔

نہو نے بہت اچھا لکھا۔ خوب لکھا۔ بہر حال ناموں سے۔ یہاں سے ڈاکو ہر سو ملتا اور مکمل کرمت۔

انسانے سے علی خوب رہے۔ عشق نے بہت جلد تمام بھڑا کر اٹھا۔ اچھی مکمل پہل بھی لکھتے۔

پہلی بار وہی حنیفہ طویل غیر ماضی کے بعد آپ کا دیکھ کر کرمت خوشی ہوئی "تو آپ نے بتایا ہی نہیں کہ گپ کا وہی منتشر کیوں ہے سستی اور مایوسی کیوں چھیلی ہوئی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ تم جس دور میں ماضی لے رہے ہیں۔ کہو پیش سب کا یہی حال ہے لیکن مایوسی تو گناہ ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت یہ لیکن رحمتیں اور دعا کے ساتھ مقدور بھر کوشش بھی کرتی رہیں۔ حکایت ضرور بدلیں گے ان شاہ اللہ۔

اور یہ تو بتائیں لکھنا کیوں چھوڑ رکھا ہے؟

رقیۃ الداس محبوبہ عشت۔ اسی میل (گراچی) اسی بار تو نمبر احمد بازی نے لکھی۔ بہت عرصے بعد کوئی اچھی خبر دینے کو ملی۔ درخشاں ٹکڑ بھی بہت اچھا لکھ رہی

ہیں۔ اب تو بس ناول کی آخری قسط کا انتظار ہے۔ منور صاحب پرے تو بہت ہی ہنسا۔ اول دن محنت اور بے لگائی خواتین میں ہر ماہ ایک مزارعہ عمر شہور شامل ہوتا ہے۔ ثانیاب جیلانی کی کہانی میں مزہ نہیں آیا اور ہمہ عمر کی کہانی باہر لکھی نہیں گئی۔ بہر حال کو پیلے اور سرخ میں حکیم بنا دیا کیونکہ وہ بہترین تھی۔ انھارے سارے اچھے لکے انٹرویوز، شامی اور تمام سلسلے ہی اچھے تھے۔

ج: رقیۃ الداس "محبوبہ" عشتا ایاز اور بی کا شکریہ۔ محنت عطر طاہرہ اور دیگر محنتیں شک آپ کی تعریف ان طور کے ذریعے پہنچائی جا رہی ہے۔ مزاج میں بھی بہت پسند ہے لیکن مزاج لکھنا آسان نہیں ہے۔ اس کا اندازہ اس سے لگائے کہ افسانہ نگار مکمل ٹکڑ کرمت میں لیکن مزاج نگاروں کی تعداد انھوں پر ہی جا سکتی ہے۔

حکیم زمانہ کی بہترین رہی تو کئی نہیں تھی اس کے باہر پر جو کچھ لکھی اس کی وجہ سے اسے اپنے باپ کے رشتے داروں پر بہت فخر تھا۔ وہ ان سے بدل لیتا چاہتی تھی لیکن فیضان اس کے دل میں جگہ بنا چکا تھا اس لیے اس کی بڑائی و پرورش نہ کر سکی اور اس کو اپنی دکان سے لکھنے کی کوشش کی۔

مصرعہ مرقوم۔ حیدر آباد

محسن گراہت سترن بار ہی سے نہایت "نیمہ" اور "محبوبہ" میں لفظ نہیں ہیں اس کی طرف کے لیے محنت یا شاخ کا "دھنگ" کے رنگ سے ملاحظہ وقتہ۔ لکھنے پر مجبور کر گیا۔ حکیم آت کامل ناول "تو" میں تعین شہا کے وہاں والے تھے کو واضح نہیں کیا گیا باقی اچھی تھی۔ مجھے آپ سے دلگتھ کوئی ہے کہ "میری فاضلی کو بیاں لے" اس سلسلے کو بھی مستقل کر دیکھ۔

ج: بہر صورت عمار آپ نے اپنا نام کیوں نہیں لکھا؟ ہم تو انسان کی شناخت ہوتی ہے۔ شادی کے بعد آپ کے شوہر کا نام آپ کے نام کے ساتھ جڑ جاتا ہے لیکن آپ کی اپنی شناخت اپنا نام تو اپنی رہتا ہے۔

میری خاموشی کو بیان لے سکتے بند نہیں کیا گیا ہے اس سلسلے کی ہی کی وجہ سے کبھی کبھی شامل نہیں کر پاتے۔

کرت شامہ شیل کی یاد

میری آئی 20 سال سے۔ ہر ماہ پڑھ رہی ہیں۔ وہ کتنی اچھی لکھی گئی کہ اس نے بہت اچھا لکھی تھی۔ اب سب جیسا معیار میں رہا۔ اس ماہ کا ناول اچھا لگا۔ راشدہ رقت کا افسانہ پڑھ کر اچھا لگا۔ باہر حقیقت کے قریب تر دھک کے رنگتے محنت جی اب دو عالمی شادی کروائیں اور اسے لکھا جاتا ہے۔ اس کا جو خواب تھا جو ہو جائے۔ اس ماہ کی سب سے بہت اسٹوری "محبوبہ" نمونہ تھی۔

تجدت مکمل نام پہلی بار سب سے لکھی۔

ج: اچھا لکھی گئی۔ انٹریز ہوا زمانہ ہمیشہ محسن نظر آتا ہے کیونکہ وہ لوٹ کر نہیں آسکتا۔ آپ کی آئی اگر اب میں ناول لکھی گئی کہ انہیں پڑھیں گی تو ان کو کہیں "احساس ہو گا کہ کہیں کا معیار جج بھی کم و بیش رہی ہے بلکہ ہماری کچھ ہی رائے تو بہت اچھا لکھ رہی ہیں۔ اور انہوں نے بہت سے ایسے موضوعات پر بھی لکھا ہے جن پر پہلے نہیں لکھا گیا۔

وحدت بہت اسی میل (سیالکوٹ)

ماہی کا پورا شمارہ بہت وقت گزارا۔ بہت میں محنت عمار کا افسانہ پڑھ کر خوش ہو گیا۔ اچھا لکھا۔ ناول "محبوبہ" بہت بہت ہے۔ ثانیاب جیلانی نے "دور" محسن کے بہت اچھا لکھا۔ شہزادہ کا ناول "تو" بھی اچھا تھا۔ بشری سے لکھا۔ "تو" میں وہ بہت اچھا ہو گیا۔

اب اس کی انجمن سلجھ رہی ہے تو اب اسی میں وہ بھی جڑتی جا رہی ہے۔ بہت وقت تاہم کا چہرا "آخر شب" ہے

شک ایک اچھا ناول ہے۔ اس بار سب سے اچھا افسانہ شہزادہ محنت ناول کا تقدیراں افسانہ بھی پڑھ آئے۔

ج: باری پڑھنا تو انجمن "انجمن" کی پسندیدگی کے لیے ناول سے شکر ہے۔

فرحت منصور گراچی

میں آپ کے ناول "انجمن" کی گزشتہ دورہ سال سے قاری ہوں جب میں ناول کی نکال دی گئی۔ اللہ تعالیٰ آج اپنی ازادگی زندگی کے بھی سات سال پورے کر چکی ہوں۔

مجھے آپ کے رسالے سے بارہی میں بلکہ محسن ہے۔ کچھ لکھ لیا اور پھر دوسرے دن میں کی مسودات اور شاید کچھ جج بھی کہ پتہ نہیں کھلا شامہ بھی ہو گیا نہیں۔ خط لکھ سکتی۔

میں آپ کو بتا نہیں سکتی کہ اس رسالے کی وجہ سے میری زندگی میں کتنی خوشی آئی ہے۔ وہ رائے تو واقعی اپنی جاہلی خبروں کے ذریعے پڑھنے والے ناول کو لکھی ہیں۔ ان کا گروہ بھی پڑھنا تھا۔ محسن ہے۔

"بہت خوب ستر" کی آخری قسط کا سن کر خوشی ہوئی کہ اس کے ساتھ ساتھ پچھلے کا نام بھی۔ کیونکہ مجھے شہزادہ کا ناول انتظار اس ناول کی وجہ سے ہوا تھا۔

راہت باہر جس طرح مناظر گروہ کا گروہ اور بہت بڑی بات اور محسن محسن کے بیان کرتی ہیں بہت کم محسن ایسا کرتی ہیں وہ تو واقعی لکھنا ہی جانتے ہیں۔ لیکن ابھی تک ان کا ناول وہ محسن نہیں لکھا رہا جو کہ عموماً اس "انجمن" کے لکھنے والے ناول کا نمونہ ہے۔

نہو اور کا مکمل ناول "محبوبہ" واقعی شہزادہ عمر

میں آپ کو بتا نہیں سکتی کہ اس رسالے کی وجہ سے میری زندگی میں کتنی خوشی آئی ہے۔ وہ رائے تو واقعی اپنی جاہلی خبروں کے ذریعے پڑھنے والے ناول کو لکھی ہیں۔ ان کا گروہ بھی پڑھنا تھا۔ محسن ہے۔

"بہت خوب ستر" کی آخری قسط کا سن کر خوشی ہوئی کہ اس کے ساتھ ساتھ پچھلے کا نام بھی۔ کیونکہ مجھے شہزادہ کا ناول انتظار اس ناول کی وجہ سے ہوا تھا۔

راہت باہر جس طرح مناظر گروہ کا گروہ اور بہت بڑی بات اور محسن محسن کے بیان کرتی ہیں بہت کم محسن ایسا کرتی ہیں وہ تو واقعی لکھنا ہی جانتے ہیں۔ لیکن ابھی تک ان کا ناول وہ محسن نہیں لکھا رہا جو کہ عموماً اس "انجمن" کے لکھنے والے ناول کا نمونہ ہے۔

نہو اور کا مکمل ناول "محبوبہ" واقعی شہزادہ عمر

سانچہ ارتحال

اورہ خواتین ڈائجسٹ کے انتہائی اہم کارکن شہزادہ مختصر عمارت کے بعد اس دار فانی کو الوداع کہہ گئے

اللہ وانا الیہ راجعون

شہزادہ صاحب گزشتہ میں سال سے اور وہ سے وابستہ تھے عملات محنتی اور دیانت دار سولہ لپے فرائض رہی ہیں۔ وادری سے انجمن ہوتے تھے ان کے خلوص اور محبت کی وجہ سے ادارہ کے سبھی افراد کے دلوں میں ان کا فاضل مقام تھا۔ ان کی وفات ہم سب کے لیے بڑا سانچہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور ان کے نکل و عیال کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

ہے۔ حکیم احمد اور نایاب کی تحریریں بھی اچھی تھیں۔ نایاب کی ہر تحریر کوشش محروست منظر ہوئی ہے۔ اس ناول میں خاتمن کی اپنے منگیت سے بے تکلفی پسند نہیں آتی۔

روایتی طور پر اس علاقے کی لڑکیاں بہت شرمیلی اور دل ریل ہی ہوتی ہیں۔ "افسانہ" "ایناگر" میرے محبت سے ہی لڑکیوں کی عروج کی عکاسی کرتا ہے۔ راشدہ رقص نے تو ہمارے دل کی بات فرمائی۔ بہت اچھا لگا۔

بشری سعید کے تو کیا ہی کہنے۔ میں تو ان کی گویا وہ ہو گئی ہوں۔ ان کو اتنی شاندار کارکوش پر مبارکباد۔

ج : فرحت خواتین و انجمن کی ایک اتنی اتنی قاری کا پلا خط ملا تو بہت خوش ہوئی۔ آپ یقین کریں کہ خط شائع ہوں یا نہ ہوں۔ ہم کو آپ کے خط پڑھ کر جو خوشی ہوئی ہے آپ اس کا اندازہ نہیں کر سکتیں۔ تقاریر میں کی رٹے جانتے کا یہی تو زور ہے ہمارے پاس۔ آپ نے بہت اچھا خط لکھا اب خاموشی نہ اختیار کیجئے گا ہمیں باقاعدگی سے خط لکھنے گا۔

**ذکیہ وحید۔ ائی میل (کراچی)**

مارچ کا خاتمن بہت اچھا لگا۔ سب سے پہلے اپنی دوست نورت محنت تحریر کا بارٹ بڑھا۔ محنت نورت محنت اظہار کر کے اس بار ہی قطعاً بہت دلچسپ محبت حکیم احمد اور نایاب جیلانی نے بھی لکھا اچھا لگا۔ نورا کو کون سا ہوا کہ بہت خوشی ہوئی۔ ناول خاصا اچھا ہے۔ محبت نورت کی کچھ زیادتی حریف کر رہی ہیں۔ نورت نے اس وقت کی اپنی پہلی ناول کے ذریعہ ہی قطعاً سب کو ان میں مرتبہ لیا یا ہے۔ افسانے سب ہی بہت پسند آئے۔

ج : ذکیہ آپ کو بہت دین کی پہلی ناول کا ذکر اچھا نہیں لگا تو ہم آپ افسانوں میں اس کا ذکر نہیں کریں گے۔ خواتین و انجمن کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔

**آہستہ۔ ڈگری کلنگ پورہ**

بشری سعید صاحب کو پہلی بار پڑھ دے ہیں۔ پہلی بار میں ہی وہ ہماری نورت دا نظر ہونے لگا اور جیسا پہلی ہیں۔ کمالی کی بہت بہت ہی اچھی ہے اور وہ ہمیں اس سے بھی زیادہ زیادہ بہت ہے۔ ہمیں اس میں عمر کا گوارا بہت پسند ہے۔ سلسلہ وار پلڑ میں ہمیں چراغ آخر شب بہت اچھا لگتا ہے اور اس میں ہمیں پڑھنے میں رشتہ کا گوارا بہت پسند ہے۔

ج : اچھا یہی آہستہ خواتین کی شخص میں خوش آمدید اور دعا کریں۔ آپ کی تعریف رقص تعریف نامید سجاد اور بشری سعید تک پہنچا رہے ہیں۔ امید ہے آئندہ بھی قطعاً لکھ کر آئیں راستے کا اظہار کر لیں۔

**فرخندہ انجم۔ لاہور**

سب سے پہلے تو اتنی رخصت نگر عدنان کے ہاتھ چوم لینے کو جی چاہتا ہے اتنا طویل ناول۔ لکھا سفر مگر اب یہ سفر ختم ہونے والا ہے۔

رخصت بہت دل چاہتا ہے تم سے ملنے کو شاید بھی لاہور کی بھی سڑکیں سامنا ہوا ہے مگر کب؟  
نورا ہمارے اپنے انداز سے بہت لکھا ہے نایاب جیلانی بہت اچھا لکھتی ہو تمہاری کچھ تحریریں پڑھ کر خاتمن کی حدت رہو جاتی ہے۔

سناں گراہی مثال آپ ہے بشری سعید نے اپنے خوب صورت کہانوں کے تحریریں لکھا کر لیا ہے۔

ج : فرخندہ بشری سعید کا ناول رقص جنرل 2003ء میں شائع ہوا تھا بہت جلد کتابی شکل میں آنے والا ہے۔

**خواتین و انجمن کی پندرہویں کی لیے شکریہ۔**

سیدہ و خیر۔ جہانگیر۔

مارچ کے انجمن کے سروسز کا رنگ تحریر اچھا لگا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے دل کے مال کو خاص اچھی نہیں لگی۔ محنت تحریر کی تحریر "ہولنگ کے رنگ" زیادہ کو مزہ کیا۔ محنت اتنی نایاب و نورا کے ساتھ بچے روایتی کر جاتی ہیں۔ نورا جو اتنی "صحیح" "چھٹی" تحریر بھی اس کے بعد نایاب جیلانی کی "کچھ ہن لکھیں گے" "ہیں ٹھیک اتنی اچھی نہیں لگی" "سناں گراہی" شہزاد میں اچھی ہوئی تھی اب کچھ بچہ واضح ہوئی ضروری ہے اور امید ہے کہ ان کی یہ تحریر بھی ان کی باقی تحریروں کی طرح تہہ دست ثابت ہوگی۔ میری کہانی کا ایسا پیرا پیرا ہے۔

یاد رہی عبا خواتین کی شخص میں خوش آمدید اور دعا کریں۔ ہمیں بے حد انور ہے کہ آپ کی کہانی قابل اشاعت نہیں ہے۔ ابھی آپ کو بہت محنت کی ضرورت ہے۔

**جنی فرحان۔ نواب شاہ**

سب سے پہلے تو خاتمن کو سالگرہ بہت بہت مبارکبادیں۔ ایک بہترین انجمن ہے جس نے واقعی نایاب کی حدت کی سے مل کر لکھنے کی ہی بہت سے دن لکھیں گے۔ نایاب کا ایک اور بہترین ناول تھا آج کل رو بہ چرچا مہارت فورٹ ہیں۔

نورا اور کچھ صحف پڑھ کر بہت کو ہوا۔ ہلا کوئی لکھا بھی کر سکتا ہے اور کچھ آہستہ کے ناول میں یہ کبھی کے خیالات ایک دم بدل گئے تھے؟ وہ تو بدل لیتا چاہا رہی تھی یا فیضان؟ اپنی دے ناول اچھا تھا دولت اور افسانے بھی تمام بہت تھے۔

ج : جنی خواتین و انجمن پسند آیا۔ تمہاری سے شکریہ۔

حکیم احمد کے ناول میں کبھی کے خیالات ایک دم اس سے تبدیل ہونے کا فیضان نے اس سے آخری ملاقات میں کہا تھا۔  
"آر کبھی محبت برین بہ عورت کی خبر سے تو خیر ان مت"۔

اعلیٰ کے دل کی گہرائیوں میں کہیں فیضان کی محبت چھوڑ گئی تھی۔ یہ سنا کر فیضان کو اتنی ڈیڑا سے کانٹے کے سوا اور سے فاسد لکھنے کے کا نہیں لیا۔

**تحریر قاتل۔ فانی پیلہ**

سب سے پہلے ناول میں صحف پڑھا۔ نورا ہمارے بار بہت تحریر لکھی۔ ناول کا گوارا بہت اچھا ہے جاتی ناول ڈیڑا مطلب ہے ضرور تباہی لگے۔ میں نے آپ سے ڈیڑا قاتل کے اثر کو پہلی قیامت کی محبت سعید احمد صاحبہ سید فرحت اسیان اور تنزیلہ ریاض اس وقت لکھنا بہت ہوئی ہیں۔ شہرت تو انہیں خواتین سے ملی ہے۔ سیدہ نے ان سے کہیں کہ اپنے پڑھنے والوں کے لیے کوئی اچھی ناول لکھیں۔ پہلی میں آپ کو ایک کہانی بچھوڑا ہی ہوا۔

ج : خاتمن خواتین کی شخص میں خوش آمدید اور دعا کریں۔ ہمیں بے حد انور ہے کہ آپ کی کہانی قابل اشاعت نہیں ہے۔ ابھی آپ کو بہت محنت کی ضرورت ہے۔

**آپ کی تحریر ان کی پڑھی نہیں ہے۔**

مہوش عبدالمجید۔ ماسٹر تعلیم شہر  
عشق مجھ کو اس سے کہنے افسانہ پڑھا تو بہت لگا۔ نورا اور نایاب کا ملکہ پڑھ کر گئی۔ ذیلی دن نورا اور نایاب ملک سے ناول لکھا کریں۔ راشدہ رقص کا ایسا تحریر بھی اچھا تھا البتہ ام مہریم کا مہوش بشری سعید کا ناول کر تہہ دست چاہا ہے بشری سعید کی آپ بہت ہی اتنی ہیں۔

ج : مہوش آپ خط شائع نہ ہونے پر اتنی افسردہ ہوئیں کہ اپنے شہر کا نام لکھنا بھی بھول گئی ہیں۔ آج کل شہر کا نام ضرور لکھیں گا۔ بشری سعید اور دیگر مصنفین تک آپ کی تعریف پہنچا رہے ہیں۔

**اسلام مہرازی۔ رحیم یار خان**

"ایک بات بتا دیجئے کہ e-mail اور ان کو یہ لکھ کر send کرنی ہوتی ہے یا رو میں رو میں؟" محبت خواب سنز "ایک ایسی تحریر ہے کہ جب تک سانس چلے گی تب تک یاد رہے گی کچھ فیضان تحریر کے ہوتے ہیں جو اصل ہوتے ہیں کاش یہ شہر میں بات نہ ہو سکتی۔ بشری سعید تو ہم کو "رقص جنرل" افسانے کے بعد سے ذہن اور دل میں چھینا ہو گیا۔ آپ نے لکھا کہ پڑھی ہوئے کے ناول کا نام اور گوارا اتنی ہیں اس سے اچھا نہیں ہو سکتا۔ سب سے اس بات سے اختلاف ہے اصل اور گوارا میں ہیں بلکہ بشری کے افسانہ اور لکھنے کا اور افسانہ ہے ہم سب سے لوگ سیدھی باتیں سیدھے لہجے اور انہیں پڑھنے کے عادی تھے اس لیے بشری کا اور انہیں نہیں ہو رہا بشری اس انداز میں لکھ رہی ہیں جو کہ نکل ہونے پر ایک شاہکار ہے گا ان شاء اللہ۔

عبد العزیز علی زہ کو اس نے دی ہے دیکھ کے تمہارا دل سولہ سولہ اٹھو رہا اور "میرے خواب ویزویرہ" کی جو "زنگ" ہم جیل کے رہنے سے اس کو کچھ لکھ لکھتی تھی چھٹ جائے گا۔ راغز سے گزارش ہے کہ باقی اتنی خوب صورت ہے وہ نہیں بیان نہ کیا کریں اگر کہیں ہیں تو ذرا سے ڈیڑا کبھی سے لکھیں کہ چھائی ہو جین کلمت لکھنے سے پہلے مشورہ ضرور کر لیا ایک دفعہ۔



نہیں ہے۔ غور رکھئے کھلی آنکھیں ہیں اور آئی بھی راتھی  
ہیں کیلین مجھے شوق ہی نہیں ہے۔ مجھے اسکرین کے  
پتے پر کرکھم کرنا اچھا لگتا ہے۔ ویسے کئی فلموں کو بھی  
پسند نہیں کہیں اور فلمی کی فیلڈ میں آؤں۔

”آپ دونوں ہی ماشاء اللہ برادری میں ہیں۔  
دونوں ہی مصروف رہتے ہیں تو کھیل زندگی سا اثر نہیں  
ہوتی کیا؟“

”نہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ گریڈ زندگی سا اثر  
نہیں ہوتی۔ اپنی لائف کو ہم نے سیٹ رکھا ہوا  
ہے۔“

”تو کلام آپ لٹریچر میں رہتے ہیں کہ جیسے اگر  
کوئی فنکار بنا رہا ہو جائے یا مصروف ہو جائے اور ڈیٹ  
نہ دے پارہا ہو تو آپ کو مشکل نہ ہو؟“

”زیادہ تر کلام ہم لٹریچر میں ہی کر لیتے ہیں لیکن  
کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ سیریل چل رہا ہے یا چلنے والا  
ہے اور کچھ اسلٹ کا کلام نہیں ہوا تو پھر لہجہ ہوتی  
ہے۔“

”یاد رہے کہ لٹریچر میں کام کیا ہوتا ہے کہ جیسے آگیا یا کہ  
اور۔“

”لیجسٹ کے علاوہ سب کچھ ہڈی ہڈی ہڈی کلام  
ہو تا ہے اور اس کے ساتھ ڈیفینس، مینٹلک، ہائر کیش اور  
کرنا فنکاروں کو بل کرنا، لو کیشز وغیرہ سب کلام  
پروڈیو سرکائی ہوتا ہے۔“

”تو پھر ڈائریکٹر کا کمال کلام ہوتا ہے؟ جب بخاری کلام  
آپ خوب کرتی ہیں تو پھر ڈائریکشن بھی تو خود کر سکتی  
ہیں؟“

”ڈائریکٹر کا کلام سیریل کو ڈائریکٹ کرنا ہوتا ہے یہ  
ہمارا کام نہیں ہے اور جب اتنے اچھے اچھے ڈائریکٹر  
موجود ہیں تو پھر ہم کیوں کریں اور پھر میں تجربہ بھی  
نہیں ہے۔ ہر کس کا اپنے کلام کا تجربہ ہوتا ہے ہر کوئی  
ہر کام نہیں کر سکتا ڈائریکٹر نہیں کہتا ہے کہ اس طرح  
کی لوکیشن جائے تو جو بیٹے ہم نے ہار کے ہوئے  
ہوئے ہر کام نہیں جانتے ہیں کہ ہمارے ڈائریکٹر کو

اصل جسم کی لوکیشن کلام سے اور پھر اس لوکیشن کو کارٹر  
اور ڈائریکٹر دیکھتے ہیں۔ لوگ کرتے ہیں جب پھر  
شروع ہوتا ہے تو اس کا ڈائریکٹر پتہ کر سکتا ہے اور  
ذہنی پروڈیو سرے سب کچھ دیکھ رہا ہے۔“

”کمالی میں زندگی پروڈیو سر کرنا ہے ڈائریکٹر؟“  
”اکثر ڈائریکٹر ڈائریکٹر کے ساتھ بیٹھ کر کمالی  
ڈسکس کرتے ہیں۔ جیسے میں اور وہاں تو اس طرح کے  
ساتھ لازمی بیٹھے ہیں۔ لیکن ہمارے ساتھ ڈائریکٹر  
کے ساتھ بیٹھے ہیں اور اپنی رائے کا اظہار بھی کرتے  
ہیں جیسے مصباح خالد یا مرنواز بھائی، کھلیل اشرفی  
بھائی سب ڈسکس کرتے ہیں۔“

”وقت کی باندھی کا اتنا خیال رکھا جاتا ہے کوئی  
سے آئے تو پھر کیا کیفیت ہوتی ہے آپ کی؟“

”اس فیلڈ میں کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔ کبھی  
رات کے دو بج رہے ہیں تو کبھی 4 بج جاتے ہیں اور  
کبھی کبھی تو پھر بھی ہو جاتی ہے اور جہاں تک فنکاروں  
کے درپے آئے کی بات ہے تو کمالی پر اس کا کلام نہیں  
آتی یہ کلام میرا خیال ہے کہ کھلی جان پوچھ لیت  
اور پتہ نہ نہیں آگیا۔ زیادہ تر لوگ آگیا ہے اور کھلتے  
آتے۔“

”کھلی سب کچھ ہاتھ آپ کے اور ہلاوں صحیح  
صاحب کے ہنر سے کیا سب کچھ کرنا چاہیں گے؟“

”اپنے ہارے میں کچھ بنا لیتے اور شادی کے لیے  
مشغور ہے کہ ”یہ یور کے لٹڈ ہیں جو کھلے وہ بھی  
چھتائے اور چونہ کھائے وہ بھی چھتائے۔“ آپ نے  
خیال میں کھا کر چھتانا چاہیے یا کھانا ہی نہیں چھتانا  
”جی میرا تعلق میمن پوروری سے ہے اور میرے  
والد صاحب برنس میں ہیں۔ میرا خیال ہے کہ شادی  
ہوتی چاہیے اور چھتائے یا نہ چھتائے کی بات اس  
وقت ہوتی ہے جب انڈر ایشین ٹگ نہیں ہوتی۔ اگر  
انڈر ایشین ٹگ ہے تو کوئی چھتانا نہیں ہوتا۔“

”ماشاء اللہ 1996ء میں آپ کی شادی ہوئی

”ہاں! یہاں سب سے کب اور کہاں ملاقات ہوئی شادی  
ہو سکتی ہے؟“  
”پہلی شادی تو سولہ سال اونٹن والے ہیں جیسا  
کہ میں نے آپ کو پہلے ہی بتایا۔ کو میمن پور ہے ہماری۔  
اور ملاقات یوں ہوئی کہ وہاں کی کھلی کا ہاؤس  
میں آنا چاہتا تھا تو میں ایک دوسرے کو پوچھ کر  
”کھلی۔“

”جب شادی ہوئی تو آپ بال طور پر دست استرونگ  
تھیں اور وہاں ایک تھے تو آپ کے گھر والوں نے  
استراش تو کھینچا کیا؟“

”نہیں ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔ ہماری تربیت میں  
ہی یہ مثال نہیں تھا کہ بیسے پا دولت مند ہونا دست  
ضروری ہے۔ یہ سب کچھ نہیں ہوتا۔ انسان کے  
غیب میں یہ ہونا ہے تو اسے مل جاتا ہے اور نہیں  
ہو تا تو میں ہنک میرے غیب میں تھا تو مجھے مل گیا۔“

”آپ شادی کر کے جو اٹھنے چلی گئی آپ  
”نہیں بے شک سے ہی ام لگ رہتے ہیں۔“  
”سیریل میں آنا چاہتا ہوں اور رہتا ہوں۔“

”ہاں کمالی میں ہم آتے جاتے ہیں۔ شروع  
میں ہم نے کمالی میں آنا چاہا ہے۔ ہمیں یہاں پھر  
کر رہے تھے کیا تھا لیکن پھر کئی کمپنیاں رہے تھے  
جو کمالی میں کھڑے تھے جیسا کہ جی روزانہ ہی ہمارا جانا  
ہو گیا۔ یہ پتہ کہ بہت زیادہ مصروف ہوئے ہیں تو  
تقریباً 3 سال سے روزانہ نہیں جاتے لیکن بیٹھے  
میں ایک دن تو ضروری جاتے ہیں اور فون پر بات تو  
روزانہ ہی ہوتی ہے۔“

”ہاں! صاحب کا ساتھ دینے کے لیے اور گھر میں  
خوش طبعی ہونے کے لیے تو یہاں آئی ہیں یا سب کچھ  
خوش ہوا ہے؟“

”لٹڈ کا شکر ہے کہ کچھ زیادہ قربانیاں نہیں دینی  
پڑیں۔ وہاں سے اب لوہی شروع کی تو اللہ تعالیٰ نے ہم  
فخرت و شکر کردی اور وہاں سے پروڈکشن شروع  
کی تو ساتھ میں سے بھی پروڈکشن شروع کر دینی۔ ابتدا  
کرنے میں وہ اپنے کے کھیل سے کی اللہ کا کریم

ہو تا کہ اور آپ کے ہرے تھے۔ پھر سلا میرا نام  
سے امریکہ میں بنایا۔“  
”شادی سے پہلے چوتھ لڑکی اور لڑکا تو کھو وقت کے  
لیے ملے ہیں اور شادی کے بعد ایک دوسرے کے  
تربیب رہنے کا موقع ملا ہے تو مزاج میں کیا تغیر آئی  
آپ نے؟“

”وہاں کے مزاج میں میں نے کوئی کچھ نہیں  
پایا۔ یہ جیسا تھا وہی اب بھی ہے۔ میں نے خاصہ تو اتنا  
کی نہیں ہے اور اگر آتا ہے تو بہت آتا ہے مزاجی مسائل  
میں ایک دفعہ یا چھ آٹھ مہینوں میں ایک دفعہ ہوتا  
ہے۔“

”آپ پر آتا ہے یا۔ اور آپ مزاج کی کبھی  
ہیں؟“

”نہیں پھر میرے فضلہ نہیں آتا تو کہیں یہ آجاتا  
ہے یا پھر ادھر نہیں آجاتے تو میں نے تو کہوں  
کے ساتھ بھی اسے غصے میں نہیں رکھا۔ اور میں  
تھوڑی سخت رہتی ہوں اس میں لوگوں کے ساتھ  
اس لیے کہ اگر ایک بندہ سخت نہیں ہے تو دوسرے کو تو  
رہنا پڑتا ہے۔ ہاں کلام ٹھیک طرح سے اور وقت پر  
ہوتا ہے۔“

”مزاج کے وقت لٹڈ کھولتے ہوتے کیا کھلا  
رہتا تھا ایسا حالت تھی آپ کے اور اپنا روپ کچھ کر  
کیا محسوس کر رہی تھیں؟“

”چونکہ کو میمن پور میں اس لیے شادی کا دن بہت  
اچھا لگ رہا تھا اور میکہ چھوڑتے وقت تھوڑی سی  
اڑا سی تو ہوئی ہی ہے اور ہر کسی کو اپنا روپ اچھا لگتا ہے  
تو مجھے بھی اپنا روپ اچھا لگتا۔“

”شادی کی راتیں انجوائے میں یا پور ہوئیں؟“

”اصل میں جب ہماری شادی ہوئی تو وہاں کا یہاں  
بہت بہتر تھا اس لیے اگلے دن جو اور پھر تھوڑی سی  
تھی۔ رہیں وغیرہ سب ہنسی کر دی تھیں تو بہت  
سادی سے شادی ہوئی۔“

”لٹڈ پور میں آپ کئی ماہ ہیں۔ وہاں کھانے  
پینے کے معاملے میں جیسے ہیں۔ چھوڑی ہیں اور وقت پر

"میں ماشاء اللہ گھر لے گیا اور میں ماہر ہوں۔ ہر کام کر لیتی ہوں۔ کھانا لکھانگے آتا ہے۔ لیکن میں خود نہیں پکانا ہوں۔ تم نے کب رکھا ہوا ہے اور میں تو صبح سو کر ہی بارہ ساڑھے بارہ بجے اٹھتی ہوں۔ اور ہاویوں کھانے کے معاملے میں چوڑی نہیں ہے جو ساتھیوں کے ساتھ کھاتا ہے۔ میرا یہ حلی ہے کہ جو میرا دل کرتا ہے میں کھا لیتی ہوں۔"

"بہنی مون کے لیے کہاں گئی تھیں اور کیا اتنی مون منہ ہمت ضروری ہوتا ہے؟"

"بہنی مون کے لیے ہم مارشس گئے تھے۔ سو لے میرا نہیں خیال کہ یہ ضروری ہے۔ لوگوں نے بس خود خواہی سے روایت بتائی ہے کہ اتنی مین ہونا چاہیے۔"

"تم دکھائی میں کیا ملتا تھا اور وہاں تک کون ہے؟"

"آپ یا ہاویوں؟"

"تم دکھائی میں ہاویوں نے مجھے ہیرو کی انگوٹھی دی تھی اور میں نے اسے ہمت سنبھل کر رکھا ہوا ہے کیونکہ یہ میرے لیے ہمت اہم ہے اور ہاویوں ہمت دے رہے ہیں۔"

"ڈرانے والے کو اگر اچھی لگتا ہے کہ ہاویوں ہمت دے رہے ہیں۔ ڈرانہوں میں جب یہ لوگوں کو ہمت دیتے ہیں تو آپ کو برا لگتا ہے؟"

"پہلے ہمت برا لگتا تھا مگر اب نہیں لگتا۔ اب تو ہم دونوں ساتھ ساتھ ہی ہوتے ہیں۔ اب ماشاء اللہ کافی عرصہ ہو گیا ہے اس فیملی میں اور پتہ ہے کہ یہ ڈرانہا ہے حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہاں شہزاد کے ایک سال ہمت محسوس ہونا تھا۔"

"ہاویوں سعید صاحب کی کوئی اور بری حرکت بتائیے؟"

"ہاویوں کی بری حرکت یہ ہے کہ وہ ہلکے بھلے ہوتے ہیں اور اچھی عاقبت یہ ہے کہ کسی بات کی روک ٹوک نہیں کرتے۔"

"ایک سوال شوہر کے لوگوں سے میں ضرور پوچھتی ہوں کہ اسلام میں چار شادیوں کی اجازت ہے اگر

خدا انہیں چاہے اور میں سعید نے دوسری شادی کی تو کس کا کیا رد عمل ہو گا؟"

"ہر عورت کا کیا رد عمل ہو گا ہے وہی شہزاد کی ہر عورت میں پھیلے گا۔"

"گھر کو جانے سوار نے میں کون زیادہ دلچسپی لیا ہے آپ یا وہ؟"

"میں ہی دلچسپی لیتی ہوں، مجھے شوق ہے ہاویوں کو تو کچھ پتہ نہیں ہوتا۔ ان چیزوں کی مینش وہ نہیں سمجھتا۔ تو کر کیا کر رہے ہیں؟ کیا نہیں کر رہے۔ کس کو کس سے رکھا کس کو نکالا کچھ نہیں معلوم ہوتا اسے۔ ہاویوں چیزوں میں پڑتا ہی نہیں ہے یہ سب میری ذمہ داری ہے۔"

"شادی کے فائدے ہیں یا نقصانات؟ اور لڑکی کا خوب صورت ہونا کتنا ضروری ہے؟"

"شادی کے فائدے بھی ہیں اور نقصانات بھی لیکن میری نظر میں فائدے زیادہ ہیں اور لڑکی کا خوب صورت ہونا ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ اگر شکل اچھی ہے لیکن اس کی سچا اچھی نہیں ہے اس کی سچا اچھی نہیں ہے تو شکل کا بھاری بھاری ہونا ہے۔"

"خوبصورتی سے بات کرنے کے لیے ایسا کام کیا کرتے ہیں؟"

"خوبصورتی کوئی لڑکی ہوتی ہے جو آپ کو دلچسپ سمجھتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کے ساتھ نہیں کہہ سکتیں۔"

"لہذا وہیں کہ میں تم سے بہتر ہوں۔"

"I Love you"

### ہاویوں سعید

ہاویوں سعید 27 جولائی 1971ء میں گجراتی میں پیدا ہوئے۔ ان کے کچھ بھائی ہیں اور ان کا بڑا بھائی سعید 1995ء میں شوہر کی فیملی میں قدم رکھا۔ سعید شہزاد ڈرانہا "زہر" تھا۔ اس کے بعد سے یہ مسلسل جھگڑا کر رہے ہیں۔

"کیسے آئے؟"

"اس فیملی میں اتنی آسانی سے نہیں آیا۔ ہم لوگ

ملا کر بیٹا کے قریب رہتے تھے۔ وہاں چلیوے بڑا اور دیکر فنکار بھی رہا کرتے تھے۔ میں خوش شکل تھا تو میرے دوست مجھے "میسو" کہہ کر لایا کرتے تھے۔ اور میرے دوستوں کی بھی خواہش تھی کہ میں ٹی وی ڈراموں میں کام کروں۔ پہلا جاس مجھے "تسلیم" اسم نے ڈراما "یہ جہاں" میں چمک کر کے دیا۔ پھر زہر کیا اور انڈیا چلے گئے۔ سلسلہ چل پڑا۔"

"شہزادہ سعید سے آپ کی ملاقات کہاں ہوئی؟"

"شہزادہ کو آغا عرصہ ہو گیا ہے اور بچے گئے ہیں؟"

"میری ان سے پہلی ملاقات ان ہی کے گھر میں ہوئی۔ میری اہلی اور شہزادہ کی اہلی آپس میں بہت اچھی دوست ہیں اور ملاقات بھی کچھ اس انداز میں ہوئی کہ میں ایک ڈرامے کی شوٹنگ ان کے گھر کرنا چاہتا تھا اور بس وہی پہلی ملاقات تھی جو دو سنی میں بدلی اور دوستی سے شادی ہوئی۔ میری شادی 1996ء میں ہوئی اور بچے نہیں ہیں اب۔"

"اب وہ اپنی زندگی کسی گزرتی ہے؟"

"اب وہ اپنی زندگی کسی گزرتی ہے؟"

"1996ء میں آپ کی شادی ہوئی۔ 1995ء میں آپ اس فیملی میں آئے۔ کیا یہ کام اتنی ہی آسان تھا؟"

"ایسا نہیں تھا کہ شوہر ہی سے میرا گزارا ہوتا تھا۔ میں نے جاب بھی کی۔ بے شک وہ میری بیوی جی جی کا نام تھا اور بیوی جی سے ہی انہیں آگے بڑھتا ہے۔ جب میری شادی ہوئی تو میں ملی طور پر تمہارا گھر دیکھا تھا اور شہزادہ کی فیملی سے تعلق رکھتی تھی۔ یعنی ملی طور پر۔"

"تو ایک خود دار لڑکے کی طرح شہزادہ کی ذمہ داری آپ سے خود اٹھائی کیا؟"

"یاکل تھا۔ میں نے خود اٹھائی اور اسے اپنی بیوی بنا کر اس غیبت میں لایا جس کا گھر یہ صرف پانچ ہزار تھا اور ہم نے پانچ سال اس غیبت میں گزارے اور آج

اللہ تعالیٰ نے مجھے ہر نعمت سے نوازا ہوا ہے۔ انسان جب بہت کم کرتا ہے تو پچھتاوے میں مبتلا ہوتا ہے۔"

"اب آپ ہاویوں پر کتنی مہینے ہیں؟"

"اب اس فیملی میں تھے تو گھر میں تھی ہوتی تھی۔ اس فیملی کے حوالے سے؟"

"ہاں کل تھی ہوتی تھی اور شاید ہر گھر میں ہوتی ہوگی لیکن جب ہاویوں اس فیملی کو سمجھ گئی ہیں تو شوٹنگ کی دیواریں خود بخود گر جاتی ہیں۔ شہزادہ کی خواہش تھی کہ میں اداکاری کو چھوڑ کر صرف بیوی بن کر رہوں لیکن اداکاری میرا شوق تھا اور میں نے یہ ثابت کیا کہ مجھے صرف شہزادہ سے پیار ہے۔ شہزادہ بھی اس فیملی سے ہے اور اس کو اچھی طرح سمجھ گئی ہے اس لیے ہمارے درمیان اس فیملی کے حوالے سے کوئی لڑائی بھڑائی نہیں ہوتی۔"

"شہزادہ بتا رہی تھیں کہ آپ کو قصہ نہیں آتا جیکے وہ خود مجھے کی چیز ہیں؟"

"جی ہاں مجھے قصہ بہت کم آتا ہے اور شہزادہ تو ذہنی ہیں اور تمہارے پاس آگے کھر کا نظام ٹھیک طرح سے چلتا ہے۔ گھر کے نوکر چارہ شہزادہ کی رعایت سے چلتے ہیں۔ اس لیے سب کو وہاں رہنا ہوا ہے۔"

"آپ کے کاموں میں شہزادہ کتنا متاثر ہیں؟ اور کیا وہ کچھ فائدہ دیتے ہیں؟"

"شہزادہ نے نہ صرف اپنی بیوی کو سنبھالا ہوا ہے بلکہ میرا بھی بہت سا کام لیا ہے۔ اور آپ کو کچھ نہیں کہہ رہے ہیں آج وہ مجھ سے زیادہ متقبل ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ شہزادہ ایک کھلم کھلا آدمی ہے اسے سب کچھ سمجھ کر آتا ہے۔"

"بھی دل میں خیال آتا تھا کہ سسرال سے کچھ ڈیمانڈ کروں؟"

"نہیں مجھے ایسا خیال بھی نہیں آیا اور نہ ہی میں ایسا کچھ سوچ سکتا تھا۔ میں نے بہت خود داری سے زندگی گزار دی اور گزار رہا ہوں۔"

اور اس کے ساتھ ہی ہم نے اجازت چاہی۔



# رحمۃ اللہ علیہا

پروفیسر عباس رشید کا گزرتا علمی و تہذیبی اقدار سے ملل کلاس روایات کا امین ہے۔ پروفیسر صاحب کی قابلیت ایک نئی مثال ہے۔ وہ تاریخ کے مضمون کے استاد روئے ہیں اور ان کی کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ ان کا روزانہ ہر طالب علم اور خاص طور پر عام کے لیے کھلا رہتا ہے۔ شاگردان کے علمی ترقی سے شہس حاصل کرنے آتے رہتے ہیں۔ گھر کا تمام نظم نسق پرانی کھریلو طرز پر کر رہی ہے۔ وہ بڑی جانفشانی سے سہما لے ہوئے ہیں۔ ان کی تنظیم کے ساتھ اولادوں کو بھی آراؤنی و اظہار کی مکمل اجازت ہے۔ ان کی تین اولادیں ہیں۔ شوہر عثمان اور عبید۔

بڑی بچی شوہر مال کی لائٹی ہے۔ دوران تعلیم غیر اعلیٰ سرگرمیوں میں خاصی سرگرم رہی۔ وہ مقامی کالج میں پڑھائی۔ شادی کے بعد اس کی صلاحیتیں جیسے گستاخی ہیں۔ سسرال میں علم اور تہذیب اولاد کی گئی ہے۔ ساس کھر جی عادی ہیں اپنے آگے وہ شوہر سمیت کسی کو ہٹنے نہیں دیتیں۔ شوہر کا شوہر ہم روایتی عود ہے۔ یہ ایک مقامی روزنامے میں صحافی ہے لیکن ایک پڑھی لکھی بڑی کے ساتھ اس کا رویہ انتہائی بے بسی ہے۔ اس کے ساتھ ایک بیٹی گڑیا ہے جس کی شکرانی کہہ سکتی ہے کہ وہ جہد بہت کی شادی اور توکری کرنے کے باوجود سسرال میں اس پر زبان بھاری کا اصول حق سے الگ ہے۔

عنان عباس کا تھان ان جوانوں میں رہتا ہے۔ قابلیت اور ذہنی کے اور جو عقل کو کسی ماحول نہیں گزرتا۔ اس کے گھر کے ماحول اور بڑے اور بڑے خاندان سے مکمل باہر نہیں کیا ہے۔ مختلف آلہ دہائی ذہن کے ساتھ وہ ایک گھر میں رہتا ہے کہ جو اس کا امین ہو جائے۔

عبید آج کے دور کی لڑکی ہے۔ ہر اپنے ذہن سے فیصلہ کرتا ہے۔ گھر میں باہر سے ترقی دہشت کے ماحول ان کا علمی تجربے سے نہیں اٹھنے کی طرح اسے روزانہ غائب۔ وہ اکثر کی طالب ہے۔ یہ حالات کو ساس کے اثر میں گئی ہے۔



عبر اور انگریزی زبانوں سے زیادہ سیکھنے کی سہولتیں تھیں۔ اس لیے کہ میں نے انگریزی میں بہت سی چیزیں سیکھی ہیں۔  
 وہ صرف عثمان کی وجہ سے اس کے پاس آتی جاتی ہے۔ عیسویوں کے پاس جو ہے وہ سب دیکھتی ہے۔  
 گریٹریٹ جی جی ایف ایف اور ماسٹر کیم جی جی ایف ایف اسرار کے ساتھ بہت دور باغش پڑھتے ہیں۔ یہی کتابیں اولاد ہیں اور یہی  
 کے بعد سے یہ دونوں قیام کے لیے رہیں۔ صاحب کے یہاں آتی ہیں۔ جہاں ان کی سائنس کی رٹاں ہیں۔  
 عیسویوں کا گروپ پاکستان کے حوالے سے اسٹیج شو کرتے کا ارادہ کرتا ہے۔ وہ بول و ظن سے محبت تو ہے۔ جسے دل سے  
 اجازت کرنے کا یہ اعلان ہوتے ہیں۔ اس مسئلے میں ناکامیوں سے عیسویوں پر ہوا اشتہار ہوتی ہے تو وہ کچھ دیر کے لیے عیسویوں  
 رضاکے یہاں چلی آتی ہے۔ پھر ان کی والدہ ابائی ایسے شلوں اور ڈھیر ساری محبت سے ان کا سواگت کرتی ہیں۔  
 کھینچیں اسے وہاں تک سرشار کر دیتی ہیں۔  
 ان کے گروپ میں ان کی کوششیں رنگ لاتی ہیں اور شو کرنا صرف ایسا نہیں بلکہ ڈراما اور ٹیٹھ میں سب سے  
 کیا جاتا ہے۔ عیسویوں سے زیادہ شوش کزن شوش کی موڈ والی صورت لیتی ہے۔ انہیں عیسویوں کی طرف طویل سٹوڈنٹ  
 کے شوپ کھینچنے آتا ہے۔ وہ توں میں نکلنے سے زیادہ دل گارڈ ہے۔ اس لیے ایک وقت کی بات تو ہی سمجھ لیتے ہیں۔  
 عثمان شوشیوں کے لیے عیسویوں کے حوالے سے آگاہ ہے۔  
 لہذا ہی دونوں باہاؤں کی عدم موجودگی میں ایک وقت کار سے عیسویوں کی ملاقات ہوتی ہے۔ جن کی مختلف سی شخصیت  
 اسے کچھ ابھارتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

19  
 ایشیوں قبیلہ

وہ 8 جولائی 2007ء تھا۔  
 حضور کو کراچی میں لے کر آیا۔ اس کا زمانہ تقریباً 1950ء کی دہائی میں تھا۔ اس وقت کے پاکستان میں  
 بالی وڈت اور نازم محمد وہو کہا جاتا تھا۔ اس نے اپنے سوا کل زمانہ اور وقت اور اس کے ساتھ ساتھ  
 تھے۔ وقت گزر کر وہ ہو گئے ہیں۔ وقت چھٹی گزر رہا ہے یا ہم چھٹی میں ہیں۔ وقت سے سرسری گزرتے  
 ہیں۔ فضا کم کی پیٹ میں تھی۔ اس قوم پر پارہا ایسے وقت گزرتے ہیں۔ جب قوم اس حد تک گزرتی کہ  
 اب ہلاک ہو جائے گی لیکن یہ جا رہے تھے اور جان عزیز۔  
 وہاں صبح سے ہاتھ میں وہ لٹو تھا مھلو نالے اس کی پھر کی جھما رہا تھا۔ صبح جب اسٹور کی صفائی کی جا رہی تھی اور  
 کام والی ماسی ایک پوری میں کودتا سمیٹ کر لے جا رہی تھی تو یہ نہیں اس کے ہاتھ سے یہ کیسے سمیٹ کر لے کر آیا تھا  
 جمال کو یاد نہیں یہ مھلو اس نے کبھی خریدنا ہو اور خریدنا بھی ہو تو پچھلے دنوں کو گزرتے ہوئے صدیاں بیت گئی تھیں  
 جب بن گھرا آئی تو اس کے ساتھ اس کے سرسریوں کے درجن بھر بچے بھی ساتھ آتے۔ مل کی عید اولیٰ کی  
 اس کے لیے بڑی آفرایش کا دن ہوا تھا۔ ان ہی میں سے کوئی اپنا مھلو پھینک گیا تھا۔ یہ پلاسٹک کی مھلو تھی  
 شکل کی ایک لٹو تھا چڑھی۔ جس میں سے سے پلاسٹک کے چار مختلف رنگ کے گھوڑے بندھے تھے۔  
 اور ایک چھری تھی۔ جس کو گول گھمانے سے وہ گھوڑے اپنے دائرے میں بھاگتے تھے۔  
 "عد ہوتی۔ گھوڑے نہ ہونے کو لھو کا کٹھن ہو گئے۔" اس نے گراہی گھما کر بے زاری سے سوجھا تو اس نے  
 سے مسلط تھی۔ پلاسٹک کی باہری دوار تھی کہ ایک لٹا ہوا نشان تھا۔ یہاں دراصل رہا۔ اسٹور ہوتی تھی۔

مسرح کا کھیل ایشیا تھا۔ جب بھری کھو رہا تھا کہ قریبی کوئی نہ کوئی گھوڑا اس حیرت کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔ جس رنگ کا  
 گھوڑا ہو اور رنگہ جیت گیا۔  
 مال کہ گھوڑا نہیں جیتتا۔ جیتتا ہے جس سے گھوڑے پر بول لگاتی تھی۔ بھری کے گھانٹے چکر لگاتے تھے گھوڑا غار  
 سے لگے پھر اس کی جگہ کوئی اور گھوڑا لے لگا۔ گھوڑے پر ہتی ہیں۔ اس ان کے رنگ بدل جاتے ہیں۔ وہ اپنی  
 بارہاں بھگتے ہیں۔ عجیب معل معل عجیب تر کھلاڑی۔  
 لی ڈی سے خانزی رشیدی تقریر کے کوئی تھی۔ وہ انکو سے کہہ رہے تھے "شاید یہ میری آخری تقریر ہو۔ آپ  
 اپنے ذاتی سوالات بند کریں اور مجھے اپنا پیغام پہنچانے دیں۔"  
 انکو برین کے پاس لکھے ہوئے سوالات دینے تھے وہ کیا کہہ رہے تھے اس کو خاص دلچسپی نہیں لگتی تھی۔ وہ  
 لکھے ہوئے کوئی کوئی ان کا خاتمہ کر دے اور وہ یہ نہ کہ لکھیں کہ یہ خبر سب سے پہلے ان کے ہینڈ کے دفتر  
 ہوتی تھی۔

"خانزی صاحب! یہ بتائیے اندر کتنے لوگ ہیں؟"  
 "اب آپ بتا سکتے ہیں کتنی اموات ہوئیں؟"  
 "اب اندر ابھی خواتین موجود ہیں؟"  
 وہ عجیب سے اکتا کر رہے تھے مجھے اپنی بات کہنے میں ان کی توازن ہموار لیکن وہ بھی تھی۔  
 ابھی زیادہ دیر نہیں گزری جب سیاہ برقعوں اور پائس کی شکل میں اٹھائے علم اور ڈھنڈے نے مسجد حفسہ کی  
 چھتوں کو گھیر رکھا تھا۔ لوگ پریشان تھے سوال کرتے تھے کہ کچھ کرتے کیوں نہیں۔  
 پھر اتوں نے سنا وہ کہتا تھا۔

ہمسایہ کی ملاقات سے مت گرا اور نہ سیکل ویر چلاؤ گئے۔  
 یہ کوئی گھوڑا ہے وہ کوئی ایشیا۔ کہتا تھا کہ اس کے لیے میری بہن ہے۔  
 جو اس کے لیے میری بہن ہے۔ اس کے لیے میری بہن ہے۔ اس کے لیے میری بہن ہے۔ اس کے لیے میری بہن ہے۔  
 کہہ رہے تھے کہ میں اپنا مال باہری منڈیوں میں فروخت کر سکتا ہوں۔ اس کے لیے میری بہن ہے۔  
 اس کا بارہ کر کے آج کل کے منڈیوں میں فروخت کر کے ایک غزوہ چلے رہا۔  
 سو بہت آسان کوئی منڈی لگاوی۔ مسر کا بازار تھا اور یہ صرف قافلے سے پھرا کر آئے فروخت تھا۔ آسان جج کر  
 یہ کمانڈریوں کے عہد کے بعد پھر سے شروع ہو گیا تھا۔  
 لوگ کاغذ پال تھے۔ قوم فروخت کر دی گئی اور چار زماں فروخت  
 اتنے بڑے کاروبار کے بعد پارٹی نے اس کو دوبارہ صدر منتخب کر لیا اور وہ اسی جاوہر جلال اور فرعونیت سے  
 مخالفی محمد صاحب کر رہا۔ قوموں کی آمد نہیں دس تیس سال بس کے لیے ہوتے ہیں۔  
 1999ء کی ایک اپریل شام میں جب راولپنڈی کے ٹنگ بازاروں میں گھومتے "بچی موٹر سائیکل کے لیے کسی  
 پر سے کی تلاش میں باور تھے سے ہونا کسی کے کہنے پر راولپنڈی کے ٹنگ ترین بازار میں داخل ہوا تو اس کی سچھ  
 میں نہیں آیا کہ اس شخص سے چوک میں ہر طرف کھلتے والی گھنٹیوں میں اپنا موٹر سائیکل لے کر کیسے داخل ہوا اور نہ  
 داخل ہو تو موٹر سائیکل کہاں چھوڑ جائے۔ چوک سے گزرنے والے ٹنگ راستے زیادہ تر زانہ بازاروں میں کھلتے  
 تھے۔ وہیں کسی ایک پوری کی اپنے قہ سے بلند ایک رہائشی عمارت سی تھی۔ جو اپنے رنگ کے حوالے سے پچھلی  
 جاتی تھی۔ یہاں سے تھو گھومنے والا اس کی ہم نام ایک مسجد جو ابھی تازہ نہیں بنی تھی۔ گو مسجدیں ہمیشہ تازہ ہوں

کلیات رانی ہیں۔ فلک فریقوں کے لوگ کسی دوسرے فرقے کی سیر کو حمایت گاہی نہیں سمجھتے۔  
 بڑھاپے کے دوران پرتگیزیوں کے گھر کی پرستش کو اپنی کرتے پوجائیں گے گئے کے لوگوں نے اس کی سزا دیا  
 پارک کرنے کی نیت تھی اسے تو کا تھا۔

"یہاں کا تو پارک نہیں کہتے۔ میں اور جاؤں۔"  
 "اسی کا تیاں تو گھر کی ہیں گھر کے بچے۔"  
 "یہ مشر صاحب کے سہارا کی کاڑیاں ہیں۔ آپ کی یہاں پارک نہیں ہو سکتی۔"  
 "اب بڑا بڑا ہوسے آپ کا درج ہے۔" اس کے دست نے چھتلا کر پوجا تھا۔  
 "ہاں بڑا بڑا ہوسے ہاں درج ہے۔" چھتلا پر مشتعل ساتھیوں کا اہمیتان نکال رہا تھا۔  
 "پلو پلو تھک ہے۔" اس نے ٹوڑ سا نیکل نکالنے لگا۔ "آج ہو ناقل نہیں رہو گے۔"  
 جب یہ حالت گھن دیا تو ان میں خوار ہونے کے بعد باہر نکلے اور سڑک سائیکل پر گھما کر مری روڈ پر گئے۔  
 کارنگ دلا ہوا تھا۔ وہی قارم میں بیٹوس بھیجیوں پر سارو روڈی پوش بندھو قیں لمانے لوگوں پر اس تیری سے بھاگ  
 رہے تھے جسے سڑکیں کسی اچانک آہٹے والی رفتار سے دھاوا دے چکی ہیں۔ چلتے ہوئے Hooters رقی رہا۔  
 تیسری جیسے کسی کو چھن کر رکھ جانے کی پروا نہیں کر سکی۔ لوگ دشت نہ ہونے اور شایہ کی مقہور بھی تھلا۔  
 ایک دوسرے کی شکلیں دیکھتے تھے۔ سو آیا ہے؟ لیکن کسی کے علم میں نہیں تھا یا ہوا لوگوں کو آکار دکھنا بھی کوئی  
 ضروری عمل نہیں رہا۔

اس نے بی بی لگانے کی کوشش کی۔ ہوش برہنہ تھی اور سرکاری بی بی صرف شو شل کر رہا تھا۔ 2007ء شریات  
 روک دی تھی۔ اس نے ریفری بوی تک جگہ جگہ شمالی لیکن ہر طرف ایک جاہ چپ تھی۔  
 لہذا آفس افیس اور شور بھونچیں سارے تلفظ کلن کے ریزنگ ٹاکس ہاؤس کے مالک ہیں۔ چھتلا نے  
 ہاتھ لگائے تھے۔ چھتلا نے ہاتھ لگائے تھے۔ چھتلا نے ہاتھ لگائے تھے۔ چھتلا نے ہاتھ لگائے تھے۔  
 چھتلا نے ہاتھ لگائے تھے۔ چھتلا نے ہاتھ لگائے تھے۔ چھتلا نے ہاتھ لگائے تھے۔  
 چھتلا نے ہاتھ لگائے تھے۔ چھتلا نے ہاتھ لگائے تھے۔ چھتلا نے ہاتھ لگائے تھے۔

ایر پورٹ ٹون کے ہاتھ میں بندہ اسٹیٹ ٹوٹ تھی گھر میں قہم ہو گئیں۔ آئین عارضی طور پر معلق ہے۔  
 ایر کھنسی کا فلفہ ہو گیا ہے۔  
 وہ اٹھیں اور کھتے ہوتے گیس سے خراس بلک کے ریفری بوی سے تھی حرتیہ سترہ چکی ہے۔ اب آؤری کوئی اپنی یا تو  
 گلی ہوئی ہے۔ 1958ء سے اسٹیٹ ٹوٹ ہو گیا۔ ملک میں ہارشل لاک گیا ہے۔ ایوب خان کے دور  
 اقتدار از خود آیا ہے۔  
 1968ء سے اسٹیٹ ٹوٹ گئی۔ قون نے ایوان پر قبضہ کر لیا۔ سارشل اپر اب بھی خان کا ایوان ہے۔ ایوب  
 خان کو ہر پھینک دیا گیا ہے۔

اب 1971ء سے بھی خان کو ہر پھینک دیا گیا۔ اقتدار مٹھا صاحب کے حوالے آیا گیا ہے۔  
 1977ء سے ملک میں مارشل لاء نافذ ہوا۔ بھٹو صاحب کر تھار ہیں۔ اقتدار جیل خاں کے پاس ہے۔  
 89ء سے 99ء تک وہ گولڈن سٹی ٹریڈنگ سٹی جس کے کان عادی ہو چکے تھے۔  
 ہر مارشل لاک کی طرح اس کا استقبال بھی شایہ نے بجا کر لیا گیا ہے۔ ملک بھر میں خوشی کی لہروں گئی ہے۔  
 سرکاری ادارے سکوت میں ہیں۔ اونٹن کسی کوٹ پتہ جاتے اور فیصلہ ہو جاتے کہ کل سے ان میں کس کی قیاد

خالی آ رہی ہے کہ ماہانہ بھٹو سے لگیں۔ عین دن تک ملک نے بغیر کسی سربراہ کے گزارا ہے۔  
 پھر مشرف صاحب نے کس نہیں آج ہوں بیٹھے ہیں اور تخت پر جلوہ افروز ہوتے ہیں۔ وہ ہیں بٹھو جیسے خدائی  
 اذکات ساز کرتے ہیں۔ لوگ کچھ نہیں پاتے وہ آئے گی ہیں۔ اور خطر ہیں کہ جاسکی کی ہادی کس کی آئی  
 جیسا یہی جاسکیں ایک دوسرے پر غرائی واہیں توڑ پھوڑ کرنی معاہدہ کی۔ اب جیل جیسے کی باری ان کی  
 تھی۔

اب گھر کا آؤ تو اس کے دور پر کو تو تھیں گے۔  
 راجہ گڈویر کونہ۔ میں جناب ا  
 چھتی کو لانا۔ کسی جناب ا  
 ان دونوں میں چھتلا؟  
 ایک نماز تھیں۔ دوسرے اپنے غلوں کی طرف نظر۔ چھتی صاحب ان دونوں میں چھتلا کے ہاتھ ہاڑھا  
 وقت کے حق میں لھلھائے بیٹھے گئے۔  
 لاکھ کو نمٹ رہے تھے۔ چھتلا نے اپنے سوچ پر ہموما "نکوتیں ایسے ہی سنبھال جاتی ہیں۔ بڑے بڑے  
 فیصلوں سے کئی نکڑائی۔ لیکن سے کیے دونوں کو بے وصیائی سے قراموش کرتی کہ اچانک وہ دیو پوزیکل نماز تھیں۔  
 یوں ہو گیا۔  
 خراب ہیں سے تیا جس کی ان میں تیری نہ تھی۔

آؤی رات کو آئے وہی ایک کل نے مقصد بدل ڈالے۔  
 وہ گزیرے تقریر کو ان کی آئی تائی ڈیٹا سے باہر گیا۔ لوگ چپ رہے۔  
 آؤ صاحب کر تھار ہوئے لوگوں نے وہ سنا دیا۔  
 چھتلا نے ہاتھ لگائے تھے۔ چھتلا نے ہاتھ لگائے تھے۔ چھتلا نے ہاتھ لگائے تھے۔  
 چھتلا نے ہاتھ لگائے تھے۔ چھتلا نے ہاتھ لگائے تھے۔ چھتلا نے ہاتھ لگائے تھے۔  
 چھتلا نے ہاتھ لگائے تھے۔ چھتلا نے ہاتھ لگائے تھے۔ چھتلا نے ہاتھ لگائے تھے۔

**اردو زبان کی طرف سے بہنوں کے لئے خوبصورت ناول**

<p>نویسنہ</p> <p>موضوع</p> <p>قیمت</p> <p>اوتھ</p>	<p>☆ تنہا، پھول اور خوشبو      راحت جنیں      قیمت: 225 روپے</p> <p>☆ بھولیاں تیری گلیاں      قاتلہ انکار      قیمت: 500 روپے</p> <p>☆ محبوبت جہاں نہیں      لہنی جہون      قیمت: 250 روپے</p>
--	--

32216361 فون      37-ارو بازار، کراچی      فون 32216361

اس وقت کی آخری جدوجہد جاری ہے۔ مشرف صاحب کا رد آف آفس سے رخصت کیجئے۔ وقت آ رہا ہے۔ پھر اگر چاہت جانتے گا۔ کہا لے طلوع ہوں گے۔ ایک عہد سے دوسرے عہد تک لاؤنگ  
 Anesthesia کا اثر سے ڈوبے لیکن محسوس نہیں ہوگا۔ یہ نئی ذہنیت سے ہم مسکن دواؤں کے بہتر  
 شمول کی حالت میں ڈیپ ہنڈوئی آنکھوں سے پلاسٹک میں بند رکھ کر نئی ٹوٹوں کی ریس ڈیکے رہے ہیں۔  
 ایک نے اپنے رنگ کا ٹھوڑا ٹھوس کر لیا ہے۔ پھر کے لگے چکر تک وہی ٹھوڑا فلن رہے گا۔ پھر اس کی ہڈی  
 کوئی اور ٹک لے لے گا۔ عجیبے ٹک ہیں۔ سو اتنے سے اتر جاتے ہیں۔ بس یہ ٹھوڑا لگ چھوڑ جاتے ہیں۔  
 ہماری پچھلی نسلوں نے وہی عقیدے بڑھے تھے۔ جو آج تک بڑھے جا رہے ہیں۔ جب عقیدے بڑھتے ہوتے  
 حلق خشک ہو جاتے ہیں اور مزید مدد سرائی کی تپ نہیں رہتی تو ہم سڑکوں پر نکل آتے ہیں اور اس وقت تک  
 داپنک نہیں جاتے جب تک اللہ ٹھوڑا اٹھا کر نہ بھیجے۔ پھر امید کے سانس سے ہی لہتے ہیں۔ بس اب  
 سب ٹھیک ہو جائے گا۔ پھر کی۔ تک پہنچے گی۔ راجہ کا ویر کوئی ۱۲ سی و کئی اسٹیڈ پریسٹن ایٹان آیا تھا۔ تو ہم ایک  
 شرمناک داروغے کے خون کے آنسو راکر۔

لوگ سڑکوں پر ہیں۔ اب سب ٹھیک ہو جائے گا۔ امید کا ایک ٹیڈا۔۔۔  
 بھٹو کا ورے بھگت کا ورے جو ہوا چلا آتا ہے اس کی ایک کرن۔ وہ چلا گیا اب سب ٹھیک ہو جائے گا۔  
 جہاں ضیاعا کر آیا تھا اور مرکز گیا۔  
 لوگ پھر تپتی آتے ہیں۔ یہ آخری سیاہ باب تھا۔ بس اب ختم ہوئی کہاں۔ ایک اعلیٰ اور روشن صبح طلوع  
 ہونے کو ہے۔ پھر وہ مال سے کہتے ہیں۔ وہ یہ بھرتو نہیں۔ پھر ہاوی کا نیا باب لکھتے پڑھ جاتے ہیں۔  
 کیا کبھی صبح طلوع بھی ہوگی؟

اس نے کئی سے باہر بھٹو نکا۔ آہاں پر ستارے چھلکا رہے تھے۔ ہماری کوئی روت نہیں جس کی صبح نہ ہو۔  
 ترہ بھٹو ہی ہوا کا۔ اس کے چہرے سے لڑا یا اس نے کئی میں یا کھلوا ہوا ٹھکانا کوہرا کی تاریکی میں نہیں  
 لہرا چلا گیا۔ اب وہاں ہی تان میں تھا۔

لیکن اطمینان تھا ہی کہاں؟  
 اس کا تحریر کے ساتھ معاملہ روایتی نہیں تھا۔ وہ گروپ میں شامل تھا۔ رہیں جا رہا تھا اس لیے اس کی طرف  
 کیوں پھینچتا ہے۔ اس نے اپنی اس خواہش کا اظہار اپنے گھر میں کیا تو اسے کئی روکوت کا سامنا نہیں ہوا۔ بات  
 وہاں پہنچی تو کسی مخالفت نے اس کا راستہ کھونا نہیں کیا۔ کوئی رہنمائی اس کے راستے کا وڑا نہیں بنی۔ لہذا اسے  
 کوئی روایتی دستور اپنانے کی ضرورت بھی پیش نہیں آئی۔ نہ نئے نئے پیچھے نہ خطا گئے۔ نہ تنہائیوں میں ملاقات کی  
 ضرورت پیش آئی۔ اور نہ وہ اس کے ساتھ تھا۔ یہ ضرورت میں ملا۔ ٹھوڑوں پار خود اس نے باپا تھا۔ سہانہ کی  
 طرح اٹھے کر چلا گیا۔

دو دن بعد وہ اس کو زور و قہار روٹی ملی تھی۔  
 اس دن جس شخص کے حوصلے کی خاطر وہ آنسو بہا رہی تھی۔ اچھی ملاقات میں وہ انہی گریسوں پر رہا تھا۔ اس کی  
 رشتہ میں دور ہی تھی۔ درمیان کلاوت تو جیسے آیا ہی نہیں۔ ایک پرل سے دوسرے پرل تک کا قصہ۔ پرل کی کہانی

وہ اس کو دے دیکھا رہا۔ پائی دفعہ بھی وہ اس کے فیصلے کے حیرانک نتائج سے آگاہ تھا۔ اور دوسری دفعہ بھی وہ

پانچ اچھا۔ سوال اٹھانوں سے باہر نکلتا سہل نہیں۔ لیکن اس نے دونوں مرتبہ اس کو نصیحت نہیں کی۔ اول ہی  
 کے کہ وہ وہاں ہی رہے۔ کہہ کر اور اور کرنے سے انکار کی تھا۔ شہزادہ کی دور سے پہلے اس کی کاش آیا تھا۔ صرف یہ  
 کہنے کہ تحریر حقیقت سے آگاہ نہیں۔ تمہیں یہ فرض ضرور لانا کرنا چاہیے۔ خواہ اس کا کوئی ٹاکنہ نہ بنی ہو۔ لیکن  
 جہاں آگاہ نہیں ہوں۔

میں کو اپنے فیصلوں کی ذمہ داری کا پتہ خود اٹھانا چاہیے۔  
 یہ سہل دوری مرتبہ وہ اس کے سامنے نہیں آئی۔ ایک تو اکثر سے دور ہی تھی تو ایک مدت بعد اس نے اس کی طرف نگاہ  
 اٹائی تھی۔ کسی کی بیوی ہونے کے بعد اس نے بھی اس کی طرف نظر پھر کر نہیں دیکھا تھا۔  
 وہ چھٹی چلائی کر میں آئی۔ ایک ایک۔ ہمنوا لی۔ ہر ایک کو شک کی نگاہ سے دیکھتی۔ سب کے ساتھ بد تمیزی  
 کرتی جیسے اس کے اندر آتش فشاں ابل رہے تھے۔ چھوٹ پڑنے کو بے آب۔ اسے خیال ہو گا وہ اپنی پر نہیں  
 ہمنوا کی دراصل اپنے فیصلوں پر ہنسیا لیتی ہے۔

سامنے والی اگر ہی پر بھی اس سے جو کہنے آئی تو جسے وہ کچھ کہنا اس کے لیے مشکل ہو گیا تھا۔ اس کی آنکھوں  
 سے دھوا کی چھلکی تھی۔ سحر کے فیصلے کسی ایک جگہ۔ فہم کو کسی ایک مقام پر دیکھنے سے ہماری تھیں اس کے جھٹلے  
 سے رہا اور لفظ اس کے ہاتھ سے پھل رہے تھے۔ وہ موت کی بوہشت میں جھلا تھی۔ سوزن کے ہی پہلی تھی تھی۔  
 اور عمل نے سوچا۔ وہ وہی مریض نہیں سمجھا کہ اس کی آج کی رپورٹ میں اس کا مرض نئے نئے کے لوہے کے نئے  
 پر لکھا آیا ہے۔ اسے ہدایت کی تھی ہے کہ کانڈ کلم پکاؤ اور پچھ لکھ ڈالو۔ جو دل میں آتا ہے سنا ہے اس کو کانڈ کلم  
 نہیا کر دے گئے ہیں۔ سبھی کٹ گئے ہیں اسٹڈی پروہ ایک میز کے گرد بیٹھ کر بحث کریں گے۔ کیونکہ ایک کیس  
 دوسرے مریض کے کلام آتا ہے۔ ایک ماہر سے تحقیق ہے۔

یہ شاید اس بات پر بحث نہ کر سکیں کہ وہ اپنے شوہر کا راز کیا ہے۔ روایتی دمی بیویوں کی طرح اس نے اس کو  
 چاہا۔ دن رات کی خاموش غمایت ان کے دل میں گھر گھر کے جتنوں کی اتھاہ گزرتیوں میں بھٹکتے رہے  
 انہوں کی نظروں میں سرخوردہ ہونے کی گھبراہٹ رہے کی بھیند لیتے۔ آخر کار اس پر لے لے شہر کے راز کو پایا تھا۔  
 لکھنے سے پہلے اس نے کئی مہینوں میں غماز تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اپنی بیوی کو اپنے  
 ساتھ نہیں چھوڑتے۔ کہ ان لوگوں کے لیے اس کو مار دینا نام گمراہی تھی۔ کوئی مشکل مجھ نہیں تھا۔ ان کی رشتہ  
 بڑا ہی کے لیے ایک بڑا داروغہ ہے۔ اس کا شوہر ایک ام سرکاری راز تھا۔ وہ انہوں پر اقتدار ہو گیا اور  
 سرکار اور فتنہ ضرور دیکھی مراد موت ہے۔

شاید اس نے ان دنوں میں لا تعداد مرتبہ سوچا تھا۔ شاید وہ اس کی ذاتی طور پر کوئی مدد نہ کر سکے لیکن ایک مرتبہ  
 اسے کہتا کہ اس کے اپنا قومی فریضہ ضرور ادا کرے گا۔ اور باور پائے سے وہ ماورا ہو چکی تھی کہ اب سب وہ آتے  
 مانتے ہوں گے۔ پھر وہ اسے اور باعزت رہی۔ وہ چھوٹ جاتے ہم سب کے سینوں پر وہ بڑا پھرے لیکن ایک دفعہ۔

میں نے یہ دفعہ۔  
 شاید یہ سال سے ہی کسی ہی صبح کا اتھا ہو سکے۔

میں تو ہر ماہ میں بعد ازاں تو ہر ماہ میں جہاں پہنچتے رہتی۔  
 وہ لوگوں کے ہاں میں بھی عجیب لکھا بچھا ہوتی ہے۔ ایک ہمارا نام ہی تو ہماری ذاتی چاہیہا ہے۔ وہ بھی ہم

# فیس فریش بیوٹی کریم



چہرے کو ایسا نکھار  
جو رہے ہمیشہ برقرار

2010  
Beauty Brands  
Award

ہمارے مہنگے مہنگے بیوٹی پروڈکٹس نے ہمارے ہاؤس کو ایسے حد تک نکھار دیا کہ ہمیں یہ یقین آتا ہے

صرف 5 روپے میں نکھار آجائے

اسٹیشن کنٹرول سوسائٹی پاکستان سے تصدیق شدہ جو انہم سے پاک بیوٹی اور واچ کریم جو  
چھوڑیں، ملنے بہت دلت دلت ہے، سچے سچے کریم ہے اور رنگ کو اکٹے کے ساتھ ساتھ  
سہولت کی شعاعوں کے ساتھ ساتھ اور ایک آپ کے سحر شہادت سے تھکاؤ کو ختم کرتا ہے۔

www.facefreshproducts.com

سے چمن جانا ہے۔ عموماً کے ساتھ تو ایسا نہیں ہو سکتا۔ پھر پھر خاتمے میں ایک لہلہا لگا دیا جائے کہ کنوارے چمن  
خلطے پیوہ۔ ہماری شناخت کا مجرم ہے۔ ہمیں کسی ایک ٹکٹھوئی میں ہر حال میں فٹ ہونا پڑتا ہے۔ ہوں  
تھا کوئی پہچان نہیں۔ ہم ایک دوست ہیں۔ پھر بھی ہماری ذاتی شناخت ہمارے حوالے نہیں۔ جب کوئی ہر وہ  
ہمارے پاس آتا ہے ہمیں ان میں سے کوئی لہا لہا کرنا ہوتا ہے۔ پھر ہمارا چمن جانے کو شناخت کے حوالے  
بدل جاتے ہیں۔

میں اپنی شناخت کو تزی ہوئی ایک عورت ہوں۔ ڈاکٹر صاحب! میرا تعلق کسی ایسے گھر سے نہیں تھا جس  
عورت کو بیکر کی جوتی سمجھا جاتا ہے۔ سنا ہے ایک زمانے میں یہ دوران عام تھا۔ اب بیکٹر لوگوں نے اس سے نجات  
حاصل کر لی ہے۔ میں تو ایک ایسے گھر میں پیدا ہوئی تھی۔ جہاں تعلیم ہی اور سزا تعلیم ہی پھرتا تھی۔ ہم تعلیم  
کھاتے تھے اور تعلیم چلیتے تھے۔ لیکن سچی خود کو معاشرے کی بندشوں سے آزاد نہیں پایا۔

ہمارے گھر میں دو لڑکیاں تھیں۔ بڑی بچی ہونے کے ناطے مجھ پر بہت سے داریاں تھیں اور بچے پیرا ہونے لگی  
بادشاہ میں گھر کے دکھ سکھ کی راز دواں تھی۔ لیکن چھوٹی بچی تھی۔ اس کا کام صرف اپنے ہاتھ  
آٹھواں تھا۔ ڈاکٹر صاحب! شاید آپ کو ایمان آئے لیکن مجھے اپنی بہن سے سخت نفرت ہے اور جہاں تک میرا خیال  
ہے وہ بھی مجھے کوئی خاص پسند نہیں کرتی۔ حالانکہ لوگوں سے محبت کرنے کے لیے اس کے دل میں بہتی تھی۔ لیکن  
جہاں بھی بلاؤں ہی سب کی توجہ کھینچ لیتی ہے۔ سچی کہ میری گئی۔

اب آپ پوچھیں گے جب مجھے اس سے نفرت ہے تو وہ میری توجہ کیسے کھینچ لیتی ہے؟ میں ڈاکٹر صاحب!  
ان کا بیوا ہوتے پاس میں ہے۔ سچی ایک وقت آپ محبت نفرت سب ہی کرتے ہیں۔ یہ Relation  
ہیں۔ سچی ایک وقت میں آپ جس سے محبت کرتے ہیں۔ اسی پچویشن میں دوسرے کسی وقت اسی شخص سے  
آپ شدت سے نفرت کرتے ہیں۔ آپ کو میری یہ باتیں یاد رکھیں۔ لگ رہی ہوں گی۔ حالانکہ میں یاد رکھتی  
ہوں۔ مجھے تو سچی میں سچی کسی نے مذاق میں بھی یاد رکھی تھی۔ آپ نے سنا ہے۔ سچی کو یاد رکھیں۔ سچی  
میں جو بہت تھی۔ اس وقت میں سنا ہے۔ سچی نے مذاق میں سنا ہے۔ سچی نے مذاق میں سنا ہے۔ سچی نے مذاق میں  
ہو۔ میں سچویشن مقرر ہو گئی۔ مگر لازم میرے دل کو بوجھنے کے لیے سچی نے مذاق میں سنا ہے۔ سچی نے مذاق میں  
دستے کی تھی۔ ان کے ان اقرار میں میرے ہاتھ کے ساتھ کون کلام آتا تھا۔ کون کے ساتھ میرا نام میں نے  
بھی کبھی سچی لیکن وہ سچی ہی تھی اور سچی سے ہمیں نہیں کتنی تھی۔ اس لیے چلاؤ کہ میرے دل کو  
نہیں کھینچے۔

ہم ایک دفعہ ٹرائی نے کرنا ہر نکل رہے تھے تو سچو نے مجھ سے پوچھا۔  
وہم اتنی بہت ہی تعریفیں سیکھتی ہو۔ جب لوگ تمہاری تعریف کر رہے ہوتے ہیں تو تمہیں کیا لگتا ہے؟  
مجھ میرے کالج کے زمانے کی دوست ہے یا شاید سچی۔ کیا میں نے اس سے کچھ پاس خرچ نہیں اس کا ذکر  
ہے؟ مجھے ٹھیک سے یاد نہیں آتا۔ لیکن وہ مجھ سے زیادہ امان کی دوست تھی۔ ہماری امان بھی عجیب و غریب  
ہیں۔ اس سے زیادہ مناسب لفظ ان کے لیے میرے ذہن میں اور کوئی نہیں۔

آپ کو ایک بات چیکے سے بتاؤں۔ ہمارا گھر کوہ سے پریشان و ڈر بڑا اچھا لگتا ہے۔ سب ایک دو سہ  
محبت کرتے ہیں لیکن دراصل ایسا ہے نہیں۔ یہاں بھی گروہ بندیوں ہیں۔ بالاکو جیسو پستہ سے امان کو میں  
زیادہ تر باکی چھٹی ہے اس لیے میں دوسرے درجے کی شہری ہوں۔ میرا تعلق مراعات یافتہ طبقے سے نہیں ہے  
اسے ہی وطن میں اپنی پڑھیں۔

ایک دفعہ جیسو وغیرہ نے ڈر لہا لہا تھا اس کا نام بھی پڑی تھا۔ مگر میں سوچتی ہوں انہیں ڈر لہا کرنے کی کیا

حق سمجھ کر اپنی آزادی اتر دیا۔

بھی خواہش صرف اپنے کام ہونا ہے۔ جب پایا جائے تو خواہش کی موت ہو جاتی ہے۔ سامنے ہندوئی کے آگے جانے کے رستے تھیں اور ایٹھ کہاے کو کچھ بچا نہیں ہے۔

تپیل سے ہونے والے نکلے کھلے۔ اس سب نے مجھے بھونڈا قتلہ انہوں نے میرا ساتھ نہیں چھوڑا۔ ان کو غیر ملکی چیز سمجھتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے دیکھا نہیں۔ ہوتے ہیں ذاکر صاحب میں نے خود دیکھے ہیں۔ جب ملتے ہیں ان کے قدموں کی آواز نہیں ہوتی۔ جس طرف گیزوں کی سرسراہٹ سی سنائی دیتی ہے اور ایک جھمکے ابھی کھڑے ہو گئے ہیں۔ لیکن شرمیلے ہیں۔ غور سے دیکھو تو چھپ جاتے ہیں۔ اسی لیے لوگ کہتے ہیں نہیں ہوتے۔

ہم عجیب دوانے لوگ ہیں۔ صرف کئی کو دہرا کر خوش ہولیتے ہیں۔ اب میرے اس کل کا کیا کریں گے۔ صرف کل بھی۔ آج کی خوشی پہ کل کا تر ہے۔ آیا آنے والی کل میں آج کر دی کل میں جانے کی تو ہم اس کے ہونے کے

پر میں یہ کیا کل کر رہی ہوں۔ میری باتیں بے سربا ہیں پاپا گلوں جیسی۔ نصیم میری بیٹی سے کہتے تھے۔ ہوا میں پاگل عورت کے پاس سے۔

وہ خوف نہ ہو کر مجھ سے ہٹ جاتی۔ کیونکہ اس کو پاگل کا مطلب نہیں آتا تھا۔ ہاں تو میں کیا کر رہی تھی۔ یاد آیا۔ وہ است امیر لوگ تھے لیکن غریب لگتے تھے۔ شہر میں بھی تجوس ہوں گے ہوتے ہیں۔ نالیسے بھی لوگ۔ لیکن وہ اس وقت سے میرے چھپا کر رہتے تھے کہ کسی کی نظر نہ لگ جائے۔ پورے پورے وہاں لوگ تھے۔

انہوں نے بھی کسی دن کے کراہے۔ پچھرا پچھرا انہیں چھپ رہی۔ انہوں نے کورسے خال کراہے۔ پچھرا پچھرا انہوں کی تھی۔ کھانے کی سب کچھ انہوں نے میرے ہاں پاپ کو دیا تھا۔ کھانے کے لیے۔ میں نے سب کچھ لیا۔ لیکن جب اس نے گالی دی تو میری روایت جواب دے گئی۔ جب مجھے ہوش آیا تو میں نے خود کو وہیں کھڑے پایا۔ انہوں نے گالے دیے۔

ایک دن۔ سین دن۔ لیکن اسی دن میں اسکرٹ تبدیل ہو گیا۔ اب وہ مجھے محبت کے بیٹام نہیں سمجھتا تھا۔ وہ کہتا تھا اگر میں زبان کھول دوں تو مجھے جان سے مار دے گا۔ اور یہ کہ اس کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

کسی بھی دن تم کا رزی کے ہاتھوں سے کتے کے حیرت انگیز طریقے کئی بناؤ گی اور چہاؤں بھی نہیں کر سکتی گی۔ کسی بھی دن وہ مجھے اٹھا کر لے جائیں گے اور میرے گھر والوں کو میرے گوشت کے ٹکے سے ریزہ ریزہ کر کے اچھے چھوڑے کہ مجھے فخر کرنے سے کہیں ان کو میری لاش کو تو کرنا پڑے گا۔

اس نے مجھے بتایا اس نے میرے پیچھے لوگ لگا رکھے ہیں۔ ہر صبح میرے دل کی خبر لیتے ہیں۔ ابھی ابھی میں نے کھڑکی میں سایہ دیکھا۔ میں تھرا اور کو اپنی جگہ بدل دیوں۔ ہاں یہ والی جگہ ٹھیک ہے۔ میں نے ہم تبدیل کی۔ مویا کل بدلے۔ نمبر بدلے۔ لیکن اس کی رسائی وہ دور ہے۔ جس میں تک ہر نمبر چن جاتا ہے اس لیے کہ وہ انسان نہیں ہے۔ جتنا ہے۔

بیولا بے نمایا ہے۔

حق سمجھ کر اپنی آزادی اتر دیا۔ لیکن نے صورت دیکھے ہیں۔

حق سمجھ کر اپنی آزادی اتر دیا۔ لیکن نے صورت دیکھے ہیں۔

حق سمجھ کر اپنی آزادی اتر دیا۔ لیکن نے صورت دیکھے ہیں۔

حق سمجھ کر اپنی آزادی اتر دیا۔ لیکن نے صورت دیکھے ہیں۔

حق سمجھ کر اپنی آزادی اتر دیا۔ لیکن نے صورت دیکھے ہیں۔

حق سمجھ کر اپنی آزادی اتر دیا۔ لیکن نے صورت دیکھے ہیں۔

حق سمجھ کر اپنی آزادی اتر دیا۔ لیکن نے صورت دیکھے ہیں۔

حق سمجھ کر اپنی آزادی اتر دیا۔ لیکن نے صورت دیکھے ہیں۔

حق سمجھ کر اپنی آزادی اتر دیا۔ لیکن نے صورت دیکھے ہیں۔

حق سمجھ کر اپنی آزادی اتر دیا۔ لیکن نے صورت دیکھے ہیں۔

حق سمجھ کر اپنی آزادی اتر دیا۔ لیکن نے صورت دیکھے ہیں۔

حق سمجھ کر اپنی آزادی اتر دیا۔ لیکن نے صورت دیکھے ہیں۔

حق سمجھ کر اپنی آزادی اتر دیا۔ لیکن نے صورت دیکھے ہیں۔

# خوبصورت اور گوری رنگت ہر پیل

MG

Mod Girl

Washable  
**Peach**  
Cream Bleach



پتہ نہیں چلائی تھی ہے کہ نہیں مل سکتی یہ لیکن یہ ضرور ہوا کہ وہ کام پر توجہ مرکوز کر سکتی تھی۔  
چائے کی پیالی تھامتے اس نے کہ بھر بھر اس پر نکارا تھا۔ یہی ہے کہ وہ تامل ہائے تھی۔ کتا دادہ اسٹی پیجی اور  
بالا۔ اس سب کے اختیارات بطور مختصر اور پکی خاندان جس بیرون وسیلہ محفوظ ہے اس نے ایک گھنٹہ  
تعمیرت ہوا اس نے اسے گزرتی چائے کے استحقاق سے محروم ہی رہ گیا تھا۔

وہ سر سوار تھی۔ جیسے چائے کے پیمانے کا علم ہے کہ وہ پالی پینٹ کی اور پالی جاسکی۔  
"بیٹھو بیٹھو۔" جی وہ بھی کہتا پڑتا ہے ہمہ کس کے برعکس سوچتے ہیں۔  
وہ دلیس اسٹول پر جا بیٹھی تھی۔ شوڑی گوا تھ کی محلی سے سارا رہے۔ اب اس کی سپر جم نظروں کا وارن  
جگا کا تامل کا فرش تھا۔

"کمال رہتی اور وہی؟"

"ہمیں۔" اس کے گولے ہونے دوستی کے دروازے اس نے درجاب سے بند کر دیے۔  
"اور چلنے سے پہلے سر کو تھکا کر چلا کر لیں۔ کل آپ تھانے لکھی تھی تھی۔" اس کا لہجہ آگرا ہوا اور  
لیکن شائستگی سے عاری نہیں تھانے کیے گویا لکھن کوئی کے لاڈ پیار کا میچ بھی ہو سکتا ہے یا تو تھکی کے ایسے  
جن سے اس کی کھل آگئی تھی ہی تھی۔

"گناہ یہ سر کا علم ہے؟"

"تمہیں۔ میں خود کہہ رہی ہوں۔" اب کی دفعہ اس کے لہجے میں ہلکا سا حکم بھی تھا۔ اپنے اپنے اختیار  
لیکھ کر واضح کر لے۔

"اس کا مطلب جو بھی سر کے پیغام تملاتی ہو۔ وہ تم خود کر رہی اوتی ہو؟"

"تو بے چارے تم کو تو اب الی تملاتی تھی۔"

صبر کو انہوں نے اجازت دیا۔ وہ کس سے کھڑائی تھی پتی تھی۔

"لیجئے آؤں لکھتے کر رہی آتے جاتے سر کو۔ لیکن ان کی نسل کا ایک مشہور ہے۔" اس کا لہجہ  
سرس سے سانس نکال کر لکھ رہا تھا۔

"آؤں اور آؤں آؤت لکھتے جاتی ہے۔ ٹیک کی ساری لین وین آن لائن۔ پھر لکھتے ہے۔ ملی سارا  
بکھرتا ہے۔ کچھ جاتا رہتا ہے۔ لیکن کائنات کی نسل کی جب تک کھلی نہیں ہوتی جب تک وہ دل ہاتھ میں  
نہ دیکھ لیں۔ لہذا جس قدر data اس کی پوزیشن کے بیٹ میں ہے اسی قدر ان الماریوں میں ٹھوسا ہوا ہے۔

الطاف کے لیے عرض سے جو کچھ لکھیں اس کا پرنٹ آؤت نکلا لیں۔"

پتہ نہیں یہ جملے سر کے حضور شکوے تھی یا قصیدے۔

بظاہر تو سر وہ توں کو ہی نہیں گزرتے تھے۔

"یہ قیمت ہو اگر وہ شامت ہو گئی۔ ورنہ فائلیں بڑھتے پڑھتے مجھے لکھیں ضرور پالی تھی ڈی کر گزروں کی  
"تارے صاحب اپنے برنس کے علاوہ بھی کئی کوکرہ دھندوں میں لکھتے رہتے ہیں۔ کچھ عرصے پہلے انہوں  
ایک ہی لکھتے ہاؤس بنایا۔ اپنے ایک ساتھ برچیل کو جو ان دنوں بیروزگار تھے کٹھن بھی لکھتے تھے وہی کے وہی کے  
لگا رہے تب جیسے آپ کٹھن لوگوں کا data تیار کرتی ہیں۔"

"نہیں تو آپ نے ہاؤس کر لیں۔ کیا ہم کٹھن لوگوں کو بھی ڈھونڈنا لیں گے؟"

"نہیں ممکن۔ لیکن دس سال بعد۔ یہ فائل کاٹنی دستاویز ضرور ہوگی۔" تارے ہاں ہاتھ  
کرنے کا رولن عام ہے کیا پتہ کل جو تاریخ لکھی جاتے۔ اس میں سرفہرست دس ہو کہ یہ تمام افراد تیار  
کرنے کا رولن عام ہے کیا پتہ کل جو تاریخ لکھی جاتے۔ اس میں سرفہرست دس ہو کہ یہ تمام افراد تیار

"نہیں تو آپ نے ہاؤس کر لیں۔ کیا ہم کٹھن لوگوں کو بھی ڈھونڈنا لیں گے؟"

"نہیں ممکن۔ لیکن دس سال بعد۔ یہ فائل کاٹنی دستاویز ضرور ہوگی۔" تارے ہاں ہاتھ

کرنے کا رولن عام ہے کیا پتہ کل جو تاریخ لکھی جاتے۔ اس میں سرفہرست دس ہو کہ یہ تمام افراد تیار

اور اجماعی رہتا ہے بلکہ ہے فرار ہو گئے۔

کہاں تک سچ ہے۔ کہ حضرت جھوٹ کا آغاز ہوا۔ اب تو سامعین کی کتابیں پر ایسے شہدہ کے کام آتی ہیں۔

شانے میں تھا۔ اس سے اٹھنے سے پہلے یونہی اسے خیال کیا۔ یوں وہ سہیلی کی روایت پر عمل کرتے ایک نظر کر کے  
جھاکتی ہی پہلے حلال کہ ابھی کل ہی اسے ظہرانے تہنیدہ کی محی تمہاں سے بہت فری ہو رہی ہے۔  
لوگ کب پتھر پھیل گئے ہیں پتھر نہیں پھلتا۔ وہ چونکہ نوکری پڑھ لکھ لوگوں میں گروپ میں سب سے سینئر تھا اس  
کی رائے کو احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ لیکن حیرانے تو تھے اس کے ہر بھرنے کے تجربے پر پائی پھیر رہا۔

”وہ کون سا صاحب گروہی ہے مجھ سے شرط لگا لو ایک دن جب صبح اٹھ کر یہ تیار نہیں ہو رہی ہوگی اور  
پوچھیں گے لیٹی نوکری ہوگی نہیں جانتی۔ محض کسٹوئی ہے۔“ ابھی تو آپ کا یہ موشن بھی ختم نہیں ہوا۔ وہ ایک  
گاہکوں کی شکل میں وہیں آئی۔ آخری دن تھا۔ آنے سے استغنی ہے باسرت وہیں۔

اس نے بھری سے گزرتے سوچا۔ ایک بے چاری جان کس کی ہے۔ کس کو ان سنی کرے۔ طویل تیرلیں  
دونوں طرف کھلے والے دروازوں کے سامنے سے گزرتے اس نے یونہی سرسری نظر ڈالی۔ چھٹی گزرتی  
وقت گزر رہا تھا۔ یہ ایک گانا کہہ رہی کام میں مصروفیت کے دوران نگلایا کرتی تھی۔

سو کچھ کیا گائے سے گزرا جاسکے۔ یہ کتنا اچھا منظر ہوتا ہے۔ کچھ لوگ کام کر رہے ہیں۔ کچھ رخصت کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ دروازے  
کرتے الماریوں کو لاک لگاتے مگر سیٹھ کر اٹھتے۔ فلوئوں کو لیک کر کے کمرہ کتے لوگ۔ کیوں کرتے  
ہوئے کا انتظار کرتے۔

سوا ایک اور کامیاب دن کا خاتمہ ہوا۔ کل کے ایک نئے دن کے انتظار میں جہاں کامیابی طرح حشر میں  
جیسے اس قصور کو دور سے مڑتے ہیں جانا ہوا۔

دوران کو لگتے الماریوں کو ان لاک کرتے۔ کرسی چھینت کر بیٹھے۔  
اس نے اب کھرا گروہ منتقل ہو کر وہ آواز کھولا۔ جس کی تپ کی سمتوں کی جھک ہوئی وہ سہیلی کی طرف

لیکن اندر قدم رکھنے سے پہلے وہ اپنی قدموں پر سائت پھرنے کے بے جان ہونے کی طرح شدید گڑھی ہوئی  
دروازہ اس کے پیچھے چھوٹ کھلا تھا۔ سامنے کرسی پر بیٹھے شام کے صبح کے اخبار میں غرق تھے۔  
اطمینان سے نظریں ہٹا کر اندر آئے تو والے کی طرف دیکھا اس کے چہرے پر نہ حیرت تھی نہ سراسیمگی۔

”ہو گیا آپ کا کام ختم؟“ اس نے اخبار لپیٹ کر ایک طرف ڈالتے اس نے سہیلی سے کہا جیسے وہ اس کے پاس  
خاتمے کے انتظار میں تھی وہاں آ کر بیٹھ گیا تھا۔ اور وہ روز اس کو یہاں دیکھتے رہنے کا عادی ہی تو تھا۔

”تو آپ ہیں؟“ اس نے دیر تک بیٹھے سوچا اور آہو اس اس آزاد کیا۔ ”آپ ہی کو ہونا تھا۔“  
”اب کیا کیا جاسکتا تھا۔ گھر جا تو ہے۔ جہاں اپنی دوست کی طرف گئی ہیں۔ دوست کی طرف پہنچا تو وہاں  
دفتر چا چکی ہیں۔ میرا حافضہ گنور ہے۔ جلدی جلدی شکلیں بھول جاتا ہوں۔ سو میں نے سوچا یا نہیں بھول جاتا۔

سے پہلے ذرا یاد کر لو۔“  
”مجھے پتہ ہونا چاہیے تھا۔ مگر نہیں تھا۔“ وہ جیسے تدریس پر ہوا تھی۔

”اور سچی بہت کچھ آپ کو نہیں پتا۔ ایک یہ بھی نہ سنی۔ بائی وی ہو۔ یہ اشارہ کس بات کی طرف تھا۔“  
”جہاں جہاں بیٹھ لوں۔ جسم کی ایکٹیویشن ہوں وہاں آپ ہی ہوتے ہیں۔ ایک یہ بھی سنی۔“

کون کون سے کتبے اسے محسوس ہوا اس کے اندر دیکھ چکے تھے۔  
وہ اس کے مخالف نظر تھا اور شاید جانتا تھا۔ اس آسمانی سے اس کو تال نہیں سکے گا۔  
مذہب کے لئے اس۔  
حفظ فرما نہیں گئے گا اگر میں کہوں میرے باپ کا ہے۔ آپ تشریف رکھیے پلیز والد صاحب پر حق

ذکر شرف جسکے ہیں آتے ہی آتے ہیں۔  
کتنی پرہیزگار کو کھوتے کھل نہیں سکی۔ بیٹے جائے اسی کھلے دروازے سے واپس ہو جائے۔  
وہ اب تک آخر آپ اپنے فیصلوں کے لیے سبکداری چھوڑیں گی۔ ہیڈ میں بیٹھوں گی۔ ٹیل میں نہیں بیٹھوں

گی۔ کو یہ میرا نہیں آپ کی ہم زاد کا خیال ہے۔  
”اگر میں بیٹھتی ہوں تو بھی واپس جانا ہے۔ کیونکہ چھٹی ہو چکی ہے۔“  
اور توجہ کے پلیز اگر آپ تھا ہو کر چلی گئیں تو والد صاحب میری کھال بھیج دیں گے۔

”یہ بات ہے۔“ اس نے اظہار میں سے اپنے پیچھے دروازہ بند کیا اور کرسی پر بیٹھ رہی۔ ”تو میں تمہارا کچھ کر  
دی جاؤں۔“

”الگ الگ راض تو ہوتی ہیں آپ۔ امید ہے وضاحت کا موقع ضرور ملے گی۔“  
”آج سے پہلے ہو سکتی تھی وضاحت اب نہیں۔“ سہیلی نے کرسی سے کھڑکی کا گڑھا کر گھماتے جیسے اس نے  
اپنا پورے کھلی راجپ سے پچھلایا تھا۔ اس کے لہجے میں ایسی قطعییت تھی کہ کچھ دیر کو اس نے اسے لگ ہی کہو یا

تھکے نہیں وہ وضاحت۔ کچھ ہم معمول کی باتیں تو کر سکتے ہیں نا۔ مل لگ گیا؟“  
”قل نہ لگتا میں یہاں کبھی نہ ہوں۔“

”کیوں کہہ رہے ہیں؟“  
”کیوں کہہ رہے ہیں؟“

”کیوں کہہ رہے ہیں؟“

”کیوں کہہ رہے ہیں؟“

”کیوں کہہ رہے ہیں؟“

”کیوں کہہ رہے ہیں؟“

”کیوں کہہ رہے ہیں؟“

”کیوں کہہ رہے ہیں؟“

”کیوں کہہ رہے ہیں؟“

”کیوں کہہ رہے ہیں؟“



# دل کا حصار

دکاندار جانشانی سے اسے ساز حسیاں دکھانے میں مصروف تھا۔

ان کی بھی فیورٹی ساڑھی اٹھا کر بیعتی تھیں جس کا کلام اور بیٹے لادراپ تھے اور اس رنگ پر خوب اٹھ رہے تھے اور کبھی جانشانی ساڑھی جس کی چائنا سلنگ انہیں ستار کر رہی تھی اور ستاروں کے ساتھ ریشم کا نام بھی خوب تھا۔

"باقی ایڈب ہو لوں پسند آ رہی ہیں تو دونوں لے لیں پیسے مناسب کر لیں گا۔" دکان دار بولا۔

"اسے کی کیا نہیں ہے بار ماں اسی میں بیٹے کی لے لیں اول اس سے ہے باقی ساڑھیوں کو لیں جس پر بیٹے کی اس بیٹے نے دل لیا ہے۔"

"ارے کیا پانچ کیا اور جو کیا ہے تو اکر پسند سے وہ دونوں لے لو ایسا مل بار بار نہیں آتا۔" دکان دار کے ساتھ کلام کرتے ہوئے ایک بھان لڑکے نے کہا۔

"مہو لو دیکھا تمہیں کون سی ساڑھی پسند ہے؟" اسی نے تجھے پوچھا۔

"اسی! ساڑھی واڑھی پھوڑیں مجھے یہ پہنا جوڑا والوں نے تمہیں نے سامنے ڈالی پر سچے پہلے سوٹ کی چائپ اشارہ کیا جس پر مسخ اور سبز کنڈن کا مہترین کلام پتا ہوا تھا۔"

"میرا اس ہی نے مجھے تنہا ہی دکھا ہوں سے دیکھا۔" تمہارے چیز میں دو پہلے سوٹ ہیں اور ایک نیلی ساڑھی کتنے پہلے بولے آگئے کروکی؟"

"اسی یہ سوٹ میں اپنے ہاتھوں پر پہنوں گی۔" میں نے لہرات سے کہا۔

"کیا ۱۳۹۹ جی کو جیسے کر نہ لگا۔ اور وہ یہ بھی بھول گئیں کہ گاڑھ مار کر تلو دکان پر نہیں لیں۔ تاکہ اس دکان دار سے ہارنی اچھی چاہن پچھان تھی بڑی پیچیدہ چھوٹی پیچیدہ کی بچھول کے شادی کے پیرے الی لے لیں خریدے تھے لیکن ہر سال وہ کون سی تھی۔ لیکن شاک لگنا بھی بجا تھا۔

"تمہا تجھے میں بیانا جوڑا پہننا؟ نہیں اپنی ہارنی مجھے چھلپا میں سنواؤ گی۔ تمہیں کیا مطلب ہے میں نے دیکھا تھا اس میں ہاتھوں میں کتنا اٹھنا ہے مجھے ہے۔ میں نے وہاں سے کہہ کر اسے

سوال لے لے چلا اس کی اگلی جڑا اور اس کے ہاتھ پور میں کر کے کہہ بہت خوب ہو کر ہے۔" اسی نے مجھے تجھی سے واسطے ہوئے کہا۔

"پہننے ہوں گے ہمارے خاوندوں میں کھانا ہوا میں اپنے ہاتھوں میں صرف سہارا جوڑا کی ہاتھوں میں اگلی جی یہ والا۔" میں نے سامنے اشارہ کرتے ہوئے اس سے کہا۔

"ہنا! نہیں مجھے تنگ کر رہی ہوں تمہارے ہارنی نہیں مانیں گی اور سخی پر میں کی تجھے اور وہ سال کی کہ دیکھ کو تمہیں دکانوں نے آکریا ہے۔" اسی ہو کر بولیں۔

"مجھا آپ مجھے یہ سوٹ دلاؤں مگر میں اتنے جیت گئی تو یہ پہن لوں گی اور اگر نہیں تو پیچیدہ کلام کھانی جوڑا پہن لوں گی۔" میں نے مصراحتی انداز میں کہا۔

کند

اسی نے مجھے وہ سچ نظروں سے دیکھا اور اس پینٹا ہر قسم کے لیے ہر دکان کرتے لیں جو مجھے ایک سی ٹھہرے پسند آیا تھا۔

اس پہلے جوڑے کے علاوہ اسی نے چائنا سلنگ کی چائنی ساڑھی مجھ سے بولتے بجز یہی خرید لیا اور مجھے اسی پر کوئی اعتراض بھی نہیں تھا اور راضی ناراض کسی مار کرٹ سے نکال کر گاڑی میں بیٹھ گئیں۔ میں ڈرائیونگ سیٹ پر آکر بیٹھ گئی۔



"وہ کبھی! تمہارے جیلے میں صرف تیس دن رہ گئے ہیں۔ میں دن بعد تم اس گھر سے رخصت ہو جاؤ گی یہاں تہا تہا دانی کو راضی کر کے جانے کا کیا

تلاش؟" میں نے پتلا جوڑا چھین کر رکھ لیا اور دانی سے ہٹ مت کر کے "بیمیں بیٹھ کی سب تو میں نے مجھے ہار سے بچھڑا۔"

اسی کی اس صلطہ جو طبیعت کو دانی نے بیٹھ فاکوہ اٹھا۔ میں نے بیٹھ اپنی ماں کو دانی کے آگے ہاتھ ہوسٹ رکھا۔

اسی تک اس کے سیکے کی کسی تقریب میں جانے کے لیے تیار کھڑی ہیں اور دانی نے ایک دم کہہ دیا۔ "تم لوگ مجھے فرزان کے گھر چھوڑتے ہوئے ہے جاؤ واپس میں لے لیا۔"

فرزان پیچھو کے گھر جانے کا مطلب سڑک پر پورے ایک گھنٹے کا زیاں کیونکہ فرزان پیچھو اور علی کا گھر یہ مختلف سمتوں میں تھا اور دانی کو واپس لینے کا مطلب تھا کہ کیاں ہے سے پہلے اٹھ کر تیار کیونکہ





تھمرا ایک بار ملکہ شہزادہ سے مشورہ نہ کر لیا جائے اس سلسلے میں۔

بادشاہ سلامت نے کسی بے تکلف دوست کی طرح میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے کہا۔

”مگر آپ شاید ملکہ عالیہ کو مٹا چاہتے ہیں۔“ اپنے غصے کو دیکھ کر نے میں نے پھر سے اسی نرم لہجے میں بادشاہ سلامت کی صبح کی تھی۔ جس کے چہرے پر ڈورہا یہ جو شرمندگی آئی ہو۔

”شاید آپ کو یاد نہیں بادشاہ سلامت! پھر شہزادہ سلیم کی کتنی ہی جیسے عظیم بادشاہ کے خواست سلب کر لیے ہیں۔ ملکہ عالیہ کو تو کل سے شعر و سخن سے دور رکھیں اس کی۔“

”ابھی مجھ سے بھرے تو ابھی صبح کی تھی تازہ میرے بچے سے پورے غم کو کھا گئی تھی اس کو ہم کے لب کیا تکلیف ہو سکتی ہے؟“ ساتھ (بادشاہ سلامت) نے اپنا منہ میرے گن میں سمیٹ کر ملکہ عالیہ کی شان میں کالی گستاخی کی تھی۔

”ہمارے بچے جو فراک پڑھا تھا اس کے ساتھ کاسٹور کیسے کبھی اٹھ کر کے کیلے اور وہ جیسے بیٹھی رہتی تھی وہ اس میں بیٹھی رہتی تھی۔“

”سدا سے جوڑیں گی نہیں۔“

علائے ہل میں موجود حاضرین کی طرف دیکھتے ہوئے میں نے بھرپور اطمینان سے بادشاہ سلامت تک ”میرا فرما“ خیر پہنچائی تھی۔ حاضرین بھی شاید ”مگر اعظم“ اور ایک معصوم کینز کے ماتین ہونے والی ان سرگوشیوں سے آگاہ تھے۔ جس میں چھٹی قطاروں سے ہونٹک شروع ہوئی تھی۔

”مے عظیم بندوستان کے وسیع و عمیق بادشاہ! میرا خیال ہے اس وقت آپ کو تھوڑی تفریح طبع کی ضرورت ہے۔ میں ابھی کینزوں کو بیچواں ہوں۔“

سلامت؟“ آخر موٹک پر حاضرین کی بھرپور تہلیل فہم ہوتے ہی ہم لوگ پھر سے اس پر تڑپنے لگے۔ اس بار تو شہزادہ سلیم اور انار کلی بھی موجود تھے۔ انار کلی نے وہ انداز سلوک کھنڈہ بیٹھا محکمات سے پتہ نہ لگا سکا تھا جس کی مانگن پچھلے آدھ گھنٹے سے دوری تھی۔ ہل میں موجود لڑکیوں اور اساتذہ کا خیال نہ ہوتا تو اسے اس اسی وقت ”اسی گھنٹے سے سیمانا انار کلی کی لٹکانی شہزادہ کھینچی مگر ضبط الام تھا کہ۔“

”ہاں تم کو انار کلی آیا کتنی ہو؟“ بادشاہ سلامت نے آخرت سے کچھ تو چھوڑنا ہی تھا۔ مجھے تو۔

”میں یہ ہی کہتا ہے۔“

جب بیار کیا تو ڈرنا کیا جس بیار کیا تو ڈرنا کیا بیار کیا تو ڈرنا نہیں کی۔“

چھپ چھپ آپیں بھرتا گیا جب بیار کیا تو ڈرنا کیا۔“

سیمانا کی بچی نے لنگ لنگ کر دھیرا لہجے کی بھونڈی سی کو خشکی گرائی ڈال تھی۔

”چھپ چھپ کو خشکی گرائی ڈال تھی۔“

”اسی بے حیالی“ ان کے غضب سے اور ایسا نہ ہو کہ تمہیں دیکھ کر اس میں ہتھوڑیں۔“

”میں بھی آخر مجھے ہی آگے بڑھ کر بادشاہ سلامت کے حصے کا ایک لوگ بنا لیا تھا۔“

”اٹھا کر کھانے سے سر میں دھنک رہا ہے، ساتھ ہی کی بچی کوئی ایک ڈانٹا لوگ بھی دستک سے یاد کیا تم نے؟“ اور یہ جو تفریق اور حسی میں مسلسل انگلیاں پھیر رہی تھی۔ اسے کھینچ کر اسے اس کے کپ سے جوڑی تھی۔ ابھی نقل ہی تو تھی بے غرضی ہوئی۔

میں ایک منٹ میں دل آرام سے لڑکی کٹر میں آئی تھی اور ساتھ ساتھ ہی لڑکی لڑکی لڑکی۔“

”میں یہ ہی کہتا ہے۔“

”میں نے صبر کا ایک اور نمونہ بھرا تھا۔“

”شہزادہ سلیم جو اب وہ دیکھیں چاہا۔“

انار کلی کی خوف ناک جھج جھج نے ہم سب کا دھیان پھانسا تھا اور پھر شہزادہ کا ایک تہ و تکھنہ لالہ سلسلہ فرما کر ہم سب کو ”سر کے بل اسٹیج سے نیچے گرنے“ کی بات میں تو صوفے سے آگے لڑکی ہوتی تھی اور

جانتے ہی ہی وہی ہل رہا تھا۔ روزانہ کی طرح میں اپنا ہاتھ اور صفائی کا کام ختم کر کے اپنے لیڈر ت سب سیریل کا شہر گھوم دیکھنے بیٹھی تھی پتا ہی نہیں چلا کہ میری آنکھ تک ہی اوس۔“

تو آپا ہ سب وہیں دیکھ رہی تھی ہوائی خواب تھا۔ مسرت سے اٹھ کر وہی بند کرتے ہوئے میں نے اپنے سر پر خود ہی چھت لگائی تھی اور مسکرائی تھی۔

ہاں ہی سہل پہلے کار میں ایک بار میں نے سیکڑا پر کیا پائی میں انار کلی کے حصے سے ڈرنا کیا تھا۔ چھی عمر شہزادہ کی ان اور ہر دم مسکراتے ہوتوں والی ہم سب سہل پہل بہت خوش تھیں اور جی جی سارے کا سارا اور ما بالکل ایسے ہی ہوا تھا۔ حتی کہ چھو بے کی انٹری والا آخری سطر بھی۔“

تعلق حیرت کی بات تھی تاہم تو خود بھی نہیں نہیں آرا تھا۔ تب ہی اور سے گزرا کے روئے کی آواز نے مجھے اپنی طرف بلایا تھا اور ساتھ ہی بہت کچھ یاد بھی آنے لگا تھا۔

گزرا کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی سو مجھے ساری رات جاگنا پڑا تھا۔ صبح نماز کا سارا سرف پندر منٹ لیٹ ہو گیا تھا تو وہ بغیر ہاتھ کے ہی غصے میں بھناتے ہوئے دونوں پورے بچوں کو لے کر نکل گئے تھے۔ پتا نہیں ان دونوں نے اسکول میں بھی کچھ لیا ہو گا یا نہیں۔ ہاں معصوم کی جیب میں جاتے جاتے پچاس کا نوٹ ڈال تو تھا میں نے چلو کھائی لیا ہو گا۔

گزرا بھی اللہ کا شکر ہے اب ٹھیک ہے۔ جب ہی تو آرام سے سوئی رہی ہے۔ اسے دودھ پلاتے ہوئے میں نے اس کے پیال بگاڑے تھے اور وہ پلٹے سے مسکرائی تھی۔

وہ گئے تھو تو ان کے آنے میں ابھی پورا ایک گھنٹہ رہتا ہے۔ کہاب اور مشرقیہ تو فریز کیے رکھے ہیں ساتھ میں چاول اور روٹی اور وہی کارائتہ بانوں کی توان کا حصار خاصہ ہے۔

ہل بھر میں گزرا کو کیلے آ کر رہا میں نے پھانسنے ہوئے میں بہت سکون سے ہاں ہاں ہاں کی۔ ان والی ہتھیار بہت مجھے اور بے سکول کتا نہیں رو اور تک ہاں ہاں نہیں تھا۔

اور اس سب کی وجہ تھی تھا ہاں وہی نشر مکران خواب جو تھوڑی ہی دیر کو میرے ماٹھی کی ایک خوش گوار یاد کو دہرا گیا تھا۔ پرانی ڈائری کے پوسٹہ ہونے اور لٹ میں یا پھر پھینچی ہوئی جلد والے نوٹوں کی کسی تصویر میں بالکل آتا پڑی ہمیں یاد آ کر انھل مارا گدی ہے۔

جب بیار کیا تو ڈرنا کیا جب بیار کیا تو ڈرنا کیا بے حد خوش گوار سوتے میں گنگلتے ہونے میں چاول بھگوتے میں گئی تھی تھیک بوسج نشر مکر۔“

پچھلے برس کے سماجی اندوہناک یا دہریں شبلی کے ساتھ ساتھ تھیں۔ آج بھی وہ منظر یاد آتا تو بھر بھری ہی آجاتی تھی۔ سماجی شاہین غزنی ہوتی ہوئی تھیں، مملکت میں نرم گرم دھوپ آگن میں اتر آتی تھی اور اس اترتی دھوپ میں ایسی نائی جان لودر حضرتہ وادی حضور سرسوں کا ساگ تقریباً ہر پختے ہوئی دل جس سے میلے صاف کرتیں گا تھیں پھر تو نے پرچھا دیتیں۔ ساگ ساری رات ہلکی آٹھ پر پلکارتا اور پھر اگلے دو روز تک یہ ہی نوش کیا جاتا۔ شبلی اور داوی کا بس نہیں چٹا تھا یا تو ساگ کو تائب کر دیں یا خود تائب ہو کر

منترہ بخاری

کے سچے دوست

انھیں حالاً نگہ جاتی تھیں۔ یہ ہی آواز معصوم بوہڑوں پر قیامت ڈھا گئی ہے۔ خیر اس سال تو شبلی کے انتظام کر لیا تھا۔  
 مسز اللہ رکھا صاحبہ دن کے ایک سے ڈیڑھ کے درمیان نہیں فرماتی تھیں۔ شبلی اس ٹائم کے دوران کھلی کے ٹکڑے جاکر بیٹھ جاتا اور دوسرے مسز اللہ رکھا جاسنی کھر کا مندر اور دار ہوتا اور آپ کو ذکر جاتے پلو پلو اور ہر سے پلو اور کسی کو ساگ نہیں لےتا میری داوی کو ساگ سے الگ رہتی ہے اس کی خوشبو بھی ان تک پہنچ سکتی تو قیامت آجائے گی۔"

اسے قبول کرنے سے بچ جائیں۔  
 پورا مہینا اس ساگ نے آٹھ آٹھ آٹھ سو لائے تھے اور دونوں گھر انوں کے پائی افراد نے اس سوغات کو مزے لے لے کر کھایا تھا بلکہ گرمیوں میں بھی داوی سہرا کا انتظار ہی لیے کرتی تھیں کہ سرسوں کے ساگ سے بدلنے ان کے دل پر قیامت ڈھائی تھی یہ ساگ تقریبی دس سات کی ایک خاتون مسز اللہ رکھا ایک بوئے پھر کی صورت میں سر پر رکھ کر لاتی تھیں اور آواز نکالتیں۔  
 "ساگ لے لو ساگ خالص گندلاں و ساگ۔"  
 اور داوی اپنی دونوں بندوقوں کے ساتھ بھوم

"ہائے اللہ کیسی بے ذوق عورت ہے دے تیری داوی بھلا کسی کو ساگ جیسی سوغات سے بھی الگ ہو سکتی ہے۔"  
 "ہاں ہے جیس وہ بے ذوق پلو پلو اب یہاں سے۔"  
 شبلی اس سما میں اپنی اس ترکیب کی وجہ سے جو داوی کے ساتھ مل کر چین کی ہنسی بجا رہا تھا اور دوسرے گھر والے مسز اللہ رکھا کی راہ لب آئیں پھر پھر کے دیکھنے لگے تھے۔  
 "تیا جان ایسا پتا اس گرم میں مسز اللہ رکھا کا انتقال ہو گیا ہو آپ ایسا کریں بازار سے ساگ منگوالیں۔"



یہ ظالمانہ مشورہ ماننا مایوس کا قتل

"یادار میں تو میری جگہ کے نام پر مولیوں کے پتے بیچتے ہیں۔ جو لوگوں نے حضرت سے بیان دیا تھا۔ کسی خوشگمان گندھار ہوئی تھیں اس سگ کی" آج بھی یاد آئے تو منہ میں پانی آجاتا ہے۔" دلوئی جان نے آہ بھری تھی۔

"اور میری آنکھوں میں۔" جوادی نے دیکھا اور دیا۔ "ماں! مولیوں والے پر اٹھے بنائے بھی بڑے دن ہو گئے ہیں۔" جوادی کی والدہ کو مولیوں کی یاد نے تڑپایا۔

"تو اور کیا اور اس مرتبہ تو ابھی تک آلو کے پر اٹھے بھی نہیں بنے۔" یہ سچی بات تھی جان تھیں۔ "پر اٹھے تھے والے بھی بنائے جاتے ہیں، چھین کا ہلکا بچکا شوریدہ بھی کافی ذائقہ دار اور صحت بخش ہوا کرتا ہے۔"

شعلی نے یاد دلانے کی کوشش کی۔ لیکن کسی نے دھیان نہیں دیا۔ فیصلہ ہوا آج کو مو مو گھرے شعلی کی ایسا میرا کی سب دل کر کے کھانف میں کے عجیب گل کا پھل ہوا میری کے ان نکلوان کیا ہائے گا اور بنایا جائے گا۔

میارا جوادی میں سوچ رہا ہوں۔ ہر صبا میں خلد بدوشوں کی طرح اجرت کر لیا کر دوں۔

"آہو یاد رہو سوچ تو ابھی سے سبزیوں کھا کھا کے اب تو جہاں سٹلے میں کوئی سڑی چلتی پھرتی دکھائی دیتی ہے میری نیت میں فتور آئے لگا ہے۔"

"لو بے بدلتو! کانوں میں تیل ڈالے بیٹھے ہو جب سے درد اڑے بر تیل ہو رہی ہے۔"

"اب تیل کھڑی یا روشن دان پر تو ہونے سے رہتی" کمال کرتی ہیں دلوئی بھی۔ "جوادی ہر بار کرتا تھا تھا۔"

درد اڑے ہر بار بیٹھے دار ستاروں کے خاندان کا چشم و چراغ دارا بیٹھ کا پوتا صغیر اور ہر اہر میں ٹھیکے دار چچا کا آفتاب کھڑا تھا۔

شعلی نے تم لوگ کیسے آگے بڑھتے؟

"بے وقت کی مطلب ہے تمہارا؟"

"بے وقت کا مطلب ہے حسب وقت نہ ہو۔"

"اوہ ہاں کہہ رہے ہیں بھلا بے وقت کیسے کہہ

یہ کوئی رات کے بار بجے کا نام تو ہے نہیں۔"

"چھ آئے کیوں ہو؟" جوادی کی بے زاری ہو

پہنچی۔

"میرا نے بلایا ہے تم دونوں کو۔" آفتاب

اطلاع دی۔

"میں بھی کمردان سے ڈوب پیر صاحب جو شہ

حیات کو قابو میں رکھنے کے تعویذ دیتے تھے جن

دعوی تھا ان کے دیے تعویذ کتنے کی دم کو سودھا کر

میں اسیر کا درد رہتے ہیں بیگم کے تھے چرمنے

بعد اس کام سے توبہ کرتے تھیں ذرا سو رہیں کچے

اور کوئی دوسرا باکمال پیر ابھی تک دریافت نہیں

ہو سکا۔"

"ہاں تو وہ تعویذ تم لوگ ماں کو لگا کر دیتے تھے؟"

شعلی نے کہا۔

"ہاں جی ہاں تو اسی نے کوئی زبردستی تمہارا

آئے تھے۔"

"اچھا اچھا یہ سب اس وقت معاملہ دوسرا

میں میں آفتاب کو دیکھتے تھے لوگ آتا چلا

جاتے۔"

"ہاں جی ہاں تو کسی ضروری مشورے کے لیے۔"

"اچھا تو یوں ہوتا۔"

جوادی نے ہمیں سے کھڑے کھڑے شعلی کو

دی اور جس وقت دونوں آفتاب کے گھر پہنچے

دارنی خاصی پر ہوش دکھائی دے رہی تھیں۔

"بڑا گھرا ہے گھاسے تھے لوگ ہیں ماکھڑی

میں ہے پتا نہیں میرا آفتاب کیسے بھاگ گیا انہیں۔ اب

آفتاب کے گھر پار لو آیا ہے سوئے ابھی تک آفتاب

کو صرف لڑکی کے ہانپنے نے اور کہا ہے والدین تو اب

دیکھتے آ رہے ہیں عم کوئی مشورہ دو۔"

"دوسرے سٹلے میں؟"

"ہاؤں کس سٹلے میں کیا جی اسی سٹلے میں"

کچھ ایسا کرو کہ وہ انکار نہ کریں۔ ہمارا گھر بار پتہ

آجائے ان کو۔"

"ویسے اس سٹلے میں پہلی احتیاط تو یہ ہوتی چاہیے

تھی کہ اس دوران آپ ہر خوب صورت لڑکے کا داخلہ

گھر میں بلکہ کئی میں بھی بند کر دیتیں نہیں بلکہ تو آپ

نے آفتاب کی بد قسمتی کو تو ادا سے دی ہے۔"

"ہاں ہاں ویسے یہ تو بے چلو میں کہہ دوں گی دونوں

شادی شدہ ہیں بلکہ ہاں بچے دار بھی ہیں۔"

"تانا تانا آگے تک جانے کی ضرورت نہیں یہ جو

عمر رسیدہ شادی شدہ خواتین ہوتی ہیں۔ ان میں سے

کچھ شرم و حیا کا گھونٹا لگا کر ہی بچیں ہوتی ہیں۔ مردان

تک سے مفید مشورہ دے سکتے ہیں خواتین۔"

یہ بچوں والی بات تو بے درد ہے۔ میں ملا آٹھوں دکھا

کرتے سے ناکالوں ستا یا کھڑی ہی تا جبرہ کار رہے۔"

مینیو سے بے خبر میں کسی باتیں کرتے ہو اچھا

شادی شدہ وہ کہہ سکتی ہوں نا۔"

"اب آپ صراحت کر رہی ہیں تو ٹھیک ہے۔"

"اچھا تو یہ بتاؤ اپنے خاندان میں سے کس کس کو

بلاؤ اور کھو تا لہذا جو خاندان ہے جسے نہ بلایا جا رہا

سچا کر بیٹھ جائے گا۔"

"تو اسی معاملہ کبھی سے، لیکن گھیرائے نہیں ایسا

گھیرنا بڑی منہ بڑی پھلتی بڑی بھلون اور بڑی آپا کو

جو لوگوں کو اللہ اللہ تیرے صلا۔"

جوادی کے مشورے کو خاندان ٹھیکے دارنی کے ساتھ

ساتھ سب سے سزا اچھا پھر خاندان ہو گئی۔

یہ میری بڑی مند تو بڑی خرافات عورت ہے،

زندگی بھر میرا سگھ اس سے کبھی برداشت نہیں ہوا۔"

رنگ میں جھٹک ڈال دے گی اور وہ میری بڑی پھلتی

اسے تو بات کرنے کی تیز نہیں آرام سے بھی بات

کرتے تو لگاتے کو تنہا سے رہی ہے۔ نئی ہانپلی بات

بگڑ جائے گی اور میری بڑی ہادو ج توبہ اللہ چھائے ایسی

فشان ہے کہ مثال میں اتنی رشتہ ہونے سے پہلے ہی

شتم کر لوے گی۔"

"خالہ! کیوں گھبراتی ہیں ہم کس مرض کی دوا ہیں"

کہ نہیں کے انہیں قابو اب دیکھیں نا آپ کو اکیلے

دیکھتے بغیر بروی کے دیکھ کے لڑکی والے تو یہ ہی

بچھیں گے آگے پیچھے کوئی نہیں رشتوں کے معاملے

میں کھٹکتے ہیں۔ یہ سبلی ابھی بات ہوئی بھلا۔"

"ہاں سبلی آگے تو ٹھیک ہے اس کا مطلب ہے

بلانا ہی بڑے گان سیاہوں کو چل دے آفتاب آ کر دے

فون اچھا میں تیار شمار ہو کے۔"

"نولہل! میں خود سے فون کر آیا اچھا لگوں گا۔"

کتھنی فرسائے بیٹھے بیٹھے جان میں گئے۔"

"ہاں بھی۔ مجھے خیال نہیں رہا کرتی ہوں میں خود

اسی فون۔"

"اچھا جوادی! سبلی! یہ بتاؤ کھاتے میں کیا کھیا

رکھوں؟"

"خالہ! آپ لڑکے والی ہیں مانا کہ لڑکی جا کر لہوں

والی ہے پھر اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ خودی کو

کھو دیں۔ سزا کھاکر نہیں ورت پھر موت ہی اچھی

ہے۔ جوادی نے سنجیدگی سے سمجھایا۔

"شعلی نے بات پر حائل۔ موت کا یہ مطلب نہیں کہ

آپ چھٹے سے لگ کر اس کے پر تیز بٹھے کر دیں۔ یا

ڈی ڈی ٹی کھا کر چوبوں کا گرد چوں کی زندگی بڑھا دیں

مطلب یہ۔"

"وہ صبح کو خوشی کے موقع پر یہ کیا کہو اس کرنے

بیٹھ گئے ہو۔"

"یہ بتاؤ میں کیا پنوں و فیشنل کا ایک جوڑا پڑا ہوا

ہے اور میرے پاس دو دو تولے کے بٹوے بھی ہیں۔  
 کہتے ہیں شوخی زبانی نام رکھوں گے آپ کا اور  
 وہ ہی شہیل کا سوت نام جو آپ نے کئی پر شکاری پر یہ سن  
 سکتی ہیں اور بغیر دھوئے رکھ دیتی ہیں اس سے میں اور  
 جوانی ابھی کل ہی بات کر رہے تھے کہ خالد جی کے  
 سوت میں سے جو بو آنے لگی ہے شاید فینٹھی کے  
 پھسوں کو بھگانے میں یہ ہی مددگار ثابت ہو سکتی  
 ہے۔  
 سنی اور آپ ہیں کہ رشتہ بھگانے لگی ہیں۔  
 جوانی نے اشوس سے سہلایا۔  
 زبان کہنے چلتی ہے اس وقت تم لوگوں سے کلم  
 نہ ہوتا تو بتاتی تھیں۔ خالد کھسا کر گویا ہوا تھیں۔  
 صفیر اور آفتاب کو ہنسی آ رہی تھی جبکہ یہ دونوں نہایت  
 سنجیدہ مہمان دہ رہے تھے۔  
 پچھلے یہ تو تم نے بتایا ہی نہیں ان کے بیٹھنے کا  
 انتظام کہ ضرور ہونا چاہیے ڈراٹنگ روم میں ہی کرسیاں  
 پر صاف لیا ہوا کرسیوں میں شھاؤں؟  
 اور یہ ضرور کریں تو تم نے ابھی تک کچھ بھی نہیں  
 بتایا آپ نے کھانے کا پوچھا تھا اس کا جواب ہے  
 سب کچھ بن چکا ہے کھانے کا صوبائے مہاراجہ کے سحر خیزوں پر  
 مہاراجہ صوبائی شہنشاہ سوگرے دکھائی تھیں دینے  
 چاہتیں صرف گاڑیوں کی اجازت سے وہ بھی حلوت  
 کی شکل میں رہا آپ کی ہوشاک کا سوال تو موسم کے  
 حساب سے خوب صورت ٹیکر بنا جوڑا آپ میں اور میرے  
 ذرا کر لینے گا ورنہ پھر وہ شہیل والا ہی ٹھیک ہے اور  
 کہاں بٹھاتا ہے میرے خیال میں ڈراٹنگ روم ہی  
 محفوظ جگہ ہے ہال کمرے میں وہ آپ کی برادری کی  
 خواتین کے زینے میں رہیں گی کوئی چلی دل چلی کسی  
 وقت بھی کوئی گولہ باری کر کے انہیں بدل کر سکتی  
 ہے۔  
 شہلہ شہ۔ وہ ایوں تو نہیں بلوایا تھیں۔  
 بالکل ایسی ہی عتس کی باتیں میری اہل مرحومہ بھی کیا  
 کرتی تھیں تمہاری باتیں سن کر مجھے اہل یاد آگئی  
 ہیں۔

میں سنی جب تک ہم زندہ ہیں آپ گولہ کی کسی  
 محسوس نہیں ہونے دیں گے۔  
 آفتاب اور صفیر نے پھر ہنسنا شروع کر دیا۔  
 سے ہر بات پر محبت ہے ان دونوں کی۔ خالد کی  
 آواز پر قہر قہر رہی تھی۔  
 سنی کلم! سارا گھر میں نے مانجھ کوچ کر چکا اور  
 ہے۔ پورا دن ضائع ہو گیا ہے میرا تو اب میں جاؤں؟  
 گھر کی نو جوان سوچ رہی تھی کے رنگ جیسے دانت رکھنے  
 والی ملازمہ فرما رہی تھی۔  
 اگر جو روزانہ مل لگا کر مغالی کرتیں گے تو ڈاکٹر کرسٹ  
 کو فون کھدواں میں نہ کرتیں تو آج آواضان مغالی  
 پر کسی نہ لگتا یہ سب تمہاری کرسی کا چھل سے یا پتھار  
 ملازمہ! سنی نے کسی بزرگ کی طرح سمجھایا تھا۔  
 دیکھیں سنی۔ آپ تو بات نہ کریں مجھ سے۔  
 لڑکی اس طرح شہلہ کی دونوں ٹھنک کر رہ گئی۔  
 کوئی بار کہا تھا مجھے بھی کپڑوں پر چلا نکھاروں۔  
 سارے محلے کے کلم آتے ہیں مجھ سے پتا نہیں کس  
 کے پتے پر آتا دیکھا ہے۔  
 اٹھانے کی شہنشاہی لوج ہونا۔ اسے سمجھنا خانوں  
 کے ساتھ تو کر کے ہیں کیا کلم کرے آپ کو شہلہ  
 کر اور میں کل نام پر آجاتا ہے یہ جو باہر یہ بیٹوں پر  
 ہے تاہم بڑی تک ہوں اس سے۔  
 خالد جی! اس کا بھی علاج ہے میرے پاس آدھو  
 اس کا مشیر ہے نا لوفی عرف سلمان خان۔ وہ ہمارے  
 اسکول میں مقالی کرتا ہے اور پارک کے پٹا ناموں سے  
 آٹھ پچار گھر اس سے ملے آتا ہے کل سے میں  
 اسے تو بچے اسکول سے بھاگوا کروں گا اور اس کو پھر تو  
 بچے بہتر پھوڑ کر سلمان خان کے ویدار کو اتار پڑے  
 گا۔  
 جوانی کی بات پر خالد کھل کر گلاب ہوئیں۔  
 اللہ دے مل سوتے پھر سکتے کا حل منوں میں  
 نکال لیتے ہو اس میرا یہ کلم تو ضرور کرو۔ سنی گھر میں  
 وہ بہر تک گنڈ پڑا رہتا ہے اور یہ چھٹک چھٹو آتی ہے  
 ایک بے کلم کرنے۔

میں سنی چھٹک چھٹو پتیا رستا کل سلمان خان  
 آئے گا تو بچے دینے تم دونوں کے اگر صرف دانت  
 دیکھ جائیں تو باہر نہیں بھٹکتے ہو۔  
 انا ہاؤسے شہلہ جی! ایسے تو نہ پتیا بڑی مشکل سے  
 مگر پتیا ہے مجھے۔  
 چھا جا ہمارا وقت نہ برباد کر ٹھیک ہے تم دونوں  
 بھی جاؤ میں ذرا ان عذاب رشتہ داروں کو فون  
 کر ڈکالوں۔  
 باجائیں میرا مطلب ہے کوئی روٹی پائی بھی تو پوچھ  
 لینا چاہیے صھاواں کو۔ شہلہ کو بے مروتی پر صدمہ  
 ہوا۔  
 چھٹا چھو پھر خود ہی جن میں چلے جاؤ مشیر پتیا ڈھانپا  
 ہے ابھی رام پرے دس منٹ بعد وہ ممکن اٹھاتا تھی دیر  
 میں راستہ تیار کر لو شہلہ۔  
 راستہ ٹھیک کس طرح؟  
 لیکن وہ فون کرنے جا چکی تھیں۔

لہتے ہوئے خانہ کی لاکھڑی لڑکی کا رشتہ چھٹکے وار  
 صاحب کے لڑکے آفتاب کے لیے آرا تھا۔ یہ کوئی  
 معمولی بات تھوڑی تھی۔ سارے محلے میں پڑھو ڈا  
 بیٹ دیا گیا تھا اور فریڈا فریڈا سمجھو ڈا میں کو ہر گھوٹے  
 جیسے لکم موقع پر آنے کی دعوت بھی دے دی تھی تھی۔  
 ان سحر خیز خواتین میں ان کے گھر کی خواتین خواتین بھی  
 شامل تھیں گھر خوش قسمت سے ولوی کو بخارنے آیا  
 پیمان ان کے ساتھ ساتھ دونوں ہوں بھی اس اہم  
 یادگار موقع پر حاضر نہ رہے۔  
 شہلہ جوانی پیش پیش تھے اور بہت مصروف بھی  
 تھے کہ محلے کے کسی اشیا کی بھاری تھی ٹھیکے دانی کی  
 باروں کی بل ٹھکڑی خواتین بھی تشریف لاجھی تھیں  
 اور لولی بٹے گھر پھر میں مصروف تھیں لڑکی ہی  
 خلعت کی محلے میں بھی کچھ عورتیں رہتی تھیں  
 جنہیں اپنی اچھی جگہ سے آفتاب کا رشتہ آجانے پر  
 شہلہ قلع قمع وہ بھی ویزہ انج کی مسجد بٹانے چلتی

تھیں۔  
 ضرور لڑکی سنی کو عیب ہوگا۔ ایک خاتون  
 پورے وقت سے کہہ رہی تھیں ہائی سہلا کر ان کے  
 خیال کی تصدیق میں لگی تھیں۔  
 سنی اب جوانی نے لڑکی دیکھی ہوگی؟ محلے کی  
 ایک آٹھی نے پوچھا دونوں اثبات میں سہلا دیا۔  
 کیسی ہے؟ شہلہ نے شہلہ بھری کئی آواز میں ابھری۔  
 آپ کو برباد کر لی ہے۔ جوانی نے بلا سوچے  
 بچے یوں ہی کہہ دیا۔  
 تم مجھے ہیں پر چھٹا میرے چہلنے والوں میں سے  
 ہے پھر میرے کون سے رشتہ دار لڑتے امیر ہیں ہوں  
 ہونا ہو یہ میری بھانجی کے محلے میں سے ہے بھانجی کا  
 بھائی امریکہ گیا ہوا ہے وہی لوگ نئے نئے دولت مند  
 ہوتے ہیں میرے زمین پر نہیں لگتے اور بھانجی کی وہ پھولی  
 میں سفید یا مری اسی کا رشتہ ہو رہا ہے پتیا کیسی  
 میسنری سے میری بھانجی ہو اتک نہیں لگتی کوئی  
 ہوں بھانجی کو فون کروائی ہوں اس کی تو میں طبیعت  
 ہمارے میسنری چلا کہ۔  
 آؤ لڑکی انہیں ہر کلم میں آئے آئے نظر آ رہے  
 ہو رشتہ دار ہی تو جوانی ہے۔ آؤ آپ کی بھانجی سے  
 برداشت نہیں ہو سکا ان دونوں کو پتیا۔  
 ہرگز تو رہے کی ویک اندر رائے کے ساتھ نہیں رہی  
 اب آئیں ہنسنا لگتے کریں اور ہر گھٹ کے ساتھ ہی  
 رکھی ہے۔ دونوں آگے بڑھ گئے۔  
 لڑکی نے ہنسنے ہوں تو۔ پتیا بھی کون کرنا آیا تھا۔  
 خالد چھٹکے دار نے نیا ولوٹ کا جوڑا سلویا تھا  
 اڑائی اڑائی ہی پھیری تھیں۔ سولے مل میں قلع تھا۔  
 ابھی تک کسی نے تعریف نہیں کی تھی۔  
 کوئی میرے بھائی نے نکال دیا ہے بھانجی کو گھر  
 سے۔ خاتون اپنی ہلیمائی پر شاہوں فرجاں تھیں۔  
 پردی آنی نہیں سے ہم سے چھپا رہی تھی یہ پتا  
 نہیں تھا اس کی جتنی سفید ہانڈی پہلا بیانی جارہی  
 ہے وہ بھی ہمارے لیے ہیں اب بڑی سے میری لگتی  
 میں لگتی بیٹی بیٹی سرسرا سے گھر روٹی آنی ہوگی

ساری خوشیوں پر اپنی بھرتی ہو گا۔ خاتون تصور کر کے جھوم رہی تھی۔  
 "تو مجھے دانی ہے بڑی تیز و کمزوریا گل سے لڑکے کے لیے ایسا اچھا رشتہ دیکھ لیا۔ بھلا میرے لڑکوں میں کون سی عیب ہیں ایک سوئی لائے تو بے جھمکی کلن اور کنگھلوں کی بنی تو میرے کو یہ بھی نصیب نہیں ہو رہی۔ یہ ایک مجھ سے دانی کے دل کی فریاد تھی۔  
 "تو بے لوثی، اونیٹ میں کیا لے کر جا رہا ہے؟"  
 بات کرتے کرتے جو توڑے سے یونیاں نکال کر کھچ چھا کر کھاتے جو ابوی پر نظر پڑی تو دکھ کی جگہ۔ جھٹکنے لگی۔  
 "مجھ نہیں چاہتی! غلطی پلٹ ہے نہیں رکھتے ہی جا رہا تھا۔"  
 "تو بے پیر لڑکھ تیرا بھلا کرے" ایک ایسی ہی خالی پلٹ مجھے بھی لاوے۔ وہ بھی اس کی کھلے داری تھیں۔

سہارا کی آمد کا شہر تھا، خواتین میں اپنی جگہ تھی۔  
 "خیر و خیر تو اس کی کون اور کیا لے کے چھوڑنے والے تھے اس شخص نے خاتون میں اپنی جگہ کا لیا۔  
 دیکھ کر مجھے ماؤ بیتی ہی ہوئی بظاہر تو ان ہی جیسی نام ہی خواتین تھیں۔ کپڑے اچھے یعنی مین رکھتے تھے ایک صحت مند بوزھی خاتون جنہیں سہارا سے کر لایا جا رہا تھا۔ خاصا سونا لہے ہوئے تھیں۔  
 "گنا ہے گھر میں کسی پر اعتبار نہیں سب بہن کر آتی ہیں۔" شبلی نے جواری سے کہا تھا۔  
 "مجھے تو ترس ان سہارا سے کر لانے والیوں پر آ رہا ہے" ایک تو بزرگ تالی کا اپنا دست اس پر جیولری کا وزن توبہ میرے اللہ۔  
 "یہ ہماری بیتی کی تالی ہے۔" اعلان کے انداز میں مہمان خواتین نے ان بزرگ خاتون کا تعارف کر لیا تھا۔  
 "آج چھاپی لائی ہیں؟" جواری نے بڑی ہی دلچسپی سے

انہیں دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔  
 "ہاں میں ہی تالی ہوں۔ تم کیا کہتے تھے؟ اور تمہارے کون؟ اسے بولنا نہیں یہ لڑکا تو نہیں دیکھ لیا تھی کے لیے یہ تو ہر پلٹا پر وہ ہے اگر یہ ہے تو ہماری طرف سے اقرار ہے۔"  
 "تالی! آپ کے لیے خوش خبری ہے کہ بد قسمت میں نہیں ہوں آپ کی شبلی کا حصہ ہے وہ معلوم بنا رہا ہے۔"  
 تالی نے جو کر اقلاب کو دیکھا تھا۔ اقلاب نے گہرا سلام جھانپا۔  
 "تو علیکم السلام تو یہ لڑکا ہے ہوں ٹھیک ہے، مشکل اچھی نہیں ہے یہ ہی بات مجھے سب سے زیادہ پسند آتی ہے۔" تالی کی بددعا نے کنگھو نے دونوں کو کچھ حیران کر دیا اور وضاحت نہیں مانگی تھی۔  
 "یہ تو میری بھابی کے میکے سے نہیں ہیں۔ لو میں نے ایسے ہی بھابی کی شکار لگائی۔ بلاتے میں ابھی بھائی سے بات کرتی ہوں۔"  
 "نور! میرا لایا۔"  
 "ہاں بھائی کی ماؤ نے مجھے نکالا تھی وہ تو تھی نہیں۔  
 یہ بھی کہہ سکتے تھے جس کے ہاتھ لگتے کا یہ ہے تو آپ نام کیا ضرورت تھی بات کو اتنا بھاننے کی بہت ہے آپ کو نہیں منانے ان کے کہنے کی جا بڑے گا تو بد بھائی ہی اتنی جلد بازی نہ کرے۔" شبلی آگ لگی۔  
 "جوئی تو ان سہارا سے بھابی کی بھائی سے لڑائی ہوئی ہے اور وہ میرے پہلی تھی ہے اب میری اماں کو سارے کام خود دیکھنے پر اس کے کھل میرا کھانا تھا میرے میں اب کون سب دیکھنے کا مستحق ہے۔"  
 خاتون کا میوہ خراب ہوا تھا اور وہ ایک کونے میں جا بیٹھی تھیں۔  
 اور مہمانوں کو چائے پیش کی جا رہی تھی۔  
 "تالی! یہ کاجر کا گلہ تو لونا!" خاتون کو گھر میں بیٹھتا ملکہ عالیہ کی حیثیت حاصل تھی۔ خواتین بڑھ چڑھ کر ان کی خدمت میں حصہ لے رہی تھیں۔

ہو چکا ہے ہر کا معلوم بھی ہے، اور توڑا پھول ہے۔"  
 "ہاں کی؟" اقلاب نے اپنے ہاتھ سے بنا لیا ہے۔  
 شبلی کی زبان میں کھلی ہوئی تھی۔  
 "آج لڑکا اور خاندان داری میں بھی ماہر نہ ہوئی اچھی بات ہے۔"  
 ابھی تو اقلاب، شبلی کی بات پر چچو تک کھارہ تھا اور اب تالی کے رمدار کس کے بعد ببولے نہیں سارا تھا۔  
 "اور آنا میرے پاس آکے بیٹھو اور کھڑا ہندوستان کی طرح خودیاں نکال رہا ہے۔"  
 خطاب اقلاب قہقہاں تبصرے پر ہندیاں یوں تانب ہو گئیں جیسے اب بھی لکھنؤ کی ہی نہیں اور جا کر تالی کے قریب ڈرتے ڈرتے بیٹھ گیا۔  
 "مجھے کے خیر تو نہیں ہو؟" گلا سوال ہوا۔  
 "ہاں تو بھائی نہیں فسرہ کتنے کئے ہیں۔" شبلی نے معلومات مہیا کیں۔  
 "زیادہ بڑھو لے تو میں ہو مجھے بڑھوں سے سخت نفرت ہے۔"  
 شبلی کو کوئی یہ بیانیہ لڑکا ان کے لیے نہیں ان کی خواہی کے رہے رکھا جا رہا ہے۔ جواری کو یہ حال اتنی آہل۔  
 دونوں نے کچھ فاصلے پر بیٹھی اقلاب کی والدہ محترمہ کی جانب دیکھا۔ وہ چہرے پر راجا بڑا نہ مگر اہم جھلکے لڑکوں والوں کی طرف سے آنے والی خواتین کی خدمت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی تھیں۔  
 اور جب تالی نے انہیں گولہ کا سیت پیش کیا تو بس نہیں چلا تھا۔ اقلاب کو ابھی ان کے ساتھ رخصت کر دیں۔  
 "یہ گاڑی کی چال ہے ویسے تمہیں گاڑی چلانا تو آتی ہے تالو کے؟" تالی نے اقلاب کو ایک اور خوش خبری سنائی تھی اور پورے شہر کے کو جیسے سوئپ سوگھ گیا تھا۔  
 "ہائے بی کھان سے مل گئے ایسے مال دار لوگ ٹھہرا نہیں تالی ہوں لڑکا کچھ ٹھیک نہیں ہے اس کے بھلائے میرے لڑکے کو دیں۔"

تو کچھ رہی ہیں کتنی تہ خاتون ہیں۔"  
 "کون تالی؟" اقرارے اس کی فکر نہ کرو زیادہ سے زیادہ بھی رہے گی چار پانچ سال اس کے بعد جین ہی سکتی۔  
 "کس کے مال کو کہہ رہی ہے۔" تالی کی آواز دار تو اسرارے بیڑا میں چکر لائی تھی۔  
 "بی خالہ بی بی میں اور میری ہوں اچھم کریں۔"  
 "بات یہ ہے کہ تمہارا لڑکا ہمیں پسند آیا ہے، ہم چاہتے ہیں آج ہی منگنی کی آگوشی بھی پوسا کر یہ گھڑا اک بھی ختم کیا جائے۔"  
 "دیکھن ابھی ہم نے لڑکی کہاں دیکھی ہے؟" شبلی نے اس فریاد سے گہرا کر کہا تھا۔  
 "تو شبلی! جواری! آپ کرو۔" خالہ نے گھر کا پھر تالی کو مخاطب کر کے پوچھا۔  
 "جی میں منظور ہے پوچھی تھی! اقلاب اب آپ کا ہے جوئی چاہے سلوک کریں۔"  
 ان کی فدویانہ مگر اہم کو کسی نے نہیں دیکھا۔  
 مہر کو کسی حسین گھڑی میں گم تھے۔

ایک خاتون خوشی کے عالم میں اچھی تھیں۔  
 "بیٹھی رہیں آپ کے بارے میں تو ان کی رائے ویسے بھی ٹھیک نہیں ہے، ابھی آپ کی طرف اشارے کر کے منجانا کر لیں وہی تھیں۔" جواری نے جوش فضا کر دیا۔  
 "یہ بڑھی تالی ہے ہی سہاں۔" تالی کی بھڑاس نکال کر وہ بے کراہی پر بیٹھ گئیں۔  
 "خالہ بی بی! ابھی بھی کچھ نہیں بڑھا۔ تاہم سے اقلاب کو پر یاد ہونے سے بچائیں۔" دونوں نے خالہ جھیکے داری کو سمجھانا چاہا تھا۔  
 "ہاں تو ٹھیک ہے تمہارا اتنے اچھے رشتے بھلا کہاں ملتے ہیں تم تو جانتے ہو، اقلاب نہ تو زیادہ پرصا لکھا ہے نہ ہی آج کل کے لڑکوں والی ہوشیاری ہے اس میں میں تو شکر کر رہی ہوں اتنے امیر گھرانے سے رشتہ آیا ہے میرے بچے کا اب تم مجھے کبھی مت نہ دو۔"  
 "تو کچھ رہی ہیں کتنی تہ خاتون ہیں۔"  
 "کون تالی؟" اقرارے اس کی فکر نہ کرو زیادہ سے زیادہ بھی رہے گی چار پانچ سال اس کے بعد جین ہی سکتی۔  
 "کس کے مال کو کہہ رہی ہے۔" تالی کی آواز دار تو اسرارے بیڑا میں چکر لائی تھی۔  
 "بی خالہ بی بی میں اور میری ہوں اچھم کریں۔"  
 "بات یہ ہے کہ تمہارا لڑکا ہمیں پسند آیا ہے، ہم چاہتے ہیں آج ہی منگنی کی آگوشی بھی پوسا کر یہ گھڑا اک بھی ختم کیا جائے۔"  
 "دیکھن ابھی ہم نے لڑکی کہاں دیکھی ہے؟" شبلی نے اس فریاد سے گہرا کر کہا تھا۔  
 "تو شبلی! جواری! آپ کرو۔" خالہ نے گھر کا پھر تالی کو مخاطب کر کے پوچھا۔  
 "جی میں منظور ہے پوچھی تھی! اقلاب اب آپ کا ہے جوئی چاہے سلوک کریں۔"  
 ان کی فدویانہ مگر اہم کو کسی نے نہیں دیکھا۔  
 مہر کو کسی حسین گھڑی میں گم تھے۔

# Decara Hankies

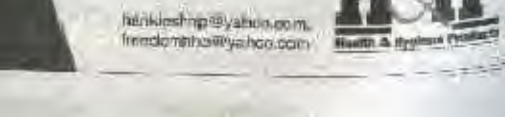
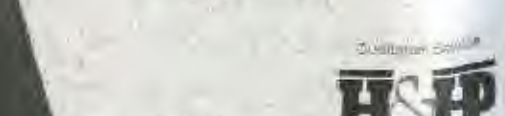
... absorbent  
..... elegant  
..... & luxury



Soaks up grease & oil



Wipes elegantly



Qualities of  
**H&P**  
Health & Hygiene Products

hankieshnp@yahoo.com  
freedomhnp@yahoo.com

www.hnp.com

اگر معمول چوک ہو جاتی تھی تو خالہ ٹھیکے دارتی خود اس حال  
کہہ دیتی تھیں۔  
”تینا کچھ عوارب ہیں آفتاب کے لیے۔“ (اترا  
اطلاق دئی تھی۔  
”مبارک ہو خالہ۔“ شبلی کی صبح ابھی ابھی طلوع  
ہوئی تھی۔ مندی آنکھوں سے خالہ کے چمک وار  
چہرے کو دیکھا تھا۔  
”وہ جو ادنیٰ کہہ کر ہے؟ میں نے اسے بھی تو خوش  
خبری سنائی ہے۔“  
”آج جو ادنیٰ تو آفتاب کی کیا اہل زہی سے ناگے  
خوش نہیں ہوگی تو چمکے ہوگی، چائیں جا کر اطلاق  
دیں۔“ شبلی نے گروت بہل لی تھی۔  
”لوگوں کے بے کیسی ترقیاں کرتے ہیں کہیں  
سے کہاں پہنچ جاتے ہیں، تنگ کلی ٹھلوں سے کشادہ  
سڑکوں والی کلی، مٹھی خوب صورت آئیڈیوں میں بس  
جاتے ہیں، ایک ہمارے لڑکے ہیں، دیان چلانے کے  
علاوہ کچھ آٹائی نہیں ہے۔“ جب سے خالہ ٹھیکے دارتی  
پور کئی تھی تو ادنیٰ دیکھنے وقتے سے آجین بھر رہی  
تھی۔  
”آج ادنیٰ ایسے رشتے بے کوئی مشکل تصور نہیں ہیں۔  
ایک بچہ بڑا ہوتے ہیں۔“ شبلی نے تسلی دئی تھی۔  
”خسرت داروں کو ملتے ہیں۔“ ادنیٰ نے حسد سے  
مردم کو ٹھنڈی آتے مزید فریاد کیا تھا۔  
”اب کہیں تو میں تانا ماموں کے لیے کوشش  
کروں، بلکہ آفتاب کی نالی، سراس کو ہی رام کیا جا سکتا  
ہے، مگر بھی مناسب ہے دولت بھی بے شمار ہے۔“  
داوی سوچ میں پڑ گئی تھی، مگر تانا ماموں کہیں اس  
پاس ہی تھے اچھی خاصی کلاس لے ڈالی تھی۔  
”اس گھر کے سارے سوا بے و قوف ہیں۔“ یہ  
داوی کی رائے تھی۔  
اگلے روز خالہ ٹھیکے دارتی ستاریوں کے کام وانی بگالی  
سارے پنے ہالوں میں پھول سجائے چمک چمکاتی آئی  
تھی۔  
”گھر کا اتنا مسلمان سچ رہی ہوں، ہم تو نے بیٹھے میں

کسی سچے لے دیکھ پر شہلا کی بوالی لگا دیا اور سنا  
بندھ گیا۔  
رات گئے نانی نے داہنی کا اطلاق کیا اور جل کر  
کے کہا بے ہونے واسے رشتہ داروں نے بھی شکر کا  
ظلمہ پڑھتے ہوئے گھر کی راہیں۔  
\* \* \*  
”جو ادنیٰ، شبلی، تمہارے گھر سے کوئی عورت نہیں  
آئی، ابھی وادی سے کہہ دینا میں صبح آؤں گی کچھ  
کہنے۔“  
”اور یہ جو آپ کی برادری کی آئی تھیں، بلکہ وہ ان  
سے کہتا ہے، کیسے منہ پھلا کر سڑی تھی شبلی  
تھیں۔“  
”فح کر۔ یہ تو ہیں ہی بلنگویاں۔ دیکھ لینا حد  
کی آگ میں ایک ایک کر کے سب جل مرن گئے۔“  
”ویسے آپ نے آفتاب کے ساتھ اچھا نہیں کیا  
چلو نانی کی تو خبر ہے ایک آٹھ سال پہلے تو میں نہیں  
ہو سکتی تو تھی، ابھی طور پر تو رہتا ہے، ہو جائیں گی بھلیں اگر  
لہی، ابھی سنا، جانی ہوئی پھر آفتاب کا کیا ہو گا۔“  
”وہ سب جل جلا کر رہ گئے، ویسے اگر لہی کا بھی طور  
پر ساری نانی تھیں، ابھی تو کل شمس آفتاب کچھ جا پڑا  
کے نام کر کے، شبلی کر کے، تاس کی۔“  
”او تو یہ منصوبہ ہے۔“ جو ادنیٰ کا انداز ترقی تھا۔  
”تے ہوور مجھے کیا بد مزاجوں سے رشتے جوڑنے کا  
شوق ہے۔“  
\* \* \*  
آنے والے دنوں میں پورے محلے میں اگر کوئی خبر  
تھی تو وہ ٹھیکے دارتی کے گھر ہی تھی۔  
”آج گاڑی آفتاب کو لینے آئی ہے۔“  
”واپسی پر لدا چھنڈا آیا ہے اور پھولے میں سارا  
تھا۔“  
”آج نانی خود بھی گاڑی میں آئی ہیں اور آفتاب کو  
ساتھ لے کر گئی ہیں۔“  
ایسے تو محلے والے خود ہر خبر پر نظر رکھتے تھے، لیکن



چلے جائیں گے تاہم جن سے اس وقت سارا اور ایسا بھی فریجی لارہی ہے کہ یہی میں تو اس پر بیٹھے گھبراہتی ہوں۔ آفتاب بتاتا ہے عایت ڈالو اب اس تو بانی کی زندگی ایسے ہی فریجی کو استہوان کر کے گزرے گی۔

خالد! اتنی جلدی نہ کرو آفتاب کی شادی کے بعد بھی تو فریجی چکا سکتا ہے۔

نہ نہ دے جوادی ابھی تو عقل کی بات کر لیا کر۔ (خیالات بدل چکے تھے) شادی کے بعد میں برا فریجی بچوں کی بیوی کیالیہ کا خاندان ہونے کا طعنہ نہیں دے گی؟

یہ بھی ہو سکتا ہے خالی ہاتھ نکلتی وہاں جائیں تو وہ بھارن کے لقب سے توڑ دے۔

وہ نہیں دے بہی ہی اچھی بچی ہے بہی قربان دار نہ کر رکھنا والی بالید با تیز۔

پھر ایسے لوگوں کے ساتھ رہتے تو آپ کو کافی مشکل پیش آئے گی۔

میں نہیں نہیں آپ کافی بدل لیا ہے خود کو! انگریزی بھی پڑھنے لگی ہوں اللہ نے عقل سے دے جوادی ہاں میری بات۔ وہ آفتاب کے ناگنی کہتے پڑے ہوئے ہیں تم نہیں کا نام ہی تو نہیں آفتاب ہے تم میں خود فریجی ہے فریجی اور بیٹھے اللہ لبتا اس کسی روز آکے ناس کے پرانے پرے سے لے جاؤ پراکتہ بڑا ہوا ہے گھر میں۔

فنی مطلب کیا ہے تیرا نام میرا بیٹا تیرے اس آوہ ہاگل لڑکے کے کیڑے پتے کا تو شاید بھول گئی ہے میں کون ہوں۔ جوادی کی اماں کا خون کھولا تھا اور خوب کھولا تھا۔

آہ وہ اجانتی ہوں تڑس تڑس کے زندگی گزارنے والی بد نصیب عورت ہے۔

جوادی کی اماں سے آج تک کہاں کسی نے منہ دور منہ ایسی دیرانہ گفتگو کی کو خوش کی تھی۔ کچھ دیر کے لیے تو کہتے میں چلی گئیں۔ جب تک کہ تو نا تو تب تک خالد کیلیہ دارنی اعلیٰ پڑوسن کا دل جلائے تشریف لے جا چکی تھیں۔

نویسے دیکھ دے جوادی ابھی وہ ہی عورت ہے جسے نہ کہنے کی تیز چھی ناپینے کا سلیقہ ہے اتنا تھا کہ اخلاقی حالت بہتر تھی۔ دولت نے تو اسے دلے لیا ہی ہے۔

جوادی نے فنی میں سر ہایا اور بولا۔

صرف دولت ملنے کی امید نے والد بہتر سے آنے والا وقت اپنے دامن میں پھرتے کر آتا ہے پھول ابھی سے کیا معلوم۔

آہ تو ابھی بیٹھا طے ہو جا رہا کہ اتنے دن سے ایسے اپائی کو کرتی ہوں بات گھریں کسی امیر گھر میں تیرے لیے بھی بات۔

والدہ! رحم خدا کے لیے رحم۔ آفتاب کا رشتہ کرانے میں میرا کوئی کردار نہیں ہے مجھے ایسی بیانیگ سزا نہ دیں۔

اس سخی کے ایک گھر میں لڑکی دو دن سوتا پھرتا کرتے اور میں گھڑی دیکھتی رہوں یہ میری برداشت سے باہر ہے۔

آج تو پھر نہ۔ تک وہ لڑکی اور گھر میں اتنی جالی تب تک آپ کسی بھی شراکتیز کارروائی سے ہرگز کی گوند کریں والدہ کیلئے کہیں۔

بھول کر گئی ہوں وعدہ پورا اس کے بعد کچھ نہیں نے۔

یہ تو ایسی ہی شامت شیل کی بھی آنے والی تھی جوادی کے دانت میں صبح سے جو درد اٹھا تھا تو آفاتہ دور کے آثار شام تک دکھائی نہیں دیے یوں شیلی چھٹن کی ہنسی بجا رہا تھا۔

یار شیلی! اب تو سوچ رہا ہوں کیلئے کھانا شہر کھلا۔

موتنے کی کیا بات ہے گرو شوہر۔

پوچھتے گا میں کہ کیوں؟

میں۔ کیونکہ مجھے پتا ہے تم نے پوچھ بیٹھے۔

وہ ہے۔

ہاں ہمیشہ کی طرح تو اس صبح سے میرے ہر ذرہ اصل میں میں چاہتا ہوں گی کویلے کے چھکوں سے

اسی دن جب بھی خالد کیلئے واری شوہر نے میرے گھر آئیں راستے میں ہی سلب ہو کر میرے گھر کے بجائے سڑکوں کے گھر پہنچ جائیں یا بڑی بلی تروا کے اسپتال میں رونق افروز ہو جائیں۔

تم نے یہ دونوں لانا جواب ہیں۔ بس تم آج سب کیلئے فصل اجاڑنا شروع کرو۔ شیلی مسکرایا تھا۔

تھر کیوں کی فصل اجاڑنے کی نوبت نہیں آئی عرو کی تانی کو پیسہ ہوا تو انہوں نے اسے مرض الموت خیال کرتے ہوئے جلد شادی پر زور ڈالنا شروع کر دیا تھا۔ اور نئی ساس کی بیماری کی خوش خبری سن کر خالد کیلئے دامنی اور آفتاب خوشی سے پھولے نہیں سارے تھے کہ ان کے خیال میں بھی اب نئی کا پچھا محال تھا۔ خالد نے تو کالے رنگ کا سوٹ سلا کر اس پر کالے مینجوں کا کام بھی کر دیا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ زور و شور سے بری کی تیاری بھی ہونے لگی تھی صبح کا ہاتھ کر کے ماں بیٹا بازار کو لیتے تو شام ڈھلے لہے پھرتے تھے ہارے ہی گھر کو لے جاتے تھے۔

تو جوادی اپنی انہوں نے میرے گھر کو بھی پھلوا دیا ہے قسم سے ایسے ایسے جو لہے جاتے ہیں بری کے کھلے دانیاں دیکھیں گی تو حیران رہ جائیں گی یہاں چل کر حرام میں گی۔

تو کل انہیں جلائے اور مرجانے کے تصور سے تباہی سرت حاصل ہونے لگی تھی۔

آفتاب کی دامن کو بھی ساتھ لے لیا کریں میرا مطلب ہے وہ اپنی پسند سے خریدے تو زیادہ بہتر ہے آخر استعمال تو اسی کو کرنا ہے۔

یو بھلا اسے کیا لے کے جانا اسے تو کپڑوں میں لپٹا دیکھی نہیں۔ زیور الیت بہت پسند ہے سنا ہے شکی بھی نالی ساس شادی والے دن پورا سیٹ سونے کا پڑھا رہی ہے۔ میں نے سوچا میں پیچھے کیوں رہوں۔ میں نے بھی وہ گاؤں والی زمین کا ٹوٹا بچ دیا ہے دو سیٹ بھاری ہلے ہلے چڑیاں سب بنو لے ہیں بہو

کے لیے بھنا بھی لے دن آتا تو ایسے میرے ہی پاس ہے یا ویسے کسی دن پورا مکان آفتاب کے نام لگا رہے ہیں۔

آپ لوگ کم ہی گئے ہیں ان کے گھر وہ ہی چکر لگاتے رہتے ہیں۔ شیلی کے کہنے کی دیر بھی خالد نہ مان گئیں۔

آفتاب و چارے ایسے بھی کون سے چکر لگاتے رہتے ہیں ابھی بھار آفتاب کو لینے آجاتی ہے لڑکی کی ماں تو بھی تلی۔ اور میں جلاؤں بھی کیسے وہ گھر میں تھوڑی ہی رہتی ہیں۔

تو کیا کھب میں ہنگ ہوتی ہے ان کی؟ جوادی نے کہ کر زبان دانتوں سے دلی کہ خالد! اتنا دیر مان کر تمہیں۔

تم سب کھلے والے ایک جیسے ہو گئی کی خوشی میں خوش ہو ہی نہیں سکتے تو عروس بھی برس کر گئی ہیں مصروف رہتی ہیں۔ ساتھ ہی وضاحت بھی کر دی۔

پھر تو آپ آفتاب کو امور خانہ داری میں خلطہ کرنے کی سوتھیں۔

آفتاب کو کیوں نہیں دے رہی میں خود ہی ہوں۔ ایسے کھلے بنا کر دین کی سب پکاتا آتا ہے مجھے۔ انہوں نے خیریت بتایا۔

کہہ ہی آفتاب کی اماں کا بس نہیں چلا گھر کے برتن بھانڈے سب بیچ کے دامن کے لیے زیور سوارے ہو تو ہر میری تنخواہ بھی مارا ہے۔

اس وقت خالد کی چھمک چھٹو ملا زمینہ دواوی کے پاس بیٹھی خبریں سنا رہی تھی اور دیکھتا ہی دوری تھی۔

تنہی تنخواہ بھی دہائی۔ دیکھ لینا خدا کا قرب نازل ہوگا۔

ابھی تو ہی اللہ والی ہے تا جو اس کی تنخواہ دہانے سے قبر خداوندی نازل ہوگا۔ جوادی مسکرایا تھا۔

تو اور کیا ایک ہی بات ہے انہوں نے دہائی یا تو نے

مسلمان خاندان بٹاری۔ شبلی کو بروایت سے اتفاق تھا۔  
"مسلمان خان کون ہے؟" بروایت کو مصلحت میں  
اشفاق نے کاشفی چڑھا تھا۔

"میرین فلم ایکٹرز۔ بروایت نے تھلا۔  
چھٹک چھلو اس عرصے میں دستوں کی نمائش کے  
بدوان شہرے کا شان دار مظاہرہ بھی برابر کرتی رہا  
تھی۔"

"میرین فلم ایکٹرز تنخواہ لاتی ہے یا نہیں؟"  
"کمال تک سونگے" کہاں تک ستائش مسو طریقے  
ہیں رقم بولا کر کے مینڈ قرض پر گزارنے کے۔  
"قطعے منہ حیرا۔ تو دشمن ملک کے پانڈیلے پانڈا  
ہے۔" وادی ناراض ہوئی تھیں۔

"مکمل کر رہے ہیں جی ایسی میرے ان کو مسلمان  
خانہ لوتے ہیں یہ نام بھی ان دونوں سے ہی اس کا رکھا  
ہے۔" ورت میں بیچنے تو قویا رکھا ہے جی اس نکل۔  
"بات ہو رہی تھی آفتاب کے امیر و کبیر سسرال  
کی۔" بروایت نے جان بچانے کو یاد دلایا۔

"گولی مارو آفتاب کی سسرال کو۔ یہ پتا اتنے دنوں  
سے وہ ساگ والی میں نظر آتی کہ نہیں؟"  
"وہ ساگ والی اور جوہڑ ہے۔ ماگ لے کے آتی  
چھوڑتی۔"

"چیلو اٹھو" چل کے برتن دھو کر پینڈ نہیں تو  
میرے کپڑے استری کرو۔ اور خیروار جو دیوار سے  
کچھ پونے کی کوشش کی۔

"شبلی صاحب! آپ ناراض کیوں ہو رہے ہیں۔  
میں تو یہ جانتے تھی کہ وہ ساگ والی۔"

"تو دیکھ جا کے پانی والی موٹر چل چل کے اب تو  
کوئلہ ہونے لگی ہے اور میرا خیال ہے تو استری کا ٹیک  
لگ کے دھر آتی تھی۔"

"سچائی۔ پتا نہیں مجھے تو ایسا کچھ دیا نہیں ہے خیر  
دیکھ لیتی ہوں۔"

"پان دیکھ جا کے اور اب دوبارہ سے ادھر آنے کی  
لوڑ نہیں ہے۔ کم نکالو گے کھروں جاؤ۔"  
"پان تو وادی اور بات یہ ہے کہ آخری خیریں آنے

تک وہ ساگ والی جس کہتے سے سناگ پر اتر کر  
تھی اس کہتے کو آگ لگ گئی تھی گھر کے  
سے سناگ لگی گئی کہ سروسوں کے ساگ  
سروسوں کا تیل لکل آیا تھا۔ آج کل وہ یہ ہی تیل  
ہے۔"

وادی نے سچیدگی سے شبلی کی بات سنی پھر فریاد  
"پان پر سروسوں کو آگ لگنے سے تیل کس طرح نکل  
ہے؟ تیل سروسوں کو آگ لگانے کے تھوڑی نکالنے  
ہیں۔"

"یہ جدید طریقہ ہے وادی بسنا ہے اس سے تیل نکل  
دینی مقدار حاصل کی جا رہی ہے۔" بروایت نے  
کرائی۔

"آئے ہائے کیا ساؤ آندہ دار ساگ ہو تا تھا۔" وادی  
کو دونوں قتل رہا۔



آفتاب کی شادی کے کارڈ خالہ ٹھیکے دارفی نے  
مارے خوشی کے پھولی ساتوں کے درمیان بانٹے  
تھے۔

"ارے اتنے بڑے لوگ ہمارے تو خیال تھا شادی  
فکشن کی جیسے ہر گل میں ہو گئی۔"

آکٹیت نے کارڈ لے کر یہی کہا تھا اس بات  
جو اب خالہ ٹھیکے دارفی کے پاس میں تھا۔ اس نے  
صرف برا ماننے پر اکتفا کیا دیتے یہ سب کو تھلا تھا ان  
لوگوں کو شور مچا رہا پینڈ نہیں اس لیے پارٹ میں  
صرف دو ماہا دھسے کی والدہ ہی تشریف لے جا سکی  
تھی۔

"پان جب میں دلہن کو اپنے گھر لے آئی تھی  
سب آجاتے تھے۔"

"تو یہ کیا بات ہوئی خالہ! ابرات تو لڑکے والوں کی  
طاقت ہوئی ہے ان کی مضبوطی کا اظہار ہوتا ہے۔"

"تا وہاں کیا رسا نکل ہوئی ہے جو طاقت اور  
مضبوطی کا اظہار ضروری ہے۔ عجیب محفلے والے ہیں  
کسی کی خوشی میں خوش ہی نہیں ہوتے۔"

سندھی کے روز سارا محلہ دو عورتوں ٹھیکے دارفی نے  
اچھی چھل بھیلنے کو کہا تھا۔ بروایت کو یہ بات پینڈ  
نہیں آتی تھی۔ پھول وغیرہ تو سیرانی بھالے ہیں تم  
کہاں سے سیرانی ہو، سچی خیروار جو ہوا لک کے قریب  
بھی گئے یہ جو پھول ہاں بروایت نے سیرانی پھر رہی ہے تا  
آپسی بھالنے دھول۔

خیر گھلنے کی لڑکیوں نے ہوا لک سیرانی تھی۔  
رات گئے تک روٹی لگی تھی۔

"خالہ! دلہن کا ساگ کب آئے گا؟" کسی نے  
پوچھا تھا۔

مسلمان اس جیسے دن میں کہاں آئے گا۔ اتنی  
پتی کو کسی نے لڑکی کی ادھر ہی بھالے سے۔

"تو ہم جیسے دیکھیں گے خالہ۔" عورتوں کو صدمہ  
ہوا تھا۔

"میں بھی تو ادھر جا رہی ہوں پھولوں کی تم سب  
کو۔" کسی دی تھی۔

آفتاب میں اب کافی اعتماد رکھا جا سکتا تھا اور عورتوں  
کی بھٹک بھی اس کے ہر ہر انداز میں تھی۔

سندھی کا فکشن رات کے انتہام کو تھینا اور  
تک ہمارا محلہ سو آ رہا تھی۔ یہی سنا کہ خالہ آفتاب  
کے ساتھ کھڑے ہو رہا رات کے آدھے دو بجے۔

شام کو آئی کہ اتنی تھیں کہ آج آفتاب کی ساگ  
رات تھی۔ اور جو دلہن کے گھر میں ہی روک گیا تھا۔

سب دستور رکھے واپس لے آئے اس بات کو سزا سزا  
قرار دیا تھا۔ اور خالہ نے سخت برائے کے ساتھ ساتھ

انہیں غریب بنوا کر عورتوں کے لقب سے نوازا تھا۔  
"تم چھوٹے چھوٹے گھروں میں رہنے والیاں"

تمہیں کیا بات کہہاں سے کہاں کچا کیا ہے۔  
"پلو آگے تو دلہن کے ٹیکے میں کچا کیا ہے نا؟"

تو وادی نے جیسے اس بات پر سکھ کا ساں لیا تھا۔  
"ویسے اس لڑکی کی مائی بیٹی خراست ہی ہے۔"

لیکے عورت نے ہمو کیا اور خالہ چرا گیا ہو گیا۔  
"تو کس کوئی ایسے ہی وچاری کے پیچھے بڑی رہتی  
ہے۔ کچھ لوگ اوپر سے آخری کی طرح سخت اندر

سے نرم ہوتے ہیں۔ وہ مائی بھی ایسی ہیں شادی کے  
دو، تھوڑے کچھ جا رہی تھیں انا رہی تھیں میرے لیے  
پورے پیر تو لے کا منٹ بنایا ہے۔ جلدی میں اس  
دو لانا بھیل گئے تھے اب کہہ رہی تھی جلدی میں  
جاتے کا مجھے، اچھا تو لوگ اب چلو صبح و صبح ہے  
تیاریاں کر جا کے سٹو، اچھے اچھے کپڑے پہن کر تانا  
دلہن والوں کے سامنے عزتی نہ کرانا میری۔"

مرد و عورت کے فکشن کی فیت میں آئی۔ آفتاب  
صاحب آنکھوں میں آنسوؤں کی برسات لے آئی تھی  
صبح سویرے منہ اندھیرے لوٹے تھے کہ لڑکی اور اس  
کی مائی پھر سب لوٹ لٹ پان نہیں رات کے کس  
پھر فرماؤ گی تھیں۔

"ہائے میرا آنکھوں کا زور میں نے تو بھلے کے لالچ  
میں برنگوں کی زمین بچ دی تھی۔"

"گھر اور نہیں خالہ! یہ بھی شاید نے تانے کا انداز  
ہے۔" شبلی کی بات پر وہ دھاڑیں مار مار کر روئے گئی  
تھیں۔

"ہائے جیسے چھوڑ دیتے تھے آنکھوں پر ان کی بھونٹی  
باتوں پہ اتنا بڑا کیا میں نے۔"

چوتھے دن اتنی وہ حالت ہو گئی تھی کہ پتہ چلا  
تھے کا ایک مکانی کہ لڑکی کو لے جانے کے روز سے  
یہ کیا ہے۔

"تو بروایت کو بے سہلی کچ کر لے گیا وہاں انہوں  
کا میرا آنکھوں کا زور لے لڑی ہیں۔ لالچ نامہ بھی  
ان کے پاس سے کسی وقت بھی کچھ کر سکتی ہیں۔"

آفتاب صاحب بھی اب کان رہے تھے۔  
"یہ سب تمہارے لالچ کا نتیجہ ہے تمہارا بیٹے  
لالچ میں اندھے ہو رہے تھے یہ میرے پیچھے دھوکے  
صاف و شاکر ہیں یا نکل بچھ بڑے ہیں۔"

وادی کی بات پر جو مسکراہٹ اٹھی وہ دونوں اسے  
روک سکیں گے ایک ہی طریقہ تھا یہاں سے شکل گم  
کر لی جائے اور گھر کے باہر کی راہ لی جائے ویسے بھی  
سزا قدر کھائی آد کا تا تم ہوتے تو تھا۔

# اسکا سر

پچھلے آدھے گھنٹے سے وہ گرمی سوجھوں میں گم تھی۔ ان کی نظریں \_\_\_\_\_ سامنے رکھی میز پر بیڑی قابل پر جمی ہوئی تھیں۔ ان کے ساتھ کے کئی اکثر اوپر کی کھلتی سے نہ جانے کہاں سے کہیں تک جا پہنچے تھے۔ اور وہ اپنی تنگی شرافت اور اصولوں کی پاس داری کرتے ہوئے آج تک اسی سیٹ پر تھے۔ لیکن اسبے تھک چکے تھے وہ بھی چاہتے تھے کہ ان کے بیچے اعلیٰ قطبیں اور یوں میں رہیں۔ جب امیر گھرانوں کے لڑکے لڑکیوں کو بے نظری سے پیڑا اڑاتے دیکھتے تو ان کے دل میں بھی حسرت جاگتی کہ پشاور اور بھی ایسے بڑے اور بڑے تھیں۔ ان کی طرف سے اس طرح کی کئی فاطمیں ان لڑکے اور بیڑی ہوئی تھیں۔ وہ انہیں کہیں سے کہاں پہنچا گئی تھیں۔ اس ایک بچی کی پیشگی ضرورت تھی۔ ایک سائیکل کی اور وہ منٹوں میں فرش سے عرش تک پہنچ جاتے۔ لیکن ان تمام فائقوں سے زیادہ آج کی فائل پر کشش تھی۔ کہ معاملہ ان پر چھوڑ دیا گیا تھا کہ وہ جتنے بچاؤں مانگ لیں۔ انہوں نے کئی بار کی پڑھی فائل دوبارہ کھولی۔

نام "حسام"

عمر "بچیس سال"

دلہت "محمد رمضان"

پیشہ "ایک معمولی کلرک"

"ایک ویٹا جو حال ہی میں جرمنی کے شہر میں آیا ہے"

"جرمن؟ بڑے چھوڑی کے خلاف تو آواز اٹھائی

اپنی بیوی کی۔  
"میں دو ٹوٹا جاؤ۔" انہوں نے سر کو جھٹکتے بیڑی کی  
موت سے بوجھا کر دو ٹوٹا اور لیوں کو حکم دیا۔ وہ  
ایڑیاں ہاتھوں سے چلے گئے۔  
حسام بیٹا تم یہیں بیٹھو۔" وہ حسام کو سامنے  
بٹھ کر اپنی گرمی کو آگے بٹھانے لگا۔  
جانے کیا سمجھانے لگے تھے۔



اسی شام کو جب وہ گھر بارے تھے۔ تو وہ حسام اور  
اس کے گھر والوں کو ایک محفوظ مقام تک پہنچا آئے  
تھے۔ جہاں چوہدریوں کی رہائی ناممکن تھی۔ انہیں  
سب پانچواں تھا کہ حسام کو بیٹھے ہوئے انہیں اپنا بیٹا کہیں  
پار آنا تھا۔ کیونکہ ان کا بیٹا بھی حسام کی طرح بھولا اور  
حساس تھا۔ ان کا بیٹا بھی تو اس طرح بے خوف ہو کر  
ظاہر ہونے کی باتیں کرتا تھا اور اگر اس طرح کل کہاں  
کو نہ سوچ کر ہی بھر جھری آئی۔ وہ جانتے تھے کہ  
انہوں نے جو کچھ کیا ہے اس کا فیصلہ انہیں بھگتنا بھی  
نہیں سکتا۔ لیکن اسے خمیر کے اس ڈیسے پر وہ صحت  
میں بہ کر گھری طرف دال دیاں تھے۔



وہ بھی گرمیوں داخل ہونے ہی تھے کہ ان کی چھوٹی  
بچی خوشی سے بھگتا چھوٹے ان کی طرف  
پڑھی۔  
"میرے بیٹا اتنا خوش کیوں ہے؟" انہوں نے  
پوچھا۔  
"اسے بارہا کیوں ہے؟" احسان الحق نے درستی  
سے اسے دیکھا۔ "اسے پچھلے سے دو اور بچوں سے  
پوچھا۔  
"چوہدری کا حکم ہو گا۔ اس لیے تو انہوں نے مارا  
ہے۔ کھلا کوئی چوہدری کا حکم نہیں سکتا ہے۔" جواب  
ان دونوں کے بجائے حسام نے اتھالی رخ کیے میں  
تھا۔ وہ چونک کر اسے دیکھنے لگے اور ایک بار پھر انہیں



"ایلا! میں نے جو ہمیں شیلٹ کا تھا اس کا نام پورا  
ہم آ گیا ہے۔ اس کے لیے یہ نام کیا ہے؟" احسان  
کا چہرہ خوش بندھا۔ اسے سچ پورا تھا۔  
"واہ! ایک دم یہ ان کلبل بے طرح خوشی کے  
احساس سے بھر گیا۔ انہوں نے بے اختیار آگے بڑھ کر  
چند کونگے نکالے۔ اور مسکراتے ہوئے اپنی  
شریک حیات کو دیکھا جس نے قدم قدم پر ان کا ساتھ  
بھیلا تھا۔ وہ طمانیت بھرے انداز میں مسکرائی ان ہی  
کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ وہ اپنی آنکھوں میں گی لیے  
ان کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور نفل لوار کرنے میں  
لے۔ وہ اپنے پاک رب کا شکر ادا کرنا چاہتے تھے۔  
اس رت کا جس نے انہیں یقیناً "آنا کس میں ڈالا تھا  
اور وہ اپنے پاک رب کی آنا کس پر پورا اترے تھے۔"

# ایک بھاری بھاری کہانی

”کہتے ہیں۔ زلزلے میں پاکستان کے لوگوں نے دل کھیل کر ہڈی۔ کسی نے ناکہ کراچی نے برسے بھائی ہونے کا حق ادا کر لیا۔“

یہ جملے کس کے لیے تھے۔ میرے ملک کے لوگوں کے لیے یا نہیں آج بھی اقبال کا شعر یاد کرتی ہوں۔ ذرا غم ہوتا ہے مٹی بڑھی ذریعہ ہے ساقی۔“

وہ آہستہ آہستہ اقبال کے شعر پڑھنے لگیں۔ اور میں صرف آنکھیں کھولے انہیں دیکھا۔

ہم ساری دنیا کا علم حاصل کر لیتے ہیں اور ہمیں بت ہی نہیں چلتا کہ ہماری ماں کوئی قاتل ہے مجھے اپنے آپ سے شرم آنے لگی۔

جس سے گیارہ ستمبر کا واقعہ ہوا تھا۔ حالتِ اشتیاق

میں کھلی تھی

بھیج ہو گئے تھے کہ لب ہم لوگ سے مسلمانوں کی بات کرتے تھے۔ نہ پاکستان کی۔ اور کیا بات کرتے کہ تم اپنے ملت پر بھی اعتبار نہیں رہا تھا۔

ہمارے ڈپارٹمنٹ ہی میں ایک لڑکی ہاتھ کاغذ پر عذرت تک میں چلا گیا تھا۔ میں اسے اتنے افسوس طرے سے نہیں جانتا تھا۔ ہاں بھی کھار بیلو ہاں ہو جاتی تھی۔

وہ مسلمان لڑکی تھی۔ شاید اس کا تعلق ترکی تھا۔

حجاب لینے کے مسئلہ پر اس کا معاملہ عدالت چلا گیا تھا اسے کالج بھی چھوڑنا پڑا تھا۔ جس سے اسے شرم آنے لگی۔



”میں اسے بچا دیتے۔“ میں نے فطی سے کہا۔ جس طرح آپ نے میری پرورش کی ہے مجھے یوں بھی یہاں کوئی اجنبیت محسوس نہیں ہو رہی ہے جو مجھ پر ہو رہی ہے اور وہ بالکل آپ کی کاپی ہیں اسی طرح خیال رکھتی ہیں اور اسی طرح چاہتی ہیں۔ جیسے آپ چاہتی ہیں۔“  
”اور اگلے؟“ میں پوچھا تو اگلے ہی کتا تھا۔ وہ کیسے ہیں؟“ اس کے سوال پر میں چپ ہو گیا۔ ظاہری بات ہے جس بات کے متعلق آپ کو خود بخود پتا نہ ہو اس کے بارے میں آپ کیا کہہ سکتے ہیں۔  
اس ایک ہفتہ میں میری ان سے صرف ایک وفد رات کھانے پر ملاقات ہوئی تھی۔ اور اس ایک ملاقات میں بھی میرے ذہن پر ان کا کوئی اچھا تاثر نہیں پڑا تھا۔

وہ جس طرح گھر کی ملازم لڑکیوں کو دیکھ رہے تھے اسے دیکھ کر بھی مجھے بڑا عجیب سا احساس ہوا۔ حالانکہ میرے دل نے گناہ بھی کیا یہ کام تو خضر صاحب آپ بھی کرتے ہیں۔ لیکن میں نے دل کو سمجھایا کہ میں خوب صورت چھوٹی لڑکیوں کو دیکھ کر صرف مر رہتا ہوں۔ انہیں آگے بڑھانا آگے نہیں کھینکنا۔

اور جس وقت ڈانٹ تک نہیں پڑے وہاں کہہ دیا تھا۔ میں نے نور العین کو کہہ دیا کہ چہرے پر کچھ ڈھونڈنے کی کوشش نہ کی۔ کیونکہ پچھو معتدد کی وجہ سے ہسٹری تھیں۔ یہی تو اپنے نام اور شکل کی طرح الزام اور مضموم تھی۔ پھر صرف نور العین ہی ہیج جاتی تھی اور جاتے ہیں مجھے اس کی شکل دیکھ کر ہی لگا تھا کہ وہ اپنے باپ کی عادات و اطوار سے آگے ضرور ہے۔ مگر اب کشتلی کی جرأت نہیں ہے۔ اور بعد میں میرے سارے اندازے صحیح ثابت ہوئے۔ سوائے اس ایک اندازے کہ نور العین میں جرأت اور حوصلے کی کمی ہے۔

اس میں جرأت بھی تھی اور حوصلہ بھی۔ لیکن یہ اور بات کہ اگلے کے سامنے بھی بوٹی نہیں تھی۔

یونہی تو خیر وہ میرے سامنے بھی نہیں تھی۔ لیکن کبھی میں خود ہی اسے اتنا پریشان کر دیتا کہ کچھ نہ کر لاتی تو وہ ہی جاتی تھی۔ سلی گتھی۔  
”خضر بھائی! آج بہت اچھا لگا ہے۔ آپ نے پاکستان آنے کی جتنی خوشی مجھے ہے اتنی تو کسی کو بھی نہیں تھی۔ میں یوں سا ران چپ رہ رہ کر پور ہو جاتی تھی۔ نور بھی اتنا کم بولتی ہے۔ لوگ اتنے کیسے یوں لیتے ہیں۔ چپ رہنے سے کتنی بوسہ ہو جاتی ہے۔ آپ بتائیے میں صحیح کہہ رہی ہوں۔ نہیں؟“

”تم بالکل صحیح کہہ رہی ہو بابا! میں اس کے آگے ہاتھ جوڑتا۔  
”لوٹنے کے علاوہ بھی دنیا میں دوسرے بہت سارے کام ہیں۔ مگر تمہارے کہ کبھی ان کو بھی کر لیا جائے۔“



محبت لوں کی صورت  
محبت کے دنوں میں دشت بھی محسوس ہوتا ہے  
کئی فردوس کی صورت  
محبت والی صورت  
کوشش ہو سہیل کا ستارہ ذہن کو رہتی ہے  
شبان سحر میں کوئی ستارہ ذہن کو رہتی ہے  
محبت ان کو بھی آباد اور شاد کرتی ہے

جوہل ہیں گہری صورت  
یہاں تک پہنچ کر میں روک گیا۔ میں نور العین کے کمرے میں کسی کام سے آیا تھا۔ ایک دم یونہی مجھے گھر لگاؤ راتنگ لٹکل پھیل رہی تھی۔ حیرت مجھے اس بات پر تھی کہ اسے میں نے زیادہ تر انگریزی کی چیزیں پڑھتے ہوئے دیکھا تھا۔ پھر ایسی شاعری لکھا اور پڑھا کرتا۔ میں ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ ایک دم سلی سے جھپٹ کر انگریزی پتہ کر دی۔  
”آپ کو کوئی کلام تھا خضر بھائی؟“

”مجھے نور العین سے کلام تھا۔ یونہی نظر پڑتی تھی لیکن تم تو بہت خوش رہنے والی لڑکی ہو۔ ایسی شامیں

سے پسند کرتی؟“

محبت ان کو بھی آباد اور شاد کرتی ہے  
جوہل میں تیری صورت

”تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے خضر بھائی! جو لوگ خوش نظر آتے ہیں کیا وہی دل کی خوشی ان کے چہرے پر بھی نظر آتی ہے۔ بھی غور سے دیکھیں گے۔“  
”یہ پاکستان ہے۔ غور سے دیکھنے پر جوتے بھی پڑ سکتے ہیں۔“

”میں بس رہتے ہیں۔ جوتے کھانے والی چٹکیں  
لو رہتی ہیں۔“ سلی کے ہتھے ہوئے کہا۔

اسی وقت نور العین بھی آئی۔  
اس نے ہنسی ہوئی سلی پر تاکو اور نظر ڈالی۔ سلی ایک دم چپ ہو گئی۔

”پڑھنے میں تمہارا دل نہیں لگتا؟ جب دیکھو کسی نہ کسی بات پر قہقہے لگ رہے ہیں۔“  
”وہ بھی اب۔ پہلے تو اس جوہل میں صرف آؤ ہی پالتے تھے۔“ سلی نے باؤل کو پیچھے کی طرف کرتے ہوئے چلنے سے کہا۔

”کیوں ہے جاری رہتے ہو وہی ہو۔“  
”کیا نہیں مجھے خضر صاحب؟ اس نے سلی کی نظر میں میرے اوپر ڈالیں۔“ میں اسے بچانا چاہتی ہوں۔

”کس سے؟“ میں نے کمرے میں حیرت سے نظر ڈالی۔ ”یہاں تو کوئی بھی خطرناک چیز نہیں۔ کیوں سلی کو ایسا بھی تمہارے کمرے سے سامنے لگے ہیں؟“  
اس نے اس کی بات مذاق میں ختم کرنا چاہی۔ مگر وہ ایک دم سے چپ ہو گئی۔

”گناہ ہمارے آس پاس ہی رہتے ہیں۔ تم کبھی محسوس کرتا خضر! ان کی سرخ سرخ آنکھیں اور ان کے کپڑے اور صورت دیکھتے ہوئے ہیں۔“

اس کے چہرے کا جیسے سارا تاثر ہی بدل گیا تھا۔ سلی نے بلور سے گلاس میں پانی ڈالا اور اس کے منہ سے لگا۔

میں خود اس چھوٹن کے لیے تیار نہیں تھا اور نہ

مجھے یہ ساری سب وہی لگتا تھا۔ کچھ سیر کر لیا تھی۔ لیکن کمرہ ایک دم محسوس کرنا چاہتا تھا۔ اس نے تھوڑی دیر بعد وہ باؤل ہوئی تو میں باہر نکل آیا۔ لیکن باہر گھر بھی میرا ذہن بوجھل رہا۔

اس جوہلی میں وہ عورتیں رہتی تھیں۔ اور وہ دنوں ہی ایک دوسرے سے بہت فاصلے پر تھیں۔ یہاں کچھ عجیب سی تھا۔ میں بہت دیر تک سوچتا رہا۔ پھر کسی کا فون آیا۔ تو ذہن کچھ فریش ہوا۔

دوسرے دن شام کو میری ملاقات نور العین سے ہوئی تو وہ وہی نور العین تھی جسے میں جانتا تھا۔ اس نے کم از کم ایک گھنٹہ تک بحث کی۔

اس کی معلومات قتل و رشک حد تک اچھی تھیں۔ یا پھر لڑکیوں کا ذہن ہوتا ہی اچھا ہے۔ کیونکہ بعض اوقات یہی بھی ایسی باتیں کہ جاتی تھی پھر وہاں لندن میں عاشرہ تھی۔ بڑی ذہین و فطین تھی۔ ہمیں لڑکیوں پر حیرت ہوئی تھی کہ ان کے پاس اتنا وقت کہاں سے آجاتا ہے کہ نصاب کے علاوہ بھی دوسری کتابیں چاٹ پھاٹیں۔

اور عاشرہ چنگی، جبار کہتی کہ ہم نہیں جانتے خضر! لڑکیوں کے پاس باؤل ہوتا ہے۔ اسے باؤل تو نہیں کہتا، مگر وہ۔ لیکن آج اگر عاشرہ نے اسے باؤل تو نہیں اسے ضرور جانتا کہ واقعی لڑکیوں کے پاس جلاہ ہوتا ہے۔

میرے سامنے تینھی ہوئی لڑکی جس کے ٹوپ صورت شہری ہل اس شام کی بوسہ ملی رو میں بھی چمک رہے تھے۔ اس کے گالوں میں بڑے والا ڈھپل۔  
وہ بالکل پچھو کی کاپی تھی۔

”تم آتے عورتوں سے کیا لگتے رہے ہو؟“  
”میں۔ کچھ نہیں۔ میں ایک دم شرمندہ ہو گیا۔ میری کھیر اچھو لگے کہ وہ اس بڑی۔“  
”خضر! خضر! تم ان دنوں ہی سے گئے ہو؟“  
”کیوں مجھی؟“

”کوئی چیز ہے جو مجھے پریشان کرتی ہے۔ لیکن میری کچھ میں نہیں آتا کہ اسے کس طرح جتاؤں۔“

ہم کو میرے بارے میں؟ مجھے حیرت ہوئی۔

”ہاں۔“ اس نے سر جھکا کر شرمندگی سے کہا۔  
حالات شرمندہ ہونے کی کوئی بات نہیں تھی۔ انسان کسی کے متعلق بھی اپنی رائے کا آزادی سے اظہار کر سکتا ہے۔ جس معاشرے سے میں آیا تھا وہاں یہ بات بالکل بھی معیوب نہیں سمجھی جاتی تھی لیکن مجھے صحیح لگتی تھی کہ پاکستان تو پھر امتنان ہے۔ یہاں لوگ اپنے جذباتوں میں بڑے شرمیئے ہوتے ہیں۔ لیکن اس کی شرمندگی بڑھ کر میں نے بات بدل دی۔

”چھوڑو گئی وہ ساری بات کرتے ہیں۔“  
”کیا بات کریں؟“ اس کی بڑی بڑی اداس آنکھوں میں جیسے ساری رات اترا تھی۔

”مختصر میرا بڑا دل چاہتا ہے کہ میں ساری دنیا کے کام آؤں۔ یا پھر ایسا کروں کہ لوگ مجھے بیشہ یاد رکھیں۔“  
”کیسے کیا ہے لوگ ابھی بھی تمہیں کتنا یاد رکھتے ہیں۔“ میں نے شرارت سے کہا تو اس نے اپنی خوب صورت ناک سکوڑی۔

”متم کبھی یہ نہیں ہوتے؟“  
”آج کل تو بہت رہنے لگا ہوں۔“ میں اس سے ہلکی ہلکی ہنسی کرتے ہوئے اس کا ہن اور اپنا دل بھلائے گا۔

اسی وقت شہت افکل بھی وہیں آکر بیٹھ گئے۔ میں ایک دم سے خاموش ہو گیا اور خود تو راتین کے چہرے کا رنگ بھی بدل گیا۔ اس کی پیشانی پر واضح طور پر دو ناگواری کی لکیریں پڑ گئی تھیں۔ انہوں نے کچھ دیر تک احوال پوچھا پھر اٹھ کر اندر چلے گئے تھے۔ وہ پہلے بھی صحیح آوی نہیں لگے تھے اور ان سے باتیں کر کے پتہ چلتا تھا کہ وہ واقعی صحیح آوی نہیں ہیں۔ وہ بہت فضول قسم کی باتیں کرتے تھے۔ اور مجھ سے ہوں مخاطب ہوتے جیسے میں ان کی عمر کا ہوں۔ حالانکہ لندن میں پلا بھی دو ستوں کی طرح رہتے تھے۔ بہت سارے لوگ ہم لوگوں کو باپ بیٹا کے بجائے دوست ہی سمجھا کرتے تھے۔

لیکن یہ حیرت ہے۔ یہ تو کسی خانے میں کھینچ نہیں بیٹھے تھے۔ حتیٰ کہ میرا دل تو انہیں افکل بھی نہیں چاہتا تھا۔  
اسی وقت علی بھی اندر سے نکل آئی۔  
”میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں مختصر چلتی؟“ اس نے آہستہ سے کہا تھا۔  
”ہاں کیوں نہیں۔“ میں نے جلدی سے کمرہ آگے کی۔

پانچ بیس نے نور العین کی پیشانی پر ٹپک کی۔ وہاں اب دو کے بجائے تین لکیریں تھیں۔ ناگواری کی۔ گویا میرا اندیشہ صحیح تھا۔ وہ اپنی کوہنہ نہیں کرتی تھی مگر میں؟ مجھے حیرت ہونے لگی۔ جس تک میرا خیال تھا وہ نرم و نازک جذبوں والی لڑکی تھی۔ جس میں ایک شہلاکے تکنت تو ہر جاں موجھتی تھی۔ مگر اسے غور نہیں کیا یا سنا تھا۔  
نور تھی۔ تو وہ پھر خود اپنی اچھی قسمی کہ اس سے کوئی چاہ کر بھی نفرت میں کر سکتا تھا۔  
لیکن یہ ساری کہانیاں مجھے کون سنا تاکہ اس کو جانیں کون سے آسیب ہیں۔

لیکن پھر بھی میرا دل چاہتا تھا کہ نور العین مجھے کبھی اداس نظر نہ آئے۔ اور یہ صرف دل کی خواہش تھا۔ چاہے مجھے ایسا دل ہی حق حاصل نہیں تھا۔  
کہ میں ان اداس آنکھوں کی وجہ سے خوشیوں میں بدل دوں یا ان سے کوئی خوشی وغیرہ لاکر اس کی آہستہ آہستہ پہنکادوں۔

رات ہی کو مومی سے بات ہوئی تھی۔ ابھی بھی اس کے آنے میں پانچ چھ مہینے باقی تھے۔ ہالیوڈ کے اسٹار اور کسی کو نہیں جانتا تھا۔ حالانکہ انہوں نے ایک اور رشتہ داروں کے بارے میں بھی کہا تھا کہ موقع ملے تو چلے جاتا لیکن خود مجھے ہی بڑا عجیب سا لگا تھا۔

”مجھے نیند آ رہی ہے۔ آج آفس میں کام بھی نہ تھا۔“

اس کی خوب صورت سنہری آنکھوں میں اب جھلک لگی۔  
”جواب تمہاری مجبوری میں ہے۔ پھر اسے اتنا یاد دلاؤ کہ یہ کھانا چار دیواری ہو۔“  
”اس خبری سے فرار کے لیے۔“ اس کا لہجہ صاف اور سادہ تھا۔ ”ورنہ اپنی ماں کی طرح میں بھی نہیں کھینچ سکتی مگر چھوڑوں گی۔“  
”لیکن وہ زندہ ہیں۔“

”آپ نے شاید زندگی لوگ دیکھے نہیں ہیں۔“ اس کے لہجہ میں دوبارہ کئی ناگہنی۔ حالانکہ اس نے اس میں کسی بھی تصور وار نہیں تھا۔ لیکن وہ ایک دم سے اس طرح بھڑک اٹھتی تھی کہ میں کچھ کہتے کہتے بھی چپ ہو جاتا تھا۔  
”بہر کیف پچھو تمہاری وجہ سے پریشان رہتی ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ گھر سے باہر کی دنیا بہت خراب ہے۔ اور تم میں شاید بہت زیادہ عقل نہیں۔“

”بہت خوب۔“ وہ ایک دم ہنسنے لگی۔ اور ہنسنے ہونے لگے اس کے چہرے کا سارا ناز بیدار گیا۔ شاید اسے یہاں بیٹھے ہوئے ایک گھنٹہ ہوا تھا اور اس ایک گھنٹے میں نے اس کا دل بدل کر رکھا۔  
”اپنی نظر آگے۔ اور یہ صرف دل کی خواہش ہے۔ چاہے مجھے ایسا دل ہی حق حاصل نہیں تھا۔“  
کہ میں ان اداس آنکھوں کی وجہ سے خوشیوں میں بدل دوں یا ان سے کوئی خوشی وغیرہ لاکر اس کی آہستہ آہستہ پہنکادوں۔

”مطلب؟“ وہ ایک دم پھر افسوس میں چلی گئی۔  
”میرا مطلب ہے کہ ایسے ہی بنا جانا ہے۔ لوگ اسی طرح ہنستے ہیں۔“ اب میں اس کا چہرہ روپ دیکھ رہا تھا۔ جس میں بڑھاپے کی جھلک تھی لیکن میں سوچ رہا تھا کہ اگر یہاں مومی ہوتی تو ان کا کیا راری ایشن ہوگا۔

”وہ کسے گل سمجھتیں؟ مجھے جسے دنیا میں اور کوئی نظر نہیں آیا تھا۔ پھر نور العین کی۔“  
”نہیں۔ ابھی میرے پاس چار مہینے باقی تھے۔“

میں نیکی سے باتیں کر رہا تھا بلکہ باتیں کیا کر رہا تھا۔ مومومی کی خوب صورتی ان میں گھسوا ہوا تھا۔ یہ بارشوں والا موسم تھا۔ رات ہلکی پھلکی بارش ہو رہی تھی۔ ”یہ موسم آپ کے لیے تو کوئی لذیت نہیں رکھتا ہوگا۔ مختصر چلتی؟“ اس نے معصومیت سے پوچھا۔  
اس کی بہت ساری باتوں میں معصومیت ہوتی تھی۔ ایک عجیب سے ساؤل۔  
”تمہیں ایسا خیال کیوں آیا؟“ میں نے مسکرا کر کہا۔

”اس لیے کہ جہاں سے آپ آتے ہیں۔ وہاں تو ہر وقت ہی ایسا موسم رہتا ہے۔“  
”لیکن نیکی وہاں کبھی ایسا نہیں ہوا۔ لڑکے پر کبھی نہیں ہوتے ہیں۔ موسم کی خوب صورتی کی طرف ان کا دھیان کبھی جاتا ہے اور ویسے بھی خوب صورتی کا احساس مجھے پاکستان ہی میں ہوا ہے۔“ میری نظریں نور العین کے گھر سے کی جانب اٹھیں اور پھر پلٹ آئیں۔  
”وہ ایک دم کلکھلا کر ہنس پڑی۔“ مجھے سب خبر

”آپس بات کی تو کیا؟“ میں نے اس کے سر پر چھت مار لی۔  
”اس بات کی خبر کہ زندگی کچھ لوگوں پر بڑی سہولت ہے۔“

”نور میرا خیال ہے کہ زندگی تو سہولت ہی ہوتی ہے۔ یہ ہم لوگ ہوتے ہیں۔ جو اسے سنبھالتے ہیں۔ کبھی اپنی نظریوں سے اور کبھی اپنی عدالت سے۔“

”ایسا نہیں ہے۔ آپ نے مجھے دکھایا ہے۔ میں کسی سے نفرت نہیں کرتی تھی زندگی سے زندگی کی سب چیزوں سے بڑھاپا ہے۔ جب میں بچھوئی تھی تب ایک دفعہ۔“ وہ کہتے کہتے رگ گئی۔  
”آپ کے پاس نام ہے ایسا نہ ہو آپ کہیں نہیں کیا باتیں لے کر بیٹھتی ہوں؟“  
”وہ نہیں تم کو مجھے اچھا لگتا ہے۔“

میرے سامنے دو ستوں نے جلوس نکالا۔ اجتماع کیا ہائیڈ پارک جا کر تقریریں کیں۔ سب ہی ہنسنے لگے۔ صبح تو زخمی بھی ہو گیا۔ عبداللہ کو بھی ناز چر کیا گیا۔ حالانکہ صرف ایک سال قبل تک ان سب باتوں کا کوئی تصور ہی نہیں تھا۔ مسلمان اتنے عرصہ سے یہاں رہتے چلے آ رہے تھے۔

عدالت نے فیصلہ عائشہ کے خلاف دیا۔ ظاہری بات ہے ان کا ملک تھا۔ اس دن انی کے ساتھ تھے بھی پاکستان مستیاد آیا۔ عائشہ کا جس دن کلج میں لاسٹ ڈے تھا۔ وہ ہم لوگوں سے ملنے آئی۔ اس نے عبداللہ، صالح سب ہی کا شکریہ بھی ادا کیا۔ پھر چلی گئی۔

اس کا عظیمی سال سناج ہوا یا پوری بڑھائی ہی ختم ہوئی۔ ہمیں اس کے بارے میں پھر کوئی اطلاع نہیں ملی۔

بس مجھے اس کی آنکھیں یاد رہ گئیں۔ جو اس دن بھی مسکرا رہی تھیں۔ یاد جو اس کہ ہم سب ادا اس تھے۔

اور پھر وہ آنکھیں مجھے اکثر ہی بے موقع یاد آتی تھیں۔ کبھی پانی پڑھتے اور کبھی کسی کتاب کو پڑھتے ہوئے یا کچھ نہیں تو کوئی تم سلیتے ہوئے ایسا کیوں تھا؟ میں خود نہیں جانتا تھا۔ شاید اتنے لوگ ہیٹ ہی یاد رہ جاتے ہیں۔



اس کے بعد یہ طلیح برہستی گئی۔ اور جس دن حمزہ سعید کو گرفتار کیا گیا اس دن انی نے کہہ دیا کہ بس اب پاکستان جانے کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں۔

یانا بھی کل دیار و امنڈ آپ کر کے پاکستان ہی آجاتے۔ لیکن ظاہری بات ہے۔ یہ سارے کلام کوئی ایک یا دو دن کے تو نہیں تھے، کم از کم پورا سال لگتا۔ جھیلے

سارے کوششیکٹ ختم کرنے میں تو انی نے مجھے تو کیا پھینکے گا اس رہنے کا شہہ بنا دیا۔ کوئی مسئلے والی بات ہی نہیں۔ اکلوتی پھینچو ہر، تمہاری اور پھر بہت بنا کر گئی ہیں۔

”پیار کرنے کا یہ مطلب کہاں ہے کہ میں ان کے سر پر سوار ہو جاؤں۔ بس میں ہوں میں وہ جاؤں گے۔“ چلو جیسی تمہاری مرضی لیکن تمہاری پھینچو ہر راضی نہیں ہوں گی۔

”بات صرف پھینچو کی نہیں۔ وہاں انکل بھی تو ہوں گے۔ انہیں آخر اپنی بیگم کے نتیجے سے کیا دلچسپی ہوگی؟“

”بہت دماغ کھاتے ہو۔“ انی ہنسنے لگی۔ ”بس۔ ابھی تو فی الحال جانے کی تیاری کرو۔ پھر یہاں واپس آنا۔ اگر حالات صحیح ہوئے تو جس کی امید اب کم ہو گئی ہے۔“

یوں میں نے پاکستان کی سرزمین پر قدم رکھا۔ انی نے پھینچو کو میرے آنے کی اطلاع دی تھی۔ وہ خود تو نہیں آئی تھیں۔ لگتا کہ وہ ڈرائیو رتھو اور مصنفہ تھیں۔ انی اس ہندو رتھو اور مصنفہ انی کے خراب بھی ہوا۔ لیکن پھر وہاں برداشت بھی نہ تھی۔

ڈرائیو کا ڈی سے یہ اندازہ تو ہو گیا کہ پھینچو کالی انی خاتون ہیں۔ لیکن مجھے یہ پتہ نہیں تھا۔ کالی انی ہوں گی۔

اور جس وقت میں نے پھینچو کی حویلی دیکھی۔ میں تو بے ہوش ہوتے ہوتے بھاگ رہا تھا۔ ہم لندن میں ایک اپارٹمنٹ میں رہتے تھے۔ لیکن اس حویلی کو دیکھ کر اندازہ ہو رہا تھا کہ میں نے چھوٹے ایک۔ بہت بہت چھوٹے گھر میں اب تک کی زندگی گزارا ہے۔ حویلی باہر سے عمل طور سے مشرقی رنگ میں رنگی ہوئی تھی۔ اور اندر اس کا تاثر مغربی انداز لے لے ہوئے تھا۔

میں ابھی تک سچ سچ اتا جہان تھا۔ کہ پھینچو سے بھی

سچ طریقے سے نہیں مل سکا۔ انی صحیح کہتی تھیں کہ پھینچو بہت خوبصورت خاتون تھیں۔ اس کا اندازہ نورالعین کو دیکھ کر بھی ہو جاتا تھا۔ وہ بالکل پھینچو کی طرح تھی اس کو دیکھ کر پتہ نہیں چل سکا کہ وہ کتنی خوبصورت تھی۔

”میں نے اپنی ساری توجہ پھینچو پر ہی رکھی۔ نورالعین کو تو ساری نظر دیکھنے کا رنک میں نے نہیں لیا۔“

بہن موقوفوں پر یہ آنکھیں ایسے نہیں بن جاتی ہیں جیسے انہوں نے کوئی اچھی چیز دیکھی ہی نہ ہو۔ اور یہ تو خود منی معلوم کیوں لگتا حسن پرست تھا۔ مجھے ساری خوب صورت چہرے اچھی لگتی تھیں۔

یہی سب کچھ سوچے سوچے میں سوچی گیا۔ آگے کھلی تو کمرے میں ابھی۔ پہلی بدبختی باقی تھی۔

”فونڈنگ تھی وہ سوچا رہا۔ انی کو پتہ چل جائے کہ پاکستان جاتے ہی ایسی عیاشی شروع ہو گئی ہے۔ تو ضرور پکڑ لیتیں گی۔“

اس میں میرا اور یانا دونوں کا رنک سونا ہا کاروبار ہی لگتا تھا۔ اور یہاں لگا رہتے لگا رہا تھا کہ دیکھ رک گیا ہے۔

ہر کوئی بہت بہت روتی سے کاموں کو بھٹا رہا تھا۔ بہت بہت۔ کہیں کوئی روڑ نہیں لگی ہوئی تھی۔

”پتہ نہیں یہ سب کچھ ایسا ہی ہے یا مجھے غنڈوں کی دہشتے محسوس ہو رہا ہے۔“ مشاورتیں ہوتے بھی میں نہ چکا رہا۔

اور لگے چند دنوں میں مجھے اندازہ ہو گیا کہ سب کچھ ایسا ہی تھا۔ جیسا میں نے سوچا تھا۔

ایسا رات ایک اور کردار سے میرا تعارف ہوا۔ یہ کالی تھی اور اس رات مجھے وہاں اپنی آنکھوں کو ڈانٹنا پڑا کہ کالی کو خوبصورت چہرے دیکھے نہیں ہیں۔

میں نے حیرت ہوئی کہ انی کے ملک پاکستان میں اتنے حسن سے مگر انہوں نے کبھی مجھے جیانا نہیں کہ

پاکستان میں اتنی خوبصورت لڑکیاں ہوتی ہیں۔ اسی رات میں نے ان کو ٹون گڑا دیا۔ میری بات من کرنا خوب آئی۔

”مختصر انیم بھی بڑے مت ہونے۔“ ”یہ بات نہیں ہے۔“ میں نے سر ہچکایا۔ ”میرا مطلب ہے کہ میرے پاکستانی دوست تو اس قسم کی باتیں جانتے تھے کہ پاکستان میں لڑکیاں بہت مغرور ہوتی ہیں۔ ایک تو کالی جیلا شہل، لوپر سے ان کے ٹرے کوئی دیکھ لے تو مر جائے۔“

”مختصر ان کے غور کے لیے کیا یہ بات کافی نہیں کہ وہ عورت ہیں۔“ انی کے لہجے میں تنبیہ تھی۔ جس کا مطلب تھا انہوں نے میری بات کا برا مانا ہے۔

”اور دوسری بات یہ کہ تم ذرا ہا ہر لگو۔ تم کو پھینچو۔ وہاں کے دو مردوں سے اشتہالی حاصل کرو۔ تمہیں

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے 2 خوبصورت ناول

فصل غم کا گوشوارہ  
روشنیہ جیبیلی  
300

اے محبت تیری خاطر  
ظاہرہ کنگول ظاہری  
225

ملکتہ امیرہ خانم  
ملکتہ عمران ڈائجسٹ  
37، اردو بازار، کراچی

”آپ بہت اچھے ہیں، خضر بھائی، آج آپ میں گاؤں میں تھی۔ کھلتے ہوئے ایک دن میرا ڈال پھسل گیا اور میں شہر میں جا گری۔ شاید میں چار منٹ پانی میں رہی ہوں لیکن آج بھی ایسا لگتا ہے کہ میں نے وہاں اس اندھیرے میں اور ان خوفناک لمحوں میں چار صدیاں گزار دی ہوں۔ جب تک آپ موت کو محسوس نہیں کرتے۔ اس وقت تک زندگی کی خوب صورتی بھی آپ پر واضح نہیں ہوتی۔ میں نے اس دن سے لے کر کہ آج تک اس زندگی کو لوہا نہ تھرو تھرو محسوس کیا ہے۔

یہ واقعہ میری زندگی پر بہت بڑا تک اثر انداز ہوا۔ میری حالت بہت خراب ہو گئی تھی۔ پھر آپ کی پیچھو پیچھے کراچی لے آئیں۔

”تو تمہارا ایمان لوگوں تک سلامت نقل سے کیا رشتہ ہے؟“

”رشتہ میں کہیں بہت دور ہے یہ ہم لوگوں کے مابین ہوتے ہیں۔“ اس نے لب لکھتے۔

”پھر اس طرح میں آکر مجھے یہ چاہا کہ دنیا ہی عجیب جگہ ہے۔ کوئی بڑے لوگوں کے ساتھ رشتہ جملہ نے پر تجویز سے اور کسی کو اپنے لوگ نظر نہیں آتے۔ جو آپ کی پیچھو پیچھے مارا یہ اپنی عام باتوں میں ہیں۔ آپ نے زندگی میں بھی روشنی دیکھیں ہے خضر بھائی؟“

”ہاں اکثر۔ جب سوچ نکلی ہوتی ہے۔“

”وہ ایک دم نہیں پڑی۔“ آپ سمجھ گئے تھے تاہمیری بات۔ آپ کی پیچھو پیچھے لوگ روشنی کی طرح ہوتے ہیں جن سے ہم جیسے دور کے لوگ بھی فائدہ اٹھا لیتے ہیں۔ اور اکثر بہت قریب کے لوگ محروم رہ جاتے ہیں۔“

”تمہارا مطلب ہے نور العین؟“

”کہا بولوں؟“ نیلی نے ہونٹ کھلے۔ اسے صرف قسمت کی بد نصیبی ہی کہا جا سکتا ہے۔

”لیکن وہ تو بہت اچھی ہے۔“ میں نے اتھولوں کی طرح کہا۔ اس کا تھوڑی دیر پہلے کا وہ میرے ذہن

سے بالکل نقل کیا تھا۔ ایک دم نہیں پڑی۔

”میں اس جوڑی میں بہت سارے لوگ رہے ہیں خضر بھائی، لیکن ان میں سے کوئی بھی جیسا نہیں۔“

اب یہ ختمیں یہ تعریف تھی کہ تنہید۔ اس پر دلخ نہیں لگایا۔

اور انتقال سے اسی شام میں نے نور العین سے بھائی کو دیکھا۔ مجھے نیلی نے جیکے سے بتایا۔

”وہاری پتی لفلوں کے بیرونی حصے ہی ہوتے ہیں۔ چونکہ آپ نے بھی پتی لفلوں میں رہی ہوگی۔ لیکے جا رہی ہوں۔“ نیلی کی آنکھیں شہر لگتے چمک رہی تھیں۔

اس نے نیلی پر ایک نگاہ ڈالا اور ڈالی اور پر بھی۔ اس کے انداز میں ایک سخت سی جگہ سے ہاتھ ملانے بغیر اندر چلا گیا۔

”ایسا ہوا نیلی بان کا تعلق انسانوں سے نہیں ہے تھوڑی دیر میں انکل کے کہنے سے اس کے ہونے کے بعد جیہ آواز میں آئے لیکیں اس کا کیا مسئلہ ہے؟“

”اس کے ساتھ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔“

”اس سے بڑا مسئلہ ہے۔ جب آتا ہے، ہم سب کو یہ یونسی لگتا ہے کہ ہوجاتی ہے یہ جانتا ہے اس کے بغیر یہ بھی نہیں ہے۔ ہم سب ہی ایک طرح کے فلاموں کے ذمے میں آتے ہیں۔“

”اور نور العین؟“ میں ایک دم ہی بے سانس رہ گیا۔

”نور العین۔“ نیلی نے پلکیں جھپکیں۔ وہ اس سے خضر بھائی اور خضر بھائیوں کی کسی کے پاس آئی ہیں اس کے پاس حسن کی دولت ہے۔ تعلیم پھر یہ ساری جاننے والوں کی تو ہے۔ شہباز صاحبہ دنیا میں اگر کسی کی سنتے ہیں تو وہ صرف نور العین سے دور رہتی ہوں ان کے نزدیک کیزے کوئی اہمیت رکھتے ہیں۔“

اس کا جواب بھی سادہ تھا۔ مجھے نیلی کی یہی بڑی زبردست لگتی تھی۔ چاہے قصہ کوئی بھی ہو۔

پھر اس نے جگہ پر آنا تھا۔ لیکن میں۔ اور میں بھی یہی بات کرنے لگا تھا کہ جب سے میں نے نور العین کو پہنچانے اور بچھڑانے کا قصہ بھی تھوڑی سی دیر میں سمجھ لیا۔ میں دن تو وہ بے گاہی۔ اور آپ یہ نہیں سمجھے گا کہ یہ کوئی جاہل بندہ ہے۔ آپ ہی کے ملک سے آئے ہیں کوئی ڈگری لے کر۔“

”میرا ملک یہاں ہے۔“

”یہ ملک تو اب ان لوگوں کا بھی نہیں رہا خضر بھائی! پورے ملک سے رہنے آئے ہیں۔ آپ نے اسے اپنا کہا تو ان کو بڑا اچھا لگا۔“

”یہ کیا بات ہوتی؟“ میں نے حیرانی سے کہا۔

”میں سمجھ کر تجھے نہ تو آپ کو کہہ سکا زندگی گزارنی سکتی مشکل ہوتی ہے۔“

”حالا نگہ تو لوگ آتے ہیں و آرام میں رہتے ہو۔ وہاں تو ایسا کوئی تصور ہی نہیں ہے میری امی کو کھانا سارا کھم خود کرتی ہیں۔ پھر ڈرائیو بھی انہیں خود ہی کرنا پڑتا ہے اور ڈرائیو میں لی زندگی کے لیے ایک کام کے لیے دو دو کر رہیں اور ڈرائیو پر کم لوگ تو بالکل لا روڈ لگتے ہیں۔“

”ایک زندگی یہاں سے باہر کی بھی ہے۔ زندگی صرف اس جوڑی تک نہیں ہے۔“

”یہ بات تو ہے۔“ میں نے سر اٹھایا اور لگے ہی جان پیچھے اس کی بات کی تصدیق ہو گئی۔

نور العین نے اپنی گاڑی سے کسی سے کوڑھی کر دیا تھا۔ یہی تو حالت خراب ہوئی کیونکہ گاڑی میں میں بھی تھا۔ لیکن نور العین کو تو گویا کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ وہ قافلے بھی لگی ہی اس نے سارے معاملات بھی اپنی آسانی سے نٹال لیے اور میں جگ جگ شاکڈ۔ ہر مسئلہ پیسے سے شروع ہو کر پیسے پر ختم ہوا تھا۔

”آپ اتنے پریشان کیوں ہیں؟“ اس نے گاڑی کھوس کر ہاتھ ہونے مڑ کر مجھے دیکھا۔

”کوئی نہیں۔ واقعہ بہت عجیب تھا۔“

”تو کاش یہ بھی نہیں جیتنا آپ حیران ہو رہے ہیں۔ لیکن یہ میری لاشی بھی مگر وہ لوگ قریب تھے۔“

اب کم از کم انہیں اتنا پیار تو مل ہی گیا ہے کہ ایک مینے تک لے کر رکھا ہے۔“

”مجھے تم پر حیرت نہیں ہو رہی ہے نور انکل میں ایک بات موعجہ رہا ہوں۔“

”ہاں کیا؟“ اس نے اپنی چٹکی نکھریں مجھ پر ڈالیں۔ میں ایک دم کڑبڑا گیا۔ کبھی مجھے لگتا تھا کہ اس کی آنکھیں ہنسی خوب صورت ہیں۔ پر ہی سا جی چاہو کہ دینے والی اور کبھی مجھے لگتا کہ وہ اتنی جاہلوں کو دینے والی اس لیے ہیں کیونکہ وہ نور العین کی آنکھیں ہیں۔ ورنہ دنیا میں ایسا تھوڑی ہوا ہے کہ ایک شخص اچھا لگے اور لگتا ہی رہے۔ اور اگر ایسا ہو رہا ہے تو پھر ضرور اس شخص میں ہی کوئی خاص بات ہوگی۔“

”ہاں ہو گیا ہے خضر صاحب؟“ اس نے میرے سامنے چٹکی بھائی تو میں ایک دم حقیقت کی دنیا میں دلہن گیا۔

”تو کچھ نہیں۔ میں کہہ رہا تھا کہ مجھے تم پر حیرت نہیں ہے۔ لیکن لوگوں نے اسے جس طرح فکٹسٹ کیا ہوا ہے۔ وہ بڑا عجیب ہے۔ ان بڑے لوگوں کی کیا بات کریں لیکن پڑھے لکھے لوگوں نے بھی کچھ نہیں کیا۔“

”امیر اخیال ہے۔ پوری دنیا میں ہی یہی اصول ہے۔ کہ پڑھے لکھے لوگ صرف باتیں بتائیں گے اور قریب خزانے لگے۔“

”یہ سستی ہے۔“ میں نے اس سے زیادہ بحث نہیں کی کیونکہ اس کی آنکھوں میں تھوڑی تھوڑی سی خنکی نظر آنے لگی تھی۔ حالانکہ میں نے اپنی کوئی بات نہیں کی تھی۔ لیکن شاید اسے لگا ہو کہ امیر اور پڑھے لکھے ہونے کا طفت میں نے اسے دیا ہے۔ جبکہ میں تو وہ بات کر رہا تھا جو میں نے سنا۔ اگر محسوس کیا تھا۔ لیکن وہ بولنے کا دور شاید بالکل ہی ختم ہو گیا ہے۔

جس وقت گاڑی پورے میں داخل ہوئی۔ شہباز صاحب نے ہی بان میں بیٹھا ہوا نظر آیا۔

”کہا ہی نہیں؟“ اس کا جواب میں نے چونک کر اس کے چہرے پر نظر ڈالی۔ مجھے بالکل یقین نہیں آ رہا



تھا کہ یہ وہی توہی ہے جس نے کل بہت کھروے لہجہ میں نکلی سے بات کی جس کا ایک ایک قدم زمین پر یوں بڑھا تھا جیسے وہ چل نہیں رہا ہوا ہے وہ رہا ہو۔  
"آپ سے توڑنے مختصر جواب دیا۔

"تو مجھے بتا دو تو باتیں کرونا۔" میں نے جیسے کھڑان دونوں کے مکالمے سن رہا تھا۔ کل جب وہ شخص اپنے کھروے کے لیے میں بول رہا تھا تب ہی مجھے بڑا عجیب لگ رہا تھا۔ اور اب جبکہ اس کے بعد میں وہی شخص اس کی جگہ پر گیا تھا۔ تب بھی بڑا لگ رہا تھا۔ شاید اس لیے کہ اس لمحہ میں احترام نہیں تھا۔ اس چالیسویں کی ایک بالکل تنگ سی۔ یا پھر میرا وہ ہم۔ وہ کوئی گرا پڑا شخص نہیں تھا کہ اسے بولنا خوشامد یا چالیسویں کی صورت پڑتی نہیں کی سب کچھ سوچتا ہوا اندر چلا گیا۔

شبناز اسی وقت شکار کر کے لوٹا تھا۔ اور چپ کے چپٹے حصے سے بیٹھتی و غیرت نکال رہا تھا۔  
"اے لڑکی! اس نے چنگلی بجا کر تیری کو بڑا ہاتھ تو میں نے روک دیا۔  
"مٹا کر تے کسی گمان میں کہ یہ بات کرنے کا کون سا طریقہ ہے؟"

"وہ دنیا میں صرف نورالمن کی بات سمجھتا ہے۔ سننا ہے اور فوراً بے کلمی نکلتی ہے۔ اور وہ تو یہ تو کبھی ان خبر سنا ہے کہ اس شخص کے منہ لگتی۔  
انہی دنوں میں وہ لے لے ڈاک بھرنے کے سر پہنچ گیا تھا۔

"وہ نہیں تو آواز نہیں نکلتی۔"  
"ہمیں مصل میں وہ دکھائی۔ اور آنکھوں میں آنسو آگے تو مجھے بڑا عجیب سا لگا میں اس کھر میں مسمان تھا۔ آج میں تو کل مجھے پلے ہی جانا تھا اور وہ تو شاید اس گھر کا نہیں تھا۔

اور ممالوں کو کینوں سے الٹا نہیں چاہیے۔ اخلاق کا تقاضا بھی یہی تھا مگر اس وقت میں سب کچھ بھول گیا۔

"شبناز صاحبہ! آپ کچھ اور نہیں کر سکتے مگر کسی سے بات تمیز سے کر لیں۔" میں نے کھڑے ہوتے

ہوئے کہا۔

"مگر باہر سے آئے ہوئے لوگ مہم کیا ہوا ہے عورت کی تمیز اور فرت۔"

اس کے لیے میں لڑتا تھا کہ جیسے میں باہر سے نہیں آیا۔ کسی کھڑے آیا ہوں۔ جیسے ہی یہ جملہ میں نے سوجھا ہے اپنی اس سوچ پر ہی آئی اور وہ کھڑے کیا سمجھا کہ بالکل ہی کوٹ تک کشول ہو گیا۔

ایک لمحے کو تو خود ڈر گیا کہ کہیں اسے ہارت ایک نہ ہو جائے۔ لیکن غیبت رہا کہ ایسا کچھ نہیں ہوا ایک تو کہو نظر پھر پر اور وہ سری نیل پر ڈال کر اندر گیا۔

"کچھ اچھا نہیں ہوا غصہ ہو گیا۔"

"اس اچھا نہیں ہونے میں اس کا قصور ہے تو میں نے اس سے پوچھ لیا۔ میں نے کوئی غلط بات نہیں کی تھی اور جیت میرا خراب ہے بول رہا ہے۔ مگر یہ کوئی لکھنہ ہے جس ہر صبح بات کو جی ہی سمجھتا ہے۔ اس نے وہ نہیں مٹی تلاش نہیں کیے جاتے ہیں۔"

"چھ مسئلہ کیا ہے؟ ان صاحب سے جا کر حوالہ

دیا کہ وہ۔" میں نے اسے پوچھنے کو کہا۔  
"نہیں مجھے نہیں ہے کب کہا۔ لیکن میں تو اس لیے بھی کہ رہی تھی کہ ایسے لوگ خطرناک ہی ہوتے ہیں۔ آپ تو نہیں جانتے مختصر جوابی گھر جاتا ہے وہ ایک مفاوض ہو گئی۔

"کچھ نہیں" مغرب کے وقت میں ابھی منہ سے فضول باتیں نہیں نکالتی چاہئیں۔  
"کیوں کیا پوری ہو جاتی ہیں؟"  
"بہت حد تک۔"

"پھر تو انسان کو ساری دعائیں اسی وقت نکلتی چاہئیں کیا خیال ہے؟" میں صرف اسے دیکھ کر کہنے کے لیے اُدھر اُدھر کی باتیں کر رہا تھا۔ لیکن تو وہی ویر بعد پھر اسی لمحے پر آئی۔

"ایک بات آپ کو تھا ان آن تک کسی نے شبناز

کو سنا جواب نہیں دیا ہو گا۔ اپنی تو اس کے آگے کوئی بول نہیں ہے۔ اور جو کچھ بولا جاتا ہے تو وہ صرف اس کی بات کی تائید ہوتی ہے۔  
"سہا کیوں ہے؟"

"ہاں گویا وہ بڑے اسی پائپ کے ہوتے ہیں۔"  
"لیکن تعلیم تو انسان کو بہت بدل دیتی ہے۔"  
"ہاں؟" اس نے اپنی آنکھیں مجھ پر مرکوز کیں تو میں خود گھبرا گیا۔

"یہ تو بڑا عجیب سوال ہے۔"  
"اس سے تم جو اتنی دیر سے آپ کیے جا رہے

ہو۔"

"مگر تم تیز ہو گئی ہو۔" میں نے اسے اور شہنشاہی سے ایک دم چپ بھی ہو گیا۔ مائے نورا! لیکن مجھے سے کھڑی ایک ٹک مجھے دیکھ رہی تھی۔

"جن خبر نہیں ہے جس کو نہ سمجھو۔" میں نے آہستہ سے کہا۔ "اس کا مزاج بڑا مہم ہے۔"

"مختصر کرتے شہناز سے بد تمیزی کیوں کی ہے؟"  
"میں نے کوئی بد تمیزی نہیں کی۔" میرا جواب احتجاجی تھا۔

"نہیں۔ تم نے بد تمیزی کیا ہے؟" اس کا لہجہ لڑائی تھا اور وہ بھی اس کی وجہ سے اس نے اپنی طرف اشارہ کیا۔  
"اپنی کوئی چیز نہیں لادو۔"

"کیوں نہیں لے کر آؤں آج تم نے بھی وہی کام کیا تو سارے اور کرتے ہیں۔"  
"مجھے تو یہ بھی نہیں پتا کہ دوسرے لوگ کیا کرتے ہیں۔"

اس نے لٹی میں سر ہلایا۔ "ہاں سارے ایک جیسے ہی ہوتے ہیں۔ جو کہ دینے والے، جھوٹ پونے والے، اس کی آنکھوں میں پھر وحشت بھڑکی تھی۔ یہ بکلیت میں نے سارے بھی کئی بار لوٹ کی تھی۔

"تمہا اندر چلو اندر چل کر بات کرتے ہیں سوزی بد رو رہی ہے۔"

"یہ بھی بات کا جواب نہیں ہے۔"

"تمہارا کوئی حوالہ ہی نہیں ہے، صرف ایک فضول بات ہے اس کا میں کیا جواب دوں۔" میں نے بڑی مشکل سے اپنے کچھ ہموار رکھا تھا۔

و مجھے اچھی لگتی تھی اور جو اچھے لگتے ہیں جن سے محبت کی جاتی ہے پھر ان کا دل نہیں توڑا جاتا۔ اپنے سخت دلی سے یہ فضول باتوں سے اور جتنا غصہ مجھے آ رہا تھا میرے منہ سے صرف فضول بات ہی نکلتی۔

مجھے نیکی کا بھی خیال آ رہا تھا۔ اس کے حق میں تو میں نے کچھ جاننا دوست جیسا گوارا لودا کیا تھا۔

"یہ سب نیکی کی وجہ سے ہوا ہے یا؟"  
"نیکی کوئی بات نہیں ہے۔ نیکی نے کچھ بھی نہیں کہا تھا۔ یہ سب میرے اپنے ہی دل کی غرابی ہے۔"

"مردوں کا دل بول ہی نہیں خراب ہوتا ان کا دل غراب کیا جاتا ہے۔"  
اس کا لہجہ اب بھی کاٹ دار تھا۔ مجھے بھی گمان نہیں گزرا تھا کہ وہ جو اتنی خوب صورت لگا کر لٹی سے اتنی باری اور معصوم اس کے منہ سے کبھی اس قسم جیسے میں سنوں گا۔ تب میرے کچھ بھی کہنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا مجھے اس قدر خاموش۔ کچھ کہتا ہے شاید خود ہی حاصل ہو گیا اور اس نے کیا کہا ہے۔

"مردی شخصیت" اس نے میرے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "میری رائے کسی کے بارے میں اچھی نہیں ہوتی ہے۔ چاہے اس کا تعلق کسی بھی صنف سے ہو۔ سب لوگ خود غرض ہوتے ہیں۔

مطلب پر ہک جانے والے، فروخت ہو جانے والے دنیا میں ہر جہت قتل فروخت کیوں ہوتی ہے؟"  
"ہر چیز نہیں ہوتی ہے۔"

"ہوتی ہے مگر امیری اب تک کی زندگی میں میں نے جو کچھ دیکھا ہے۔ میں نے ہر جہت کا سوا اوٹے دیکھا ہے۔ ہر دفعہ ہر دفعہ میں نے اس دل کو خون ہوتے دیکھا ہے۔ اتنی بڑی حویلی چاہیہ اور ہمت سارا روپیہ یہ آپ کو کچھ بھی نہیں دتا ان سے خوشیاں نہیں خریدی جاسکتیں۔"

"لیکن جن سے خریدی جاتی ہیں ان کے لیے تو

شہول کی ضرورت ہوتی ہے۔ میں اسے اس عالم  
وحشت سے نکالنا چاہتا تھا۔ لیکن وہ میری کئی بات  
سننے کے لیے ہی راضی نہیں تھی۔

آسواب اس کے رخساروں پر تھے۔  
”تو پھر جو کچھ پاس جا کر بیٹھو ان سے باتیں کیا کرو۔  
وہ مت اکیلے ہیں تو۔“

”اس حویلی میں ہم سب ہی بست لگے ہیں اپنی  
اپنی جگہ پر۔“  
اس نے کرسی کی پشت سے سر نکالیا۔ یہ معذور اور  
وحشت زدہ شہزادی ایک دم ہی بہت سخی سخی سی  
لگنے لگی۔ ابھی تو مجھے ہنسنے کی بات سن کر میں  
نے یہی مشکل سے اپنا غصہ ضبط کیا تھا۔ اس شخصے کا  
اب کس نام میں تھا۔ لیکن سولی اس کی وہیں لگی  
ہوتی تھی۔  
”دختر! تم سعادتی نامک لیتے۔“  
”خو۔“

”میں صبح کمر دکھی ہوں۔ وہ مسمان ہے چلا جائے  
گا۔“

”اور میں؟ میں کون ہوں؟ میں مسمان نہیں  
ہوں۔“  
”خیر اس نے تمہارے ساتھ بد میزبی نہیں کی ہے  
بات تم نے شہزاد کی تھی۔“

”جو لوگ خود سر یا بد میزبوں انہیں ضرورت تھی  
نہیں ہے کسی بد میزبی کرنے کی تمہیں غلط فہمی ملی  
سے نکال دو میں بات کرتا ہوں نہیں کر اس جسم کے  
لوگوں سے اور تم سواری کی بات۔ جاؤ جا کر سو جاؤ  
رات بہت ہو گئی ہے۔“

حالانکہ اس وقت صرف ساڑھے نو بجے تھے مگر  
میں اتنا تھک گیا تھا کہ جی چاہ رہا تھا فوراً جا کر بستر  
سنبھال لوں۔

لاؤنچ میں نئی سرچھانکے بیٹھی تھی۔ اس کو  
میں نے پیشہ ہتھے ہوئے دیکھا تھا۔ آج وہ ہی آنکھیں  
سرخ تھیں۔  
”سواری سٹیڈ“ میں نے اس کے پاس بیٹھے ہوئے

بڑی سے کہا۔ ”تمہیں خواہنا تھا اتنی شہزادیوں  
اور آپ کو؟ آپ کو خیر بھائی؟“ اس نے  
آنسو بھری آنکھیں مجھ پر جمائیں۔  
”مجھے کون باتیں سنا سکتا ہے؟“ میں نے کاکھڑے

اپکاٹے۔  
”اور وہ جو نور العین نے کہا؟“  
”کننے سے کیا ہوتا ہے۔ میں اس طرح کسی اور  
باتیں سننے والا بندہ نہیں ہوں۔ لیکن بہت سارے  
لوگ ہوتے ہیں جن کی باتیں نہ صرف یہ کہ کہ  
سننی پڑتی ہیں بلکہ پھر انہیں سمجھانا بھی پڑتا ہے  
اوسکے جاؤ جا کر سو جاؤ۔“ میں نرمی سے کہنے ہوئے  
اپنے کمرے میں آیا۔  
بہت عجیب سی آنکھیں تھی جو میرے دل و جان پر  
دھتک دیتی رہی اور میں پوری رات سولی جا کر بیٹھنے  
میں رہا۔

صبح سر پر جھل پورا تھا۔ میں صرف ایک کپ  
چائے بنا کر کمرے سے نکل گیا۔ اس وقت اسٹیشن کے  
جا کر کمرے کا پانچ گھنٹے کے اندر ایک ہفتہ تک وہی  
تھک شہزادہ کاظم مجھے پہلے ہی کر لیا تھا۔ اسے  
اب اس شخص کو دیکھنا چاہتا تھا اور نہ ہی تو وہ کوئی  
بات کہہ سکتا جس سے اس کی آنکھوں میں وہ بار بار  
آجائیں۔

میں نے جی کو بھی فون کر کے دیا تھا۔ انہیں  
مجھی سمجھتے اتفاق کیا۔  
نہیلی نے سنا تو ایک دم اس کے چہرے پر اوستی  
آئی۔

”اب واقعی چلے جائیں گے خیر بھائی؟“  
”ابھی نہیں تو ایک مہینے کے بعد تو جانا ہی  
لوگ پریشان نہ ہو۔“

میں نے لوگ کا لفظ اپنے دل کی خوشی کے لیے  
لکھایا تھا۔ ورنہ مجھے پتا نہیں تھا کہ نور اس خبر کو  
انداز سے لے گی۔ لیکن میرا خیال تھا کہ وہ ایک

سے نہیں بھلا سکتی تھی۔ جس لوگ جیسے کسی کو  
سزا دے کر دے ہیں اور وہ خود اپنی عقل سے کچھ  
سننے کے قابل نہیں رہتے بالکل یہ ہی حال مجھے نور  
کا تھا۔

جیسے مجھے آتا تھا کہ میں اس کے اندر کہیں ہوں  
لیکن باہر صرف شہزادہ تھا۔ شاید اس لیے کہ میں تو  
بالکل انہی آیا تھا۔ وہ مجھے کتنا جان سکتی تھی۔ لیکن وہ  
فصل اس کے یہاں بچپن سے آتا رہا تھا۔ پھر اس کے  
ہر مشکل وقت میں کلام آتے والا۔ کوئی بھی مسئلہ ہو وہ  
شہزادے سے خود شہر کرتی تھی یہ ساری باتیں خود نور  
نے مجھے بتائی تھیں۔

نہیلی کو نہ اس نے کوئی رشتہ دیا نہ اسے اس قابل  
سمجھا نہ دوست والا نہ کزن والا۔ پھر باقی کیا رہ جاتا ہے  
ایسا نہیں تھا۔ ظاہر اس کی کوئی وجہ تھی مجھے نظر نہیں آتی  
تھی کہ نہ کہ نہیلی بہت اچھی لڑکی تھی۔ اس میں ایک  
دل موہنے والی مصیبت سی تھی اور خود لڑکی خود لڑکی  
شہزادے سے نہیں ملے بل کر اس کی شخصیت کو بڑا نکملا  
سا رہا ہے۔ لیکن میرا دل تو نور کی طرف لپکتا تھا۔  
میں اپنی ہی وحشت اور جن تھا۔

یاد بھی ہو سکتا ہے کہ ان دنوں میں سے کوئی بات  
بھی نہ ہو جو مجھے کچھ یاد آسکے۔ کہ کوئی سی چیز  
نے نکال ہی کر دیکھنے پر مجبور کیا تھا۔  
”نور اگر شہزاد صاحب کو ان خیالات کا علم  
ہو جائے۔“ میرے چہرے پر مسکراہٹ آئی۔ مجھے  
اس کا نفرت میں دیا لگا رہا تھا۔

لیکن جتنے بھی دن اب مجھے اس گھر میں رہنا تھا وہ  
اب چھپ کر کے ہی رہنا تھا۔ یہ میں نے سوچ لیا تھا۔  
شہزادے کے چہرے پر مجھے کتنی ہی ایک استہزائیہ آمیز  
مسکراہٹ سی آجاتی۔ جیسے اسے میرے اندر کا سارا  
عالم معلوم ہو۔

وہ گھر کی ملازم لڑکیوں سے کیسے بات کرتا ہے۔ ان  
سے لیا گیا تھا کہ وہ بے جا رہی ہوئی لڑکیوں  
اس کے سامنے جانے سے بھی گتراتی تھیں۔ ان  
سب لڑکیوں سے بے نیاز میں صرف کمرے تک محدود

ہو کر رہ گیا تھا۔

”آپ ناراض ہیں خیر بھائی؟“  
میں اپنی سخیل چیک کر رہا تھا جب نہیلی نے برسی  
شہزادگی سے پوچھا۔  
”نہیں بھئی میں کیوں ناراض ہوں گا۔ تمہیں یہ  
خیال کیوں آیا؟“

”خیال تو لوگوں کو دیکھ کر ہی آتا ہے اب وہ پہلی  
والی بات ہی نہیں رہی۔ نہ اب آپ لان میں بیٹھے  
ہیں نہ نور آپ سے کپ تپ کرتے ہیں۔“  
”خو بہت مصروف ہو گئی ہیں۔“ میں نے سادہ لہجے  
میں کہا۔

”مصروف تو وہ بیٹھ سے ہی تھیں۔“  
”پھر میں دل گیا ہوں گا۔“ اس کی جرح سے تھک  
آکر میں نے کہہ دیا۔  
”آپ جیسے لوگ بدلنے نہیں۔“ اس کے لہجے  
میں اتنا عین تھا کہ مجھے اسی آئی۔

”ارے بابا! میں نے پتھر جوڑے۔“ میں محتاط  
ہو گیا ہوں۔ نہیلی اب خوشی سے بات بتا رہی ہے۔  
”آپ بات جانتے ہیں خیر بھائی؟ انسان کو کسی بھی وجہ  
سے اپنی باتوں میں بدل ہی چاہتا ہے۔ لیکن انہیں مجھے  
اس دن بہت اچھا لگا تھا۔ میں دن آپ کے شہزاد  
صاحب کے سامنے کھڑے ہو کر آپ نے انہیں توکا  
تھا۔ میں یہ بات اس لیے نہیں کہہ رہی ہوں کہ آپ  
نے میرے لیے کہا تھا۔ مجھے پتا ہے میری جگہ اس  
حویلی کی کوئی ملازمہ بھی ہوئی تب بھی آپ یہ ہی  
کرتے گزشتہ پانچ سال سے میں یہاں ہوں۔“ اس  
نے جھک کر گہری سانس لی۔ اس حویلی کی ہوا میں اور  
فضا میں ہی کچھ خوش گوار نہیں ہیں اور جب بھی یہ  
شخص یہاں آتا ہے تو پھر تو سانس لینا بھی مشکل ہو جاتا  
ہے۔“

”تو یہاں اسے کوئی کچھ کہتا کیوں نہیں ہے یہ اس  
کا گھر تو نہیں کہ جو اس کا دل چاہے وہ کر ڈالے۔“  
”یہ اس کے تباہی کا گھر ہے اور تباہی کا کوئی یہ تباہ نہیں  
ہے۔“

تو اس سے کیا ہوتا ہے؟

اس سے بہت کچھ ہوتا ہے۔ سارے قصبے مسائل چھانڈ لو کہ ہوتے ہیں یہ ساری چاندی اور شہباز کو جلنے کی آگ میں نے کوئی مشیپ نہیں لیا۔

مشیپ سے کیا مطلب؟

اور شادی کر لی ہے؟

یہ کیا تیزی ہے؟

یہ تیزی کی کیا بات ہے، میں نے سنا ہے پاکستان میں لوگ بیٹوں کے لیے دو دو تین تین تہاویں کر لیتے ہیں۔

ایسا کسی زمانے میں ہونا ہو گا۔ وہ نہیں پڑی۔

میں نے کانڈھے اچکائے۔ مہمی آج سے بیس سال پہلے پاکستان سے گئی تھیں اور جتنا کچھ اور جیسا کچھ انہوں نے بتایا تھا۔ مجھے لگتا ہے وقت آج بھی وہیں رکھا ہوا ہے۔

مجھے بالکل اچھا نہیں لگ رہا۔ کوئی پاکستان کو اس طرح کہتے۔

گورے رے پاکستان کو تو کسی نے بھی کچھ نہیں کہا وہ تو مال کے پریشانی اور وہ بھی سارے لوگ نہیں کچھ لوگ ان کے مستقل بات ہو رہی تھی۔

میں رہتے ہیں۔ وہ ہشتے گی۔ آپ پر بھی تو میل کے لوگوں کا اثر ہو گیا ہے۔ اس کا لہجہ میں تھا۔ دل میں کچھ اور زبان پر کچھ۔

بھائی ہے۔

میں نے اپنی سیاہ چٹکیں اٹھائیں۔ بالکل کی بات۔

آہ۔ اس نے عام رکھا۔ آپ کے ساتھ باتوں میں لگتی تھی پھر پھر کو اخبار سنا تھا۔

تم انہیں اخبار کیوں سنا تھی؟

اس لیے کہ وہ بھار ہیں۔ اس نے سلوی سے کہا۔ گوروشا کی کسی نہ کسی چیز میں تو اپنا دل لگانا ہی پڑتا

ہے خضر بھائی اور نہ ہینا بڑا مشکل ہو آتے۔ شروع میں جب میں انہیں سنائی تھی تو وہ مسکرائے تھے یا سوچا یا کرتی تھیں لیکن اب وہ ساری ساری خبریں یا کہانی سب ہی کچھ غور سے سننے لگی ہیں۔ ان پر میرے بھی کرتی ہیں۔

لیکن میں نے انہیں زیادہ بولنے نہیں سنا۔ اصل میں وہ ایک شرمیلی خاتون ہیں۔ آپ تو ان کے سنبھلے لیکن سچ میں بہت سوالوں کا وقت ہے جس میں نہ آپ ان سے ملے نہ وہ آپ سے کہیں۔

جلدی تو وہ اجنبیت ختم ہونے سے رہتی اور آپ انہیں اجنبیت بھی نہیں کہہ سکتے۔ وہ بہت کم گو اور خرم ہیں۔

اکتار زیادہ فرق ہے پھر جاس اور ان میں۔

ہاں! اس نے افسروں سے سہاوا۔ ایک ہے تو وہ سہرا آلمان ان دنوں کے سچ تو رہا نہیں ہوئی۔ اور انہیں۔ وہ کہتے کہتے چپ ہو گئی۔

تم کچھ کہہ رہی تھیں کیا ابل رہی تھیں؟

نہیں ابلی سے پوچھا۔

میں نے اس کو غور سے دیکھا۔ اس کی ہمت سارے قصوں میں مٹ گئی ہے۔ ایسی کہ وہ خود بھی ڈھونڈنے تو آتا ہے۔ اس نے آواز سے کہا۔

خضر بھائی! یہ سب مجھے ڈھونڈنی ہوتی کر رہے آگئی۔

بہت سارے سہان آ رہے ہیں کیا آپ ہیں؟ اس کا انداز مزاحیہ تھا۔

کیا۔ کیا وہ سارے لوگ مجھ سے ملنے آ رہے ہیں؟

یہ تو مجھے نہیں پتا، لیکن شہباز کے گھر آ رہے ہیں عموماً وہ لوگ چھٹیاں بیٹیں گزارا کرتے ہیں۔

خلف خدا یا! میں کراہ کر رہ گیا۔ میں نے اپنے دل سے بات سمجھنے والی۔

میں نے ایک دفعہ اس کی اس خوبی کا ذکر کیا تو میں کہنے لگی۔

خضر بھائی! اس میں میرا کوئی کمال نہیں، آپ کی پھر چھوٹ کے لیے ہوئے بہت سارے سبب ہیں۔ پھر پھر کا نام لیتے ہوئے اس کے انداز میں خود بخود ایک احترام سا آتا ہے۔

ایک بات بتاؤں خضر بھائی! میں پہلے روزہ نہیں رکھتی تھی، رکھنا ہی نہیں جاتا تھا۔ صبح اٹھنے کے ساتھ ہی بھوک پیاس سب لگتی شروع ہو جاتی۔ پھر وہی سمجھایا۔ کسی بھی چیز کو عشق ہلاؤ، بخون ہلاؤ تو وہ جتنے تھمے لے لے بہت آسان ہو جائے گی۔ مجھے تین سال لگے اور آج روزہ رکھنا میرے لیے دنیا کا آسان ترین کام ہے۔ کوئی فرض روزہ پھر ختم ہی کے بھی رکھ لوں تب بھی پتا نہیں چلتا۔

سری لاپٹہ جملے دھیرے دھیرے بتا رہی تھی۔

تم نے سونہ تاپا تھا عشق؟

سچ نہیں۔ وہ مسکرائی۔ لیکن ایک بات مجھے پتا چل گئی ہے کہ عشق زندگی آسان کر سکتا ہے۔

اس نے اس کی بڑی بڑی باتیں اس طرح کر لیں۔

آپ کو نہیں بتاؤں؟

مجھے کہنے پتا چل سکتا ہے؟

خضر بھائی! یہ سب مجھے پتا ہے کہ آپ کو بہت پتا چل جاتی ہے۔

خضر بھائی! میں نے سیدھا سا انسان ہوں۔ کوئی ولی اللہ نہیں ہوں۔ اس کا تو مجھے نہیں پتا لیکن آپ ایک ایسے انسان ضرور ہیں، اپنی پھر پھر کی طرح۔

تم نے ایک دفعہ یہ بات سنے بھی کی تھی نیلی! شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ تم ہر ایک کو اچھالی کی نظر سے دیکھتی ہو، لیکن آج مجھے اتنا اچھا ہے اتنا برا یہ تو وقت ہی بتاتا ہے، پہلے سے انسان کیا دھوئے کرے۔ میرا لہجہ تھکا تھا۔

آپ تھک گئے ہیں خضر بھائی؟

”شاید۔“ میں نے نور العین کے کمرے کی طرف  
 لگاؤ کی یہاں اندھیرا تھا اور حکومت  
 ”لوگ دوسروں کو بے چین کر کے بھی لکتے سکون  
 سے رہ سکتے ہیں۔“ میں نے مہر جھک کر سوچا۔  
 ”تمہاری ان لوگوں سے دوستی نہیں ہے نبی؟“  
 میں نے شہباز کی ہنسون کے متعلق پوچھا۔  
 ”آپ نے شہباز کو دیکھا ہے؟“ اس کی ہنسی بھی  
 بالکل ہنسی ہی ہیں، مگر ان کی موچیں لگا ہی جائیں۔“  
 اس نے مخصوص سلفٹا پی۔  
 میں بے ساختہ ہنس پڑا۔  
 ”کیا آپ لوگوں کو بخیر نہیں آری؟“ نور کی نظریں  
 سرور میں اور لہجہ سرتاز۔  
 ”میں بخیر ہوں، مگر کچھ ڈاؤن نے خوابوں کی  
 وجہ سے بخیر دلہن نہیں ملی۔“ میں نے اطمینان سے  
 جواب دیا تو اس نے کھا چلنے والی نظروں سے مجھے  
 گھورا۔  
 ”مختصر یہ محرم کر کے ملتے آئی۔“ نبی تمہیں  
 سے جائے۔“  
 اس سے پہلے کہ میں سے روکنا ہی ایک دم پلٹ  
 کر اندر چلی گئی۔  
 ”کیا اسٹند ہے اور ہم پاتھیں کر رہے تھے نا؟“  
 ”نظر آ رہا تھا مجھے میرا خیال سے مختصر صاحب، اگر  
 آپ کو ہرگز ہی اچھی لگتی ہے، ہرگز ہی سے دل چاہتا  
 ہے کہ گھنٹی بائیں کریر۔“  
 ”نور العین! خاموش ہو جاؤ۔“  
 ”کیوں خاموش ہو جاؤں، اصل میں تمہارے مو  
 ایک جیسے ہوتے ہو حضور! اس کے چہرے کے خوب  
 صورت نقوش نفرت سے بھر رہے تھے۔  
 ”نور! میرا خیال ہے کہ اگر اس وقت تم خاموش  
 ہو جاؤ تو بہتر ہوگا تمہاروں کے لیے۔“  
 ”صرف تمہارے لیے۔“ میرے لیے کبھی کبھی بہتر  
 نہیں ہوگا، مگر مختصر! تمہیں چاہے ایسا کہ گے میں تمہیں  
 کو پسند نہیں کرتی، لیکن مجھے اس کا خیال ہے اور میں  
 اسے تم جیسے مردوں سے چھانچتی ہوں۔“

”سب سے پہلے تو حضور سوچے۔“  
 ”میں سے بھی جاؤ۔“ میں اٹھ کر دھاڑا اتنی زور  
 سے کہ خود مجھے اپنی آواز اچھی لگی۔  
 ایک لمبے کو اس کی خوب صورت سی آنکھوں میں  
 حرمت چمکی، مگر پھلنی پر دوش پڑنے کے دوسرے ہی لمبا  
 اس نے جیسے اپنے اور قابو پایا۔  
 ”اس قدر بری لگنے والی بات لا نہیں تھی پھر کہیں  
 اتنی بری لگتی۔“  
 ”اس لیے کہ میں انسان ہوں اور تم نے اس قسم کی  
 فضول باتیں شاید پہلے بھی کی تھیں۔ مجھے عادت نہیں  
 ہے کہ میں۔۔۔“  
 ”زندگی جب کوئی موقع دے رہی ہو تو عادت نئے  
 دیر لگتی ہے؟ اور یہ جو رات ہے اس کے لیے تو مردوں کو  
 عادتوں کو بھی ضرورت نہیں۔“ اس کے بچے میں بھی  
 زور تھا، آواز اور آنکھوں میں بھی۔ پتا نہیں تھا  
 کہیں پر کسی؟ ان ہی زور اور راستوں پر کیا اس خوب  
 صورت چہرہ کی روشنی میں بخیر خوب رہا تھا، البتہ اسے  
 والا تھا۔  
 اس وقت مجھے کچھ پتا نہیں تھا کہ چاند خوب بڑھ  
 ہے۔  
 ”دوسرے دن صبح میں لان میں غسل دیا تھا۔ جب  
 عائد اندر سے نکل آئی۔  
 ”اوہ آپ! نہ جانے کیوں اس کا لہجہ مجھے مصنوعی  
 سا لگے، میں اس وقت خاموش رہنا چاہتا تھا، بالکل  
 خاموش، لیکن اس لوکی نے میرا دل چھایا۔  
 ”اب پاکستان کیوں آئے؟ پاکستان کیسا ہے؟ لوگ  
 کیسے لگے؟ موسم کیسا ہے؟ اچھا تائیے، ہم لوگ کیسے  
 ہیں؟“  
 آخری سوال ذرا اٹھا کر آنکھوں کو کچھ پھیلا کر

پہنچا لیا۔ اور لان میں سے میں صرف آخری سوال کا  
 ذرا جواب دے کر اتنی ہی کے سوالوں سے بچا چکا ملتا  
 تھا۔ لیکن موت کا سبق کچھ اس طرح زور دیتا تھا  
 کہ اسی وقت میں نے ایک بات اور بھی سوچی کہ  
 اس وقت اگر نور العین نے مجھے دیکھ لیا تو جتنی فضول  
 باتیں کر سکتی ہے اس میں شاید ایک اور الزام کا بھی  
 اضافہ ہو جائے اور الزام اتنے ہی سادہ کیوں نہ ہوں  
 لیکن اندر بری تھی بڑی گڑواہٹ رکھتے ہیں۔  
 اسی وقت اس کا چھپلی قلم کا ہیرو جیسا بھائی باہر  
 آیا۔  
 ”عائد! اس نے گرن کر نکال دیا، عائد! اس کی کوئی  
 ضرورت نہیں تھی۔ وہ اس کو بہت آواز میں بھی  
 پکارے، تو اس کا نام عائد ہو، اس نے سزا قتل۔“  
 ”جی بھائی! مجھ سے تفرقہ سوال کرنے والی عائد  
 ایک دم باخبر ہو گئی۔  
 ”کیا کر رہی ہو یہاں پر؟“  
 ”کچھ نہیں۔“  
 ”کچھ نہیں، مگر آج صبح وہ آجندہ کے کچھوں کے  
 سے، اس وقت میں کی کہ لان میں نہیں دیکھوں یا  
 میرے ساتھ نہیں۔ چلو آج ایک تمنا تو پوری ہوئی۔  
 اور کے ساتھ تو جی اس نے میں بات نہیں کر سکا۔  
 عائد! اس کے چہرے پر بالکل وہی ہو کر گئے  
 تھے، اس وقت مجھے آج اس نے چہرے کی ایک  
 خواہش تو پوری ہوئی، اس وقت مجھے نہیں پتا تھا کہ اس  
 کی سلامتی ہی خواہشیں پوری ہو جائیں گی۔  
 اس دن شام ہی سے کراچی میں سردی شروع ہو گئی  
 تھی۔ یہ اطلاع بھی مجھے نہیں ملنے ہی جب وہ گرم  
 گرم کٹی لے کر آئی۔  
 ”سردی میں مزا آتا ہے نا؟“  
 ”ہاں ہی سردی؟ موسم قدرے بہتر ہو گیا ہے۔“  
 ”آپ بھی نا، بس خضر بھائی! آپ جیسے باہر سے  
 آئے ہوئے لوگوں کو تو سردی لگنے سے رہی، یہ ہم  
 کراچی والوں سے پوچھیں، ہمارے لیے تو یہ بھی مقام  
 شہر ہے۔“

”اس سے تو کچھ ایسا پتہ چلا ہے کہ کراچی والے  
 بڑے ڈھارے بڑے شکار لوگ ہیں۔“ میں نے اسے چھینٹا آواز  
 ہنس دی۔  
 ”تو ہے اس میں کوئی شک بھی نہیں ہے۔“  
 اسی وقت عائد نے آکر نلی کو اٹھایا۔  
 ”نلی! چائے بنے کو دل چاہ رہا ہے اور ساتھ میں  
 کچھ اور بھی ہو تو مزا آجائے۔“  
 ”جی! چھ! نلی تبعداری سے پلٹ گئی۔  
 ”مگر کسی اور سے کہہ سکتی تھیں عائد! لیکن میں  
 کوئی نہ کوئی تو موجود ہو گا۔“  
 ”نلی چائے اچھی بناتی ہے۔“ اس کا جملہ مختصر  
 تھا۔ اسے نظر چیلے میں کئی دوسری بات نکل نہیں سکتی  
 تھی۔ میں خاموش ہو گیا۔  
 میرا خیال تھا شہباز کے رویے کے باعث وہ نہیں  
 لے کے کی، لیکن وہ بک شہادت کے پاس کھڑی ہو گئی۔  
 ”یہ سب کتنا بڑا ہے، ان میں آپ نے؟“ اس نے  
 ناک چھڑا کر پوچھا۔  
 ”اس میں کتنے کتنے ہی آدمی ہیں۔“ اس نے  
 لہجہ حیران ہو کر کہا۔  
 ”لیکن اتنی جتنی سولی سائیں ہر میں درد ہو جانا  
 ہو گا۔“ میں ابھی سو کر تھا تھا، لیکن مجھے صاف لگنے  
 لگیں، جن کو میں نے بڑی مشکل سے کنٹرول کیا۔  
 ”میرے درد کا پتا نہیں، لیکن ایک بات کا پتا ہے  
 کہ آپ کافی بھاری لڑکی ہیں۔“  
 ”جی! اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔“ آپ کو کیسے  
 پتا چلا نہیں تو آئے ابھی صرف ایک ہفتہ ہوا ہے۔“  
 ”بس میرا انداز ہے۔“ میں اسے ہتا نہیں سکا کہ وہ  
 دن پہلے ہی شہباز نے اسے منع کیا تھا اور اب وہ پھر  
 میرے ساتھ لادہجہ میں موجود تھی تو اس کا یہ ہی  
 مطلب لگتا تھا۔  
 ”مختصر صاحب! آپ بڑے مختلف مرد ہیں ہمارے  
 پاکستان میں ایسے مرد نہیں ہوتے۔“  
 ”نک۔“ میں سر ہر ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔ ”اس جملے  
 کا کیا مطلب ہے۔ میں کبھی پاکستانی ہوں، ہمیں سے گیا

مگر آپ کے اندر کوئی بات ہے بالکل الگ سی  
ورنہ ہمارے گرد رہنے والے لوگ بڑے عجیب ہیں۔  
حال گندے۔ اس کے چہرے پر شکنتوں کا جال سا  
آلیا۔ وہ چلتے ہمارا بھائی شہباز ہو یا پھر بڑے بچا۔  
اس نے خیر خیر کر کہا۔

میں نے چونک کر اس کو دیکھا۔ نیلی بھی پھوپھا کو  
پہنہ میں کرتی تھی۔ بلکہ میں نے اکثر ہی نوٹ کیا تھا  
کہ وہ ان کے سامنے بھی آتا نہیں جانتی تھی۔ لیکن  
ایک گھر میں رہتے ہوئے یہ ممکن نہیں ہوا تھا۔ اور  
جب کبھی ایسا ہوا تو وہ نظریں بالکل قائم یا قرش پر جمنا  
بات کرتی۔

لیکن اس طرح کھل کر اس نے کبھی کچھ نہیں کہا  
تھا اور وہ گہرے بھی نہیں سکتی تھی وہ عالمہ کی طرح  
با اختیار نہیں تھی۔

”اب کہاں کھو جاتے ہیں؟“ عالمہ نے جبک کر  
میری آنکھوں میں جھانکا۔

”میں نہیں۔“ میں چہرے سمیٹ کر کہہ رہی تھی۔  
”آپ جادے ہیں چائے تو پی لیجئے۔“

”میں کافی پی چکا ہوں“ آپ ہنسی لہجے کا نیلی کے  
ساتھ۔

”بیٹہ جائے۔“ اس کا اصرار تھا اور میری نظریں  
دروازے کی طرف اٹھ گئیں جہاں نور العین کا چہرہ  
نظر آ رہا تھا۔

اپنی عادت کے برعکس آج اس نے کچھ نہیں کہا  
نہ اظہار برہمی نہ الزامات۔ کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ  
میرے ڈانٹنے کا اثر تھا یا عالمہ اس کی وجہی تھی۔



تعلق چیز ہی ایسی ہے۔ دل تعلق سے خالی کیوں  
نہیں ہو پاتا۔ یہ اسے نہیں پتہ تھا۔ زندگی کی بہت  
ساری وہ سری چیزوں کی طرح اس نے اپنے گرد بہت  
مضبوط حصار بنا رکھا تھا۔ جو لوٹ رہا تھا یا ٹوٹنے والا تھا۔

اس شخص کی خاطر جس کے متعلق اس نے سوچا تھا کہ  
وہ بہت مختلف ہے۔ ان تمام مردوں سے جنہیں اس  
نے دیکھا تھا یا جنہیں وہ جانتی تھی۔

لیکن اب اسے پتا چل گیا تھا کہ ایسی ساری چیزیں  
صرف آنکھوں کا دھوکا ہوتی ہیں۔ دل کا بسلا ہوتی  
ہیں۔

اس دنیا میں کچھ اچھا نہیں ہے۔ اور اگر کہیں کچھ  
اچھا ہوتا بھی ہے تو نور العین کے مقدر میں نہیں  
ہے۔

مقدر کے لکھے کو بھٹکتا اور بات ہے۔ اور مقدر پر  
صبر کرنا وہ سری بات۔ اور نور کی سمجھ میں نہیں آتا تھا  
کہ اس کے لیے کون سی راہ ہے۔

اس کا دل چاہتا تھا۔ کسی سے بھی اب کوئی بات نہ  
کرے۔ کسی سے کوئی مقالہ نہ مانگے۔ اور اس شخص  
سے تو بالکل نہیں تھے اس کے دل نے نہیں بہت اونچا  
مقام ہے دیا تھا۔

”پتا نہیں مجھ میں اور گاؤں کی ان لوگوں میں کیا  
فرق ہے۔ جنہیں فلموں میں دکھایا جاتا ہے۔ کہ وہ  
کی شکل پر ابھی نظر بھی پوری نہیں پڑی اور میروگ  
جتنا شروع۔“

اس نے جب چار مہینے پہلے خضر کو دیکھا تھا تو پتا  
نہیں کیوں اس کے دل نے کہا تھا کہ اس کا ساتھ اگر  
مل جائے تو شاید زندگی کچھ آسان ہو جائے۔

اور اب نور کو یہ پتہ چل رہا تھا کہ زندگی آسان تو کیا ہونا  
تھی۔ مشکل سے مشکل ترین کا سفر تھا۔

اس کی شکل بے شک بہت اچھی تھی۔ لیکن اس  
کی فطرت اچھی نہیں تھی۔ ان بہت سارے مردوں  
کی طرح جنہیں وہ جانتی تھی۔ جو اس کی زندگی میں تھے  
اور جن سے وہ نفرت کرتی تھی۔

اور نفرت کرنے پر بھی رشتے بھانڈے پر مجبور تھی۔  
اور جو لوگ نفرت کرتے ہیں۔ وہ اپنے دامن میں  
آگ بھرتے بھرتے ہیں۔ پھر یہ آگ کبھی کبھی اپنی  
بھڑک اٹھتی کہ اسے خود اپنے آپ کو سنبھالنا مشکل  
ہو جاتا۔ دل چاہتا کہ ہر چیز کو برباد کر دے۔ بہت دل

اس نے سوچا کہ کبھی سارا کازرٹ سے مشورہ لے  
مگر بھڑک جاتی۔ اپنے گھر کی باتیں زمانے کو جانے  
کی کیا ضرورت ہے۔ اس لیے بس خاموش رہو۔

اور خاموشی کو تو زہر بن جاتی، وہ سنا ہے اپنے لیے بھی  
اور وہ مردوں کے لیے بھی۔ وہ اپنی ہی سوچوں میں گم  
تھی۔ جب عالمہ نے کمرے میں جھانکا۔

”توڑا کیا کر رہی ہو۔“

”کچھ نہیں۔“

”تمہارا ایشن شب ہو گیا؟“

”بس چل رہا ہے۔“

”اس دفعہ شہباز بھائی نے بھی سوچ لیا ہے۔ امیر لے  
کرے گا۔“

”اچھی بات ہے۔ انسان کو تعلیم ضرور حاصل کرنا  
چاہیے۔“ اس نے بے توجہی سے کہا۔ پھر بھی عالمہ کو  
خوشی ہوئی۔ اس کی بے حد مغرور کزن نے اس کے  
بھائی کی کسی بات میں تو دلچسپی لی۔

”اب تو شہباز بھائی بہت بدل گئے ہیں۔“ عالمہ نے  
یہ بات اس لیے کہی شاید وہ دلچسپی لے کچھ اور  
پوچھے۔ لیکن وہ اپنے آپ میں امن نہ جانے کہاں گم  
گئی۔ اس کی آنکھوں کے جگنو روشن تھے۔ سمرک  
اور اسی تھی جس نے اس کے پورے چہرے کو ڈھانپ  
رکھا تھا۔

عالمہ نے گہری سانس لی۔ ”بعض لوگ بڑے ہی  
بد قسمت ہوتے ہیں۔ کیسے لوگ ان کے پیچھے ہوتے  
ہیں۔ اور انہیں خبر نہیں ہوتی۔“

وہ کھڑکی میں چاند کے رخ پر بیٹھی تھی۔ عالمہ نے  
ایک نظر چاند کو دیکھا۔ وہ سری نظر نور پر ڈالی۔ وہ فیصلہ  
نہیں کر پائی کہ چاند زیادہ روشن ہے یا اس کی مغرور  
کزن۔

اللہ نے ہر چیز اس کو دے رکھی تھی۔ اور وہ بھی بڑی  
فخرت سے بظاہر وہ مغرور بھی لگتی تھی۔ لیکن نیلی کا  
خیال تھا کہ خود کبھی کبھی وہ ایسی نظر آتی ہے۔ لیکن  
اس کا دل بہت اچھا ہے۔ اور نیلی کی بات کیا اسے تو  
نور کی کوئی بات بری لگتی نہیں سکتی تھی۔ چاہے نور

اس کے ساتھ کچھ بھی کرے۔  
حالانکہ عالمہ کو لگتا اس کے ساتھ کوئی گرا بڑ ضرور  
ہے۔

اس کی خوب صورت آنکھوں میں ہر وقت جیسے  
کوئی دلچسپ ہی رہتی تھی۔ کوئی کھونچ۔ کوئی جلاش  
اور نیلی کا خیال تھا کہ جس دن کوئی اچھا شخص نور کو مل  
گیا وہ اس کے اندر موجود ساری نفرت کو ختم کر دے  
گا۔

وہ نفرت جس نے اس کی اصلی شخصیت کو دبا دیا  
ہے۔

”وہ اچھا شخص۔“ عالمہ نے سوچا۔ ایک دم اس کی  
نظر گیسٹ روم پر جا پھری۔

”تجھے لوگ اور کیسے ہوتے ہیں؟“ عالمہ نے سوچا۔  
”کیا ان کے سر سینگ ہوتے ہیں۔“



پتا نہیں کیوں رات کے اس ہر اسے خضر کا خیال آ  
گیا۔ ایک بج رہا تھا سہری میں لاوا بھی رات جلد  
ہو جاتی ہے۔

”خضر کی باتیں۔“ عالمہ نے سوچا۔ ”تجھے مزے کی  
ہوتی ہیں اور ہر چیز کے متعلق مصلحت۔“ اور ایک لمحہ  
کو بھی اس کے دھیان میں نہیں آیا کہ اگر اس وقت  
شہباز نے اسے خضر کے کمرے میں دیکھ لیا تو وہیں قتل  
کر دے گا۔

میں اسے دیکھ کر پریشان ہو گیا۔  
”کیا ہو گیا۔ خیر نہ؟“

”ہاں ہاں بالکل خیر ہے۔ ایسے ہی آپ سے  
بات کرنے کو دل چاہ رہا تھا۔“ عالمہ بے تعلق سے  
صوت پر بیٹھ گئی۔

”اس وقت بہت رات ہو گئی ہے عالمہ! میں نے  
آسٹن موڑتے ہوئے گھڑی میں وقت دیکھا۔“ جا کر  
سوچا تو۔ ”نجات کر لیں گے۔“

”نہیں ابھی۔۔۔“  
ابھی بات ابھی عالمہ کے منہ میں ہی تھی کہ ایک

75 روپے والا نہیں

صرف 35 روپے میں

مہینے بھر کا شیمپو

میڈی کیم شیمپو



میڈی کیم شیمپو کرے بالوں کو گھٹنا۔ چمکدار اور سیاہ۔

میں اور اس نے مجھ سے کہا کہ میں اس وقت  
میں مارچی سے کہیں نہیں نکلا، جس میں نور  
مجھے دیکھیں وہاں نور کی حالت دیکھ کر مجھے لگے کہ وہ  
کہ میں کچھ بول نہیں سکوں گی۔ اور اگر بولا تو یہ  
نہیں کرے گی۔

وہاں موجود کمرے میں ہر شخص خاموش تھا۔ اسکی  
خاموشی جس کی تم میں کہیں اور ہی ہوتی ہے۔  
شہباز کے بڑھیلے اور اس نے میرے منہ پر حیرت  
دے مارا۔ میں اس پتھر کے لیے تیار نہیں تھا۔ مجھے  
پتہ تھا کہ اس طرح مجھ پر ہاتھ اٹھائے گا۔  
میں ایک مہلت کر بیٹھے کی طرف گرا۔  
”مکمل چلو ہمارے کمرے۔“ اس نے وحازت  
ہوئے کہا۔

”بہم عزت کی خاطر جان پر کھیل جانے والے لوگ  
ہیں۔ تو نے کیا سمجھا تھا کہ ہمارے گھروں کی لڑکیوں کا  
انگریز لڑکیوں کی طرح ہوتی ہیں۔ بے شرم اور  
بے حیا۔“ میرا سر صوف کی پتھوں سے ٹکرایا تھا۔ خان  
بہت تیزی سے بڑھے ہوئے میری قمیص کو گھلا کر  
تھا۔ اور مجھ میں رونے کی جھڑکیاں نہیں تھیں۔ وہ  
میں اسے جانا کہ جس عزت کے لیے وہ جان پر کھیل  
جانے کی بات کر رہا ہے۔ وہ عوامی کتاب خانہ  
میں سے اپنی یاد ہوتی آنکھوں کو کھولا۔ اتنی مشکل  
سے کہ میرے سر میں نہیں ہی اٹھتے تھے۔

مجھے لگا کہ میں نے اس وقت زبان نہیں کھولی تو  
بھر پھر کچھ بھی کہتا ہوں۔ وقت کا یہ ہے رحم سہارا  
لہو ساری عمرانی جگہ پر ساکت رہ جائے گا۔ اور  
میں نے ہمت جمع کر کے کچھ کہنا چاہا تو عائشہ کی آنکھ  
بھری آنکھوں نے کچھ کہنے ہی نہیں دیا۔  
عائشہ نے بتایا تھا کہ یہاں دسم دروان کے پانچ  
ہت عجیب بلکہ خطرناک رہائش ہیں۔ وہ ہت  
میں نے بڑی مشکل سے آنکھیں کی تھیں۔ اس کو ایک  
سیکنڈ لگا ختم ہونے میں۔

میرا ذہن تاریکیوں میں ڈوبتا جا رہا تھا۔  
مجھے ہوش آیا تو میں اپنے کمرے میں تھا۔

”مہینے کے کمرے سے کسی نے جتنے ہی لوازمات  
کے لئے لیں اس کو اس میں اتنی وحشت تھی کہ میرے  
رہنے کے لئے ہو گئے۔“  
”عائشہ بولو۔“ میں ایک مہینے تک رہا۔  
”ہاں ہوا کیا؟“ عائشہ بھی اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔  
”باہر آؤ۔“

جس وقت میں نکلی کے پاس پہنچا میں نے صرف  
ایک ہتک دیکھی تھی۔ پھر وہ دیوالہ اندھیرے میں  
غائب ہو گیا۔  
”نہانی؟“ میں نے اسے شانوں سے پکڑ کر چھوڑا۔  
”کیا ہوا ہے؟“ عائشہ مجھے یہ سوال کرتا نہیں چاہیے  
تھا۔

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تب مجھے احساس ہوا  
کہ وہ جواب دے ہی نہیں سکتی تھی۔ اس کے پورے  
جسم کی طرح اس کے ہونٹ بھی کپکپا رہے تھے۔ کچھ  
کہنے کی کوشش میں یا جب رہنے کی خواہش میں اس کا  
فیصلہ مجھ سے نہیں ہو سکتا۔  
اور جب ہی نور نے آکر اپنی کوشش سے کچھ کر لیا  
کہا۔

”نور! آؤ، اپنی شکل نہیں دکھانا۔“ اس کی  
آنکھوں میں غصہ کی آگ لگی تھی۔ وہ ہر چیز کو جلا سکتی  
تھی۔  
”نور! میں نے کچھ نہیں کیا ہے۔ لیکن اس نے  
جیسے میرا ہاتھ پکڑا ہے۔ جیسے وہ ہاتھ دیواروں کے لیے  
تھا۔

اس کی آنکھوں میں شعلوں کی لپک تھی۔ اور وہ ابو  
رنگ ہو رہی تھی۔ اس کے چہرے پر وحشت تھی۔  
اور سارے الفاظ جیسے کہیں کھونٹے تھے۔  
بلکہ سب کچھ ہی گھبرا گیا تھا۔ ختم ہو گیا تھا۔  
میں نے ہت کوشش کی کہ اسے تھام سکوں۔ اس  
صورت حال کی وضاحت کر سکوں لیکن میں کچھ نہ کہہ  
سکتا۔

نہلی پتھر کے ہت کی طرح ساکت و جامہ کھڑی تھی۔  
پتہ نہیں دیکھ من بھی رہی تھی یا نہیں اور اگر من رہی

شاید ملازم مجھے وہاں پہنچائے تھے۔ میں بھی اتنی دیر  
دیکھنے ہوئے سر کے ساتھ وہ سارے خارے سوچا رہا  
جن کو روکنا ہونے میں ایک لمحہ لگتا اور سب کچھ جیسے  
میں ختم ہو گیا۔

شہرت سے طلب ہو رہی تھی کہ ایک کب کافی مل  
جائے تو میں شاید کچھ سونے کے قائل ہو سکوں کہ آخر  
ہو گیا؟  
وقت اتنی جلدی کس طرح بدل سکتا ہے ابھی تو  
میں نے خواب دیکھے تھے کہ تھے۔  
اپنے گھر کے۔ نور کے ساتھ زندگی گزارنے کے  
خواب۔

ان لمحوں کی سرشاری کو محسوس کرنے کے خواب  
جو نور کے ساتھ گزارتے۔  
اس محبت لطف اٹھانے کے خواب جو مجھے اس سے  
تھی۔ اس کی ساری عجیب و غریب حرکتوں اور باتوں  
کے باوجود۔ بھی ایک لمحے کو بھی میرے میں خیال  
میں آیا۔ کہ میں اس کی محبت سے دستبردار ہو جاؤں  
تو میں نے یہ سوچا کہ اس کی محبت میرے دل سے ختم  
ہو جائے۔

”اور اب اب میں نے کروٹ لینی چاہتی تو  
پیرتے سنا ہے کہ گراہ لگی۔ سڑوں پہاں چنٹ لگی  
میں شہد درد ہو رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا میں خود سے  
گروٹ بھی بدل نہیں سکتا۔  
اس وقت بھی دست یاد آئیں۔ میں بھی ہنکا پھانکا سا  
بیار بھی پڑ گیا۔ تو می میرے ہستر کے قریب ہی اپنا  
ہستر لگائیں۔

کبھی سوپ ابھی ہو جس پھر بلکے سرو پائل  
محبت کی جانتے۔ ہمیں چاہا جانتے۔ یہ آرزوئوں کے  
انداز سے کبھی ختم نہیں ہوتی۔ کچھ میں نہیں آ رہا تھا۔  
کہ کیا کروں؟  
جا کرے جس لڑکی کو جنھوں نے وہی کو فون  
کروں۔ کہ بس میں کچھ نہیں جانتا۔ آپ ایک دن  
میں پاکستان آ جائیں۔  
”میں سوچتا رہا۔ اپنے آپ سے الجھتا رہا۔ بس

صرف اس ایک لڑکی کا نہیں سوچا۔ جو کبھی  
سب سے اہم گزار تھی۔  
عجیب بات تھی۔ مگر مجھے ایک لمحہ کو  
خیال نہیں آیا۔

جس وقت ملازم میرے لیے کافی اور دعا  
آیا۔ میں اس وقت بھی نیم غنودگی ہی میں تھی  
پوچھا میں بھولا کہ یہ ساری مہربانیاں  
ہیں؟ شاید دل کو اب بھی اندر نہیں خوش کر  
تھا کہ نور کو میرا کچھ تو خیال ہوگا۔ مگر ملازم نے  
”نیکی ملی نے بھجوائی ہیں۔“

کافی بنے اور وہ کافی کھانے کے بعد تھوڑی  
میں کئی واقع ہوئی۔ مگر کیا واقعی کس تکلیف  
کئی تھی۔ یا زندگی کے بہت سارے دھماکوں کی  
یہ بھی ایک جو کا تھا جو میں خود کو دے رہا تھا۔  
میں نے کئی برس گزرے تھے۔ اتنی ہی دیر تھی  
نے پڑھا لیا کہ کیا کروں گے مسٹر فخر؟ میں نے  
سوال کیا۔

پاکستان کی سرزمین پر قدم رکھتے وقت  
ہوا ہو کہ چلو بیٹے میں زندگی اتنے دل  
سائے آئے گی۔  
مجھے لگ رہا تھا وہ بیرونی جو نہ ہو۔ برف  
یہ جان کر لگا رہا۔ نہ جانے کتنی دیر اس کیفیت میں  
کہ پھر وہ دن کھلا۔ اب وہ دل کے میں شہد  
کے چہرے۔ کیونکہ توڑ مگر کراہٹ تھی۔  
”تم اپنے آپ کو بہت اسٹارٹ آؤ گی مجھ سے  
تا اس کے بعد میں بے طرح نفرت تھی۔  
”جب کچھ اس طرح نہیں ہوگا۔ جس طرح  
سوچتا ہے۔“

میں خاموشی سے یک تک اس کی آنکھوں  
گھورتا رہا۔  
”کاش یہ خاموش ہو جائے کسی طرح۔“  
خواہش کی کہ اب مزید کچھ برداشت نہیں کر سکتا  
”اس طرح کیلوا کی رہے ہو؟“ وہ جھنجھایا۔

جس نے بہت عرصے سے تم  
”اب اس کا آج کا تھا اس نے اٹھایا ہے۔ کیا  
تمہیں کبھی یاد ہے؟“  
اس کے بعد میں اب زہر تھا۔ اور میں حیران تھا۔  
اس بات پر کہ مجھ سے کوئی اتنی نفرت کر رہا تھا۔ اور  
مجھے خیرا نہیں تھی۔

”بہتر یہ ہے کہ تم جلد ہی اپنا انتظام کرو۔“  
”جس بات سے تم کی ضرورت نہیں۔“ میں نے  
رکھنے سے کہا۔  
”تم نے کیا سمجھا تھا کہ تمہارا بول چاہے گا۔ کرلو  
گے؟“

میں نے ایسا کچھ نہیں سمجھا تھا۔ نہ میں نے ایسا  
کہہ کیا۔ ”میرا لہجہ بھی سچ ہو گیا۔ اور یہ بھی جانتے ہو  
ہو کہ تم سمجھتے ہو ہی رہے ہو۔“  
”تیکر اس نہیں کرو۔ ورنہ اسی وقت دیکھو دے کر  
لاؤں سے باہر نکلاؤں گا۔ اور مجھے کوئی روکنے والا  
بھی نہیں ہو گا۔“

”میں تمہاری کوئی بات نہیں سن رہا۔ میرے  
کہتے سے باہر نکلو۔ میں ہاتھ نہیں سلا۔ مگر تم  
جہاں ہو۔ میرے ہاتھ سے بہت دور نہیں ہے۔“  
میں نے کوشش کی تھی کہ میرے لہجے سے بات سمجھ  
ہو۔ اور اتنی محفل اس میں سر حال تھی کہ اس نے  
ہلکے ہاتھ سمجھنا لیا اور چلا گیا۔

نور نے مجھ سے کبھی محبت کی تھی اور محبت کی بھی  
گہری نہیں۔ محبت میں بدگمانی آجاتے تو وہ محبت کہیں  
رہتی ہے۔  
پھر وہاں نے سمجھایا۔ اتنے جذباتی نہ ہو حضرت! زندگی  
زندگانی باتوں کے سہارے نہیں گزارنی۔ کوئی اگر روٹھ  
جائے تو اسے سالویہ سیدھا سا واسطہ ملے۔ لیکن  
اب کوئی چیز بھی آسان نہیں رہی تھی۔ یہ مجھے ایک  
بشک کے بعد پتہ چل گیا۔

☆ ☆ ☆  
کب ایک گھر میں رہتے ہوں۔ جہاں چار مینے آپ

تے بہت اچھے گزارے ہوں وہاں سب لوگ ایک دن  
سے اچھی دن چاہیں۔ تو کیا محسوس ہو سکتے؟  
شہزاد آتے جاتے مجھے عجیب نظروں سے دیکھتا  
تھا۔ اس دن کے بعد۔ اس نے مجھ سے الجھنے کی  
کوشش نہیں کی تھی۔ اس کا شمار ان لوگوں میں ہونا  
تھا۔ جنہیں صرف طاقت کی زبان ہی سمجھ میں آتی  
ہے۔

نہلی کے چہرے پر زردی ہی چھائی رہتی تھی۔ اس  
کی خوب صورت قل قل کرتی تھی نے چپ کی چادر  
اوندھلی تھی۔  
اور نور کو میں نے اس دن کے بعد سے نہیں دیکھا  
تھا۔ جس کا رد عمل کیا ہوا تھا میں جانتا تھا۔  
مجھے بس اتنا پتا تھا کہ مجھے چاہے نور پر جتنا بھی غصہ  
ہو لیکن میں اس کی آواز سنوں گا۔ اس کے چہرے کو  
دیکھوں گا۔ تو وہ غصہ ختم ہو جائے گا۔ وہ سچی کہیں  
بھلا نہیں گراؤ جائے گی۔

لیکن وہ نظر تو آئے۔ وہ کہیں دکھائی تو وہ۔ ساتھ  
ہی میں نے می کی جان کھالی تھی کہ بس وہ کسی بھی  
لمحہ میں آسکتا تھا۔  
”تمہارے ساتھ مسئلہ کیلئے خیرا تمہارے پاس  
طبیعت سچ نہیں ہے اور تمہارے ساتھ رہنے کے  
کہ جب چھوٹے تھے تب مجھے پریشان نہیں کیا اور  
آج بڑے ہو کر۔“

اب میں اسے کیا بتاؤں کہ مجھے کتنی پریشان ہو رہی  
ہے۔ جسے جرح اس بات پر ہوتی ہے کہ اسکے آوی کو  
گھر میں رہا جائے اس سے جو کچھ بھی سخت تھی اور  
بات میں گہری جاتی۔ تو پاکستان تھی تری کر گیا ہوتا۔  
میں اب بھی وہ سب کچھ سوچتا تو یوں لگتا تھا جیسے  
میں نے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا تھا۔ ابھی آٹھ کھلے گی تو  
سب کچھ بیلے کی طرح ہو گا۔

مگر اب کبھی کچھ بھی بیلے کی طرح نہیں ہونا تھا۔  
وقت ہمیں جو کچھ دے کر گزار جاتا ہے ہمیں اسی سے  
انہا دن میں بھرنا ہوتا ہے۔ چاہے وہ خوشی ہو یا غم اور  
حقیقت یہ تھی کہ اب وقت کے پاس میرے لیے کوئی

اچھی خبر نہیں آئی۔

کل رات کو میں نے نور کو دیکھا تھا۔ اور یہ وہ نور  
نہیں تھی جسے میں نے دیکھا اور چاہا تھا۔

وہ کوئی انجینئر اور تھی۔ جس نے خود اپنے آپ کو بار  
ڈالا تھا اور مجھے بھی محبت کرنے والے اگلے ظالم کیسے  
بن جاتے ہیں میں سمجھ ہی نہیں سکتا۔

وہ میری ہزاروں سے حق کر رکھی تھی۔ اسے کو بند  
کر دی گئی۔ بھی دل زیادہ خبر آتا تو میں باہر نہیں جاتا۔  
ایک دو گھنٹے باہر ماندہ سرد ہوا۔ میں گزار کر کھر پتچاتا تو  
پہنچا اور نیلی میری منتظر ہوتی۔

”پہنچو نہ جانے مجھے کتاب پاتی تھیں۔ اور کتنا نہیں  
مگر انہوں نے مجھ سے کچھ نہیں پوچھا اور نیلی  
کہتی۔“

”منتظر بھائی! میں اتنی شرمندہ ہوں کہ بتا نہیں  
سکتی۔ میں زندگی میں بہت سارے حادثوں سے گزری  
ہوں۔ ہر حادثے نے مجھے پلہت ہونے کا سبق دیا۔  
لیکن اب کوئی سبق دیا نہیں۔ دل چاہتا ہے کہ موت  
آجائے۔“

”نیلی اس طرح کی باتیں نہیں کرے۔ تمہاری اپنی  
کوئی عمر نہیں ہے۔ تم موت کی بات نہ کرو۔“

”جو موت گزرے وہ بھی تو چھوٹے نہیں ہے۔  
خیر بھائی آپ نور سے بات کیوں نہیں کرتے۔“

”میں نہیں کرتا۔“ میں نے تھک لہجے میں کہا۔  
”پندرہ دن میں تین دفعہ مجھے نظر آئی۔ اور ان تین  
دفعہ میں اس نے مجھے نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ جیسے  
میں وہاں موجود ہی نہیں ہوں۔ نیلی ایک لمحے کو تصور  
کر لو کوئی آپ سے ناراض ہو تو آپ اسے مٹا سکتے ہیں  
لیکن آپ کسی کو نظر ہی نہیں کرے ہوں تو وہ بندہ  
کہاں جائے؟“

”آپ ان کو نظر نہیں آ رہے آپ کو تو وہ نظر آ رہی  
ہیں۔“ نیلی نے جھنجھلا کر کہا۔ ”ایک دفعہ بات کر کے  
دیکھ لیں صرف آپ کا نقصان نہیں ہوا۔ کچھ غبار  
ان کے دل میں بھی ہو گا۔ ایک دفعہ بیٹھ کر سارے  
مسئلے ختم کر لیں۔“

”جو شخص یہاں رہا ہے وہ مسکلاں کو بھی تم  
نہیں ہوتے۔“ کا نیلی۔“

”اور جو شخص یہاں سے جا رہا ہے وہ بھی مسکلاں ختم  
کرنے کے لیے کچھ نہیں کر رہا ہے۔“

وہ مجھے ہی باتیں سن رہی تھی۔ لیکن اب میں اسے  
کیا بتا جاوے گا؟ وہ نظر آتی تھی میں نے اپنی ساری بات  
کو ایک طرف رکھ کر اس سے بات کرنے کی کوشش  
کی تھی۔ لیکن اس کی عمل اجنبیت مجھے مزہ اپنے  
حصولوں کو اٹھانے کی اجازت میں دے رہی تھی۔



جب آپ محبت کے گلاب چن رہے ہوتے ہیں تو  
آپ کو نہیں پتہ ہوتا کہ آپ بہت سارے غم میں  
کر رہے ہوتے ہیں۔ یاد کرنے کے لیے۔

اور نور کیسے اب صرف یادیں تھیں۔ دوتے  
اور غم تھے اور اب اس غم میں ایک اور کا اضافہ ہو گیا  
تھا۔

”مجھی رات کو جوتے تھانے تھے شہزاد کے  
رشتے کے لیے۔ اسے بہت دنوں سے اندازہ تھا کہ  
پورے خاندان کا ہی ارادہ ہے اور اس نے سوچا تھا۔“

”جوتے کچھ ہوجائے۔ وہ بھی بھلی اس رشتے کے  
لیے ہاں نہیں کرے گی۔ اسے بھی تمہی اپنا باپ اور ان  
کا خاندان پسند نہیں رہا تھا۔ جن کے پاس بہت دولت  
تھی مگر اسے وہ سارے لوگ انسانیت سے عاری تھے۔“

”تین دن پہلے حشمت علی نے اسے کمرے میں  
بلایا تھا اور کہا تھا کہ ”شہزاد اچھا لڑکا ہے۔“

”پتہ نہیں ان کے نزدیک۔“ ”مجھے“ کی کیا تعریف  
تھی۔

اسے تو یہ بتا تھا کہ دنیا میں کوئی مرد اچھا نہیں  
ہو سکتا۔ اس نے مجھے مہوں کو دیکھا تھا۔ وہ سب ہی  
گروار کے لحاظ سے بڑے عجیب لوگ تھے۔

مگر جو ہوا۔ وہ کچھ اترا عجیب تھا کہ وہ کئی راتوں تک  
سو نہیں پاتی تھی۔ اسے لگتا تھا وہ سوئے گی۔ اور کسی

کسی شخص سے اس کی شکل کھل جائے گی۔ پھر اس کے  
تسلیم ہو کر اس کے آگے نور کو لگتا جیسے اس کی  
ساتھ کئی اندرونی امور گھٹ جائیں گی۔ اس کے

اتفاق وقت پہ جان ہو جائے۔ کئی دیر گزار جاتی اور وہ  
اپنی کیفیت میں غمگین بیٹھ رہتی۔ اس نے آفس سے  
بھی ریڑھیں گریا تھا۔ لیکن زندگی کے معاملات الگ کر  
دینے سے زندگی تو نہیں ختم ہو جاتی۔ وہ اپنی جگہ چلتی  
جاتی ہے۔

”دل مودنا بھی نہیں چاہتی تھی کہ ہو کیا تھا۔ جو  
وہاں اچھا ہوا تھا۔“

”جو خواب لویا شکر کہ جلد ہی ٹوٹ گیا۔ اور جو دل ٹوٹا  
تھا اب اس کا دارا کوئی نہیں تھا اور دل تک کب کسی  
کی نظر جاتی ہے۔“

وہ بہت ضبط کرتی۔ اپنی طرف سے بہت برداشت کا  
اظہار کیا اپنی خوداری اپنی عزت اسے بہت عزیز تھی۔  
شہزاد سب ہی لوگوں کو ہوتی ہو لیکن اس نے اپنے گھر  
میں اس لفظ کی ہتھی یا فعلی دیکھی تھی۔ اس بچے نے

اسے بہت حساس بنا دیا تھا۔ اب اسے کچھ نہیں  
چاہیے تھا۔ ایک عزت کے سوا۔

”آپ نے شہزاد کے رشتے کھلے بھی ایسی دیکھا  
کوئی تھی۔“

”وہ ”خاندان کے باقی لوگوں سے کچھ علیحدہ ہی تھا۔  
اسے بیعت کر لی عزت کی تھی۔ اس کے مت سخت  
دماغ کے یاد ہوا اس نے بھی بھی اس کی بات کا برا  
نہیں بنانا تھا۔“

”بھی اس کی عزت میں کئی نہیں کی تھی۔  
سب کچھ تقابلاً اپنی جگہ تھک تھا۔ لیکن پھر بھی نور  
کو لگتا کہ اس کے اندر سے کوئی آگ اٹھتی ہے۔ جس  
کے کان دیکھے شعلے اس کو جھلسا رہے ہیں۔ اسے لگتا

زندگی کو سیدھے راستے پر بندھی نہیں ہیں۔  
جس دن نور نے حشمت علی کو ہاں کی تھی اس دن  
سے عمری پر جیسے کسی آسپ نے قبضہ کر لیا تھا اپنی  
دیرانی اور سناٹا تھا کہ لگتا تھا کہ اب یہاں انسان نہیں  
دیکھ سکتا رہا کرتی ہیں۔“

”تو یہ بتا تھا کہ دنیا میں کوئی مرد اچھا نہیں  
ہو سکتا۔ اس نے مجھے مہوں کو دیکھا تھا۔ وہ سب ہی  
گروار کے لحاظ سے بڑے عجیب لوگ تھے۔“

مگر جو ہوا۔ وہ کچھ اترا عجیب تھا کہ وہ کئی راتوں تک  
سو نہیں پاتی تھی۔ اسے لگتا تھا وہ سوئے گی۔ اور کسی

شہزاد اس دن کے واقعہ کے بعد ویسے ہی گم سم رہتی  
تھی۔ اس کا بیٹا بولنا سب کچھ ہو گیا تھا۔ لیکن جس دن  
گھر میں اس خبر کی یادداشت چھٹی وہ اس دن بہت  
دوڑی۔

”تم نے اچھا نہیں کیا تو رات کوئی اپنے ساتھ اس  
طرح بھی دیکھنی کرنا ہے۔ اتنا غلط فیصلہ۔ کہ کبھی  
دلیرس دیکھیں۔ تو پتھر کی ہو جائیں۔“

اور نور اسے بتا نہیں سکی۔ اب وہ کبھی پتھر نہیں  
ہو سکے گی۔ کیونکہ وہ پہلے ہی پتھر بن چکی ہے۔

”ایک دفعہ نور میری بات سن لیں۔ آپ جا کر کہہ  
دیں منع کریں اس رشتے سے۔“

”اس کے لیے؟“ اس کی خاطر نیلی؟ دنیا بڑی  
خراب جگہ ہے۔ اس اتنی بڑی دنیا میں ڈھونڈنے سے  
ایک اچھا انسان بھی نہیں ملتا۔“

”مختصر نیلی نے کچھ کتنا چاہا۔  
مگر نور کی آنکھوں میں امنڈنی ہوتی دیکھائی دیکھ کر  
جب ہو گئی۔“

”دنیا آج تو ہم لے لیا ہے۔ اس نے کر سکتا کا  
شہزاد پوری عزت سے پورا کر دیا۔“

”مجھ پر سے ہونے ہیں ان کا دکھ نہیں ہے۔ لیکن جو  
اپنے نظر آتے ہیں۔ نیلی نے اس کی بات گات دینی  
کہ۔“

”وہ نہیں یاد ہے اور اہم اکثر غلطیوں کا یہ مقولہ  
دہرائی تھیں۔“

”اگر تم وہ دیکھتے ہو جسے روغبنی ظاہر کرتی ہے اور  
وہی سنتے ہو جس کا اقرار آواز کرتی ہے تو دراصل تم نہ  
دیکھتے ہو۔ اور نہ ہی سنتے ہو۔“

اور آج مجھے پتہ چل گیا تھا کہ ہم چاہے جتنا علم  
حاصل کر لیں، جتنی ڈگریاں لے لیں۔ اور چاہے جتنی  
چیزیں رت لیں مگر سب وقت آتا ہے تو ہم نہ دیکھ پاتے  
ہیں نہ سن پاتے ہیں۔“

نیلی یہ کہنے کے بعد گھبراہٹی نہیں تھی۔  
تو جان اور تکی اپنی بہت سارے لوازمات کے



ساتھ آئے تھے۔ آتے ہی تکی جان نے لڑکی بلانے میں  
لیں۔ شہزادان کا پورا جینا تھا۔ انہیں سارے ارمان  
پورے کرنے تھے۔

یہ تو انہیں کچھ خوش نہیں لگی۔ گریں سے کیا فرق  
پڑتا تھا وہ حسین بھی پھر رہی تھی اور میرا تھی  
جانید اور نین کی مالک۔ اتنے خرمے تو برداشت کرنے  
ہی تھے۔ خاندان بھر میں لڑکی ہو کسی کے پاس آنا  
ہی۔ جو ان کے پاس آئے وہ اپنی تھی سو سب ٹھیک تھا۔  
سب سے پہلے کر ان کا بہت خوش تھا۔  
پہلے تو یہی تھا کہ مٹھی ہو جائے مگر شہزاد کے دل  
میں بہت سارے خدشات تھے۔  
”میں بس نکاح اور رخصتی۔“

”لڑکی اپنی ہی ہے کبھی بھائی تو نہیں چاری۔“  
”کس نے کہا کہ لڑکی اپنی ہے جو کچھ بھی ہو۔ وہ  
جلدی ہو۔“

”کیسا عجیب سا جملہ تھا۔ خاکہ نے بھائی کی شکل  
دیکھی۔ اس کے چہرے پر اور آنکھوں میں عجیب سی  
چمک تھی۔ وہ سن گئی تیز نہیں کہانی۔ کہ یہ کس چیز  
کی چمک ہے۔“

”کسی لڑکی کو پالنے کی یا اس کی دولت کو حاصل کرنے  
کی۔“  
”دولت جس پر بہت غور ہے اس کے بھائی اور  
یاپ کی نظر تھی۔“

”میں نے وہ فیصلہ کیوں کیا۔ مجھے خود نہیں پنا زندگی  
میں بہت ساری لڑکی چیزیں ہوتی ہیں جو ہو جاتی ہیں۔  
اور یقیناً ان کے پیچھے کوئی نہ کوئی وجہ بھی ضرور ہوگی۔  
بس ہمیں صحیح اب معلوم نہیں ہوتا۔“

”میں نے تو دل تک اس ”کیوں“ کا جواب سوچنا چاہا  
لیکن مجھے جب جواب نہیں ملا۔ تو میں نے اس کو کون کا  
پہنچا چھوڑ دیا۔“

”میری میرے فیصلے سے خوش نہیں تھیں۔ اور میں  
انہیں بتانا چاہتا تھا کہ میرا دل بھی میرے فیصلے سے

خوش نہیں ہے۔ لیکن میرے دل و دماغ پر ایک  
ہے۔“

”میں جہاں سے آیا تھا۔ وہاں اپنی بے بسی نہیں  
تھی لڑکیاں اتنی آواز تھیں کہ کبھی کبھی مجھے انہیں  
دوستی ہونے کا ٹھکانا ہوتا تھا۔ اور میں یہاں تک کہ  
تو مجھے عجیب سا مل گیا۔ وہ وہاں رہتے ہوئے خوف  
نہہ بھی تھی۔ اور یہاں رہنے پر مجبور بھی اگر میری  
شاہزی اور سے بھی ہو جاتی تھی۔ اس میں اور سے بھی  
کہ اسے اپنے ساتھ لے کر چلا۔“

”اور اب بھی جب نور میری زندگی سے نکل گئی تھی  
میں تکی کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا اس فرق کے  
ساتھ کہ اب وہ میری زندگی میں داخل ہو گئی تھی۔“

”وہ بہت اچھا لگا تھا۔ کلنی پر اسل میں نے اسے نکلی  
کے ہاتھ سے ہی لیا تھا میرا دل چاہتا تھا کہ تکی اس لڑکی  
جائے۔ ستوارے اور خوش رہے اور وہ کام تو اس نے  
کر لے وہ دن رات اس لڑکی کو سچائی اور مہربانی میں سے  
تصویریں دکھ دیکھ کر اپنی طرح کرنے کی کوشش کرتی۔  
وہ قدرتی طور پر فطرت تھی۔“

”لیکن وہ خوش نہیں تھی۔ وہ خوش رہنے کی کوشش  
ضرور کرتی تھی۔ لیکن اس کی آنکھوں کی لڑائی اس  
کے پورے چہرے اور جذبات کی نفی کر دیتی تھی۔  
”ایسا کیوں ہے تکی؟“

”بہت دنوں کے بعد ایک دن میں نے اس سے پوچھ  
لی کیا اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ مگر جھکائے  
رہی۔ میں نے سوال دہرایا تو اس نے اپنی آنکھیں اور  
انہاں میں ان میں کچھ بھی آسوتھے۔“

”میں اس لیے خوش نہیں رہ پائی ہوں کہ آپ  
خوش نہیں ہیں جو کچھ بھی ہوا اس میں کبھی میرا  
قصور نہیں تھا۔ جس شخص کے لیے میں نے جیستہ یہ  
دعا کی تھی کہ وہ خوش رہے میری وجہ سے۔“ اس کی  
آواز اور لہجہ دونوں میں اذیت تھی۔

”بہت دنوں میں بھٹکا تھا۔ اپنے اندر کی تھکن اور

”بھٹکے پر اتھا۔“  
”جو کچھ بھی ہمارے ساتھ جیتا تھا اور جو کچھ بھی  
ہمارے ساتھ ہوا تھا میں جانتا تھا۔ بہت وقت لگ  
جائے لگ۔“

”لیکن تکی کے صرف وہ جملوں نے جیسے میری  
ساری اذیت کو قہقہیل کر دیا۔ میں بہت دنوں بعد دل  
سے مسکرایا۔ وہ میری وجہ سے پریشان تھی۔ اس کی  
اواسی کاسب میں تھا۔“

”تمہیں ایسا کیوں محسوس ہوتا ہے؟ میں خوش  
ہوں تکی!“

”ابو خوش ہوتے ہیں تمہیں زبان سے بتانا نہیں  
پڑتا۔ اس کی نظریں بھی ہوتی تھیں اور آواز میں بھی  
تی لڑتھی۔“

”وہ کبھی نہیں! میں نے اس کا ہر جیسا سہرا ہاتھ  
تھا اور اسے نظر بھر کر دیکھا۔ اور نظر بھر کر دیکھا تب  
پتا چلا کہ وہ کتنی خوب صورت ہے۔  
وہ سر پر اہمیت تھی۔“

”وہ سب کچھ جو میں پیچھے رہ گیا ہے اس کے لیے  
ہم آج کیلے رہا کر رہے ہیں۔ میں نے تکی سے  
کہا۔“

”اس کے ہونٹوں پر ایک زخمی سی مسکراہٹ آئی۔  
”وہ سب کچھ جو پیچھے رہ گیا ہے یہ جملہ کچھ نہیں  
ہے جو کچھ ہوا وہ ہمارے ساتھ ہے اسے ہم بھی  
نہیں بھول سکتے۔“

”بھوتے کی کوشش تو کر سکتے ہیں؟“  
”مگر میں بھولنا نہیں چاہتی۔ اس کا لہجہ ضدی اور  
اٹل تھا۔“

”اور میں اس ضدی تکی سے واقف نہیں تھا۔ میں  
خاموشی سے اسے دیکھ کر رہ گیا۔ کتنے کو اب کچھ رہا ہی  
تھیں تھا۔“

”نہ جانے کتنی دیر گزر گئی۔  
وہ کچھ کہتا چاہتی تھی ”کیا اب مجھے معلوم نہیں تھا۔  
”نہی! تمہیں جو کچھ کہتا ہے تم آرام سے کہو۔“  
میں نہیں تمہارے پاس موجود ہوں لیکن آپ جتنا

”سے بات نہیں کرتا۔“ میں تکی سے کہتے ہوئے  
استیلا کھینٹ کر وہیں پہنچ گیا۔  
”ہاں تکی۔“

”اس نے آہستہ آہستہ کہنا شروع کیا وہ بے رہا جھلے  
تھے۔ لیکن باتیں تھیں۔ جو اگر تکی کی زبان سے  
اور انہیں ہوتیں تو میں بھی یقین نہیں کرتا۔“

”وہاں چاند پر جا چکی ہے۔ ناز بہت آگے بڑھ چکا ہے،  
اب کس کو فرصت ہے کہ بڑھ کر چائیں لو کھوے۔  
میں نے بہت کچھ کھوایا تھا اور اب مجھے لگ رہا تھا  
کہ جو کچھ بیا۔ وہ کبھی کم نہیں ہے۔“

”مجھے یہ احساس جرم ستا ہے کہ اس رات میں  
زبان کھول رہی تھی۔ اس رات نے تم سے سب کچھ  
چھین لیا۔ اس رات نے مجھے بہت تو آڑ دیا اس رات  
بہت کچھ بدلا تھا۔ جن میں سرفہرست میرا نصیب تھا،  
میں اتنے بہت زیادہ کے قاتل نہیں تھی۔“  
”تو میرے ساتھ۔“

”کیوں؟“ وہ ایک دم خوف زدہ ہو گئی۔  
”تم اپنی جلد خوف زدہ کیوں ہو جاتی ہو؟ میں نے  
اسے کدھے سے پکارا اپنی طرف نکھایا۔“ زدن کو  
بچتی سزا دیتی تھی اس نے اسے۔ اب تکی کے

”پاس کچھ خوش کہنا تھا کہ میں تو ہوں گی۔ کتنی انہیں  
تلاش کرتے ہیں وہ چیزیں نہیں آسانی سے نہیں ملیں  
گئی۔ لیکن اگر ہم کو پیش کرتے رہتے تو وہ ضرور ایک  
دن ہمارے پاس ہوں گی۔“ میں نے اسے تکی سے

”سچھایا، چاہ نہیں اس نے کتنا سمجھا کتنا نہیں۔ لیکن اس  
کے چہرے پر پھیلے دشت اور خوف کے ساتھ  
تھوڑے کم ضرور ہو گئے۔  
”میں ایک بہت کہوں؟“

”میں نے کہا۔“  
”میں نے کہا۔“ اس نے اپنی سنہری آنکھیں مجھ پر جماتے  
ہوئے آہستہ سے پوچھا۔

”کیا جواب دینا؟“ ”مگر میں اسے ہی بتل رہا تھا،  
جب بھی مجھے بے پناہ تھکن کا احساس ہونے لگا۔ بھوت

ہوئے کی علامت ہیں کی اور جتنا فائن ہوگا ہوسنا ہے۔  
 ”نعلی جو کچھ ہوا اور بہت تھا ایک مرد کے لیے۔  
 کچھ وقت لگ جائے گا۔“ اس سے آگے میں خاموش ہو گیا۔  
 ”ہاں کچھ وقت لگ جائے گا مگر فوراً نہیں! میں تمہیں بھلائی ہوں گا۔“  
 ”جھوٹ کوئی اور بات کرتے ہیں۔“ میں نے کہا  
 ضرور لیکن ہمارے درمیان کوئی بات نہیں ہو سکی۔  
 نارمل باتیں کرنا شاید پھر آسان ہو۔  
 نارمل زندگی کی طرف آتا آتا آسان نہیں ہوتا۔

میں آتا تھا۔ چوت تو اس نے خالی بھی توڑا۔  
 ابھی بھی لگتا جیسے خون برس رہا ہو ابھی بھی توڑا۔  
 ایک مہ سوتے سوتے اٹھ کر بیٹھ جاتی۔  
 یوں لگتا جیسے نیکی کی چھین پر جگہ سے آکر لڑ رہی ہوں نیکی کی اور خشیت بھری چھین اور اس شخص  
 بھیا تک مدد پید  
 چہرے ملتے کیسے بدل جاتے ہیں۔  
 مجھے بھری بات کس طرح چھین کر پوری زندگی کا  
 جگہ کیسے لیتی ہے۔  
 بہت تھوڑے سے وقت میں عمر بھر کا سفر لے کر  
 ختم ہو جاتا ہے؟

مجھے لگتا ہے میں نے کسی مٹی کی مورت سے  
 شادی کر لی ہے۔ ”شہباز بھینچا جاتا۔“ تم زندگی  
 سیدھے سیدھے طریقے سے کیوں نہیں گزارتیں؟  
 ”زندگی نے مجھے میرے ساتھ سیدھا سیدھا روئے اپنا  
 ہے؟ کوئی چیز مجھے سیدھے طریقے سے ملی ہے؟  
 زندگی سیدھی سادھی گزار جائے۔“ تو رکے کے لئے میں  
 تھی تھی۔

”تھوڑے تھوڑے شہباز کا اچھا بہت طریق تھا۔  
 کی چیز نہیں تھی۔ میرا تو خیال ہے ایک لڑکی  
 کو جن چیزوں کی خواہش ہو سکتی ہے وہ ساری چیزیں  
 نہیں حاصل ہیں کب آسمان سے چاند تو گئی تو آ کر  
 نہیں لا سکتا۔“ لیکن جن کا مقدر ہی چاہے یہ ہو انہیں  
 اس کی تمنا کرنی بھی نہیں چاہیے۔“ آخری جملے کے  
 آنے تک اس کی آواز میں استہزاء آتا تھا۔  
 ”قسم جانتی ہو؟ شادی والے دن لوگ تمہاری  
 قسمت پر تھکا کر رہے تھے۔“  
 ”قسمت اگر ملتے پر کبھی ہوتی تو کیا تب بھی  
 لوگ رشک کرتے؟“ اس نے سر اٹھا کر شہباز کو  
 دیکھا۔  
 ”یہ دانشوروں والی باتیں ہیں اس کو کہہ رہا  
 نہیں چھین گی آئی سمجھ میں بات؟“ شہباز نے غرا کر

اس کی شادی طے ہو چکی تھی۔ کارڈ بھجھ کر آگئے  
 تھے ساری تیاریاں تقریباً مکمل تھیں پھر بھی نور کو  
 ایسا لگتا۔ شادی ہو رہی ہے کچھ اور ہے کل اندر  
 سے بالکل خالی لگتا تھا۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ کسی دن بہت  
 روئے لیکن کس بات پر؟ زندگی کے سارے فیصلے تو  
 خدا کے تھے اور وہ بڑی بڑی عجیب چیز ہے ہر حال میں  
 بے سکون ہی رہتا ہے۔ ”تو اس کے ہاتھ میں  
 ہوئی تھی۔ وہ وہاں رہتا ہے۔ ایسا تھا۔“  
 ”تو اب کون سا منجھ کھولتے والی ہے؟ اس کا دل  
 چاہتا ہے جو کچھ شہباز کو آگے لگا دے۔“  
 پوری دنیا کو ہر چیز میں لگ رہا تھا۔ ہوجائے نہ خواب  
 چھین نے ان کی رائے۔  
 ”مگر آگے کھلی تو کارڈ بھی سامنے رکھا ہوا اور اس  
 کے خواب بھی۔“  
 ایک میڈیوں لگتا جیسے ایک صدی ہو جو گزر کر  
 نہیں دے گی۔  
 ”میں کچھ غلط ہو رہا تھا یا ہو چکا تھا۔ کیا؟ سوچنے  
 میں تھوڑے تھوڑے سکرانی آئیں سامنے آتیں پھر  
 ان آنکھوں کا رنگ بدل جاتا اس چہرے کا تاثر بدل  
 جاتا وہیں سکرانہ نہیں تھی صرف ایک تھی تھی۔  
 یہاں سے وہاں تک مگر کس لیے؟ یہ اس کی سمجھ میں



Freedom to live happily!

"زنا مشورہ والی باتیں۔ نور کا دل پہاڑوں جتنا ہے کہ پھر زندگی بھر کبھی ہنسنے کی حسرت نہ رہے" والہ اس منہ کہیں تھی وہ؟ ایک ذرا سا صلہ تھا اور زندگی تینا ہوا صحرا۔ خوشی کی خوشی ہی رہتی تھی بلکہ باقی نہیں تھی اور خوشیوں کو بھی غم نہیں آتی تھی۔

اس کے گھرے میں وہ سن کا اے ہی تھا۔ بیچر قائلین "عیشم کی لگزی کا بہا بہتگا ترین فریجیچر" اسپرٹڈ فائوس مگر یہ سادہ ہی چیزیں تھیں۔ جو اس کے بیچے میں بھی تھیں گھٹی چیز بھی اس کے لیے تھی نہیں تھی اس آکسیجن کے علاوہ وہوں بھی کم تھی اور صلہ پر داس کا گز نہ بھی نہیں تھا۔ سکون۔

نور کو یوں لگا جھدت گزر گئی ہے اور اور یہ لفظ کبھی بھی اس کی زندگی میں نہیں آئے گا۔ وہ کھٹیل آئینے کے سامنے بیٹھے گزار دیتی۔ اپنے عکس کو اجنبی نظروں سے دیکھتے پھر دیکھتے دیکھتے آئینے سے وہ عکس ہٹ جاتا اور اس کی جگہ ایک اجنبی شخص کی تصویر ابھر آتی۔

"نہیں اس سے اتنی ہی قربت کرتی ہوں" جتنی نفرت کرتی چاہیے اور اس بات کو اگر میرا دل نہیں سمجھتا تو ایک لانا ضرور اس دل کو بھی یہ بات سمجھ میں آجائے گی۔

عالمہ گریٹ میں داخل ہوئی تو اس کو آئینے سے ہاتھ کرتے دیکھ کر ڈرتی۔ "نور! تم ٹھیک تو ہو؟" اس نے بہت سے نور کے کندھے پر ہاتھ رکھا، لیکن نور جس طرح ڈرتی جس نے عالمہ کو شرمندہ کر دیا۔

"دیکھو کیا ہوا؟" نور نے ٹیکسکی نظروں سے اسے دیکھا۔

"کچھ نہیں۔" عالمہ بول کھلا گئی "میں یوں ہی پوچھ رہی تھی۔"

"ہر بات یوں ہی نہ پوچھا کرو۔ کسی بات کی بہت کھون میں رہو گی تو ہاتھ میں صرف سائب آئیں گے اور سائب کا کام صرف ڈسٹا ہوتا ہے تم مجھ رہی ہونا

"عالمہ کو سائب کے نام سے ہی الٹی آنے لگی رات تک وہ بلا وجہ ہی دس مرتبہ اپنے ہاتھ و سر ہنکی تھی پھر بھی اسے لگا جیسے ہاتھوں پر کوئی چیز رکھ رہی ہے۔"

"۴۴" بجا جرم تو نہیں کیا میں نے۔" وہ خوف نہ ہو گئی۔ صرف کی نفی تو پھر لیا تھا کواہی پھوپھی تھی کہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں کہتی تھی تو جب وہی تھی تو وہ ہی نہیں وہ تو خوشی خوشی منہ سے نکلتی کہ اس کے یہی تھی۔ اس نے سوچا۔ حضرت دل رہا ہے تو میں یہاں کیوں کھولوں پھر میں کیوں؟" اس کے ماتھے پر پچھنے کے قطرے ٹپکتے گئے۔

اس کے اندر کوئی کہہ رہا تھا وہ صرف ذرا سی بات نہیں تھی اس ذرا سی بات نے تین لوگوں کو یاد کیا تھا آج تو یہی تھی میں گم۔

نہیں کوئی کسی کی زندگی نہیں برباد کر سکتا۔ سب نور کے لیے فیصلے تھے۔ کون سی اتنی ہی بات ہو گئی تھی۔ اگر وہ مختصر تو نہ دو بار سمجھ رہی تھی تو صاف بھی تو کیا جا سکتا تھا صاف کہہ دیتی تو اپنی زندگی بھی سکون نہ ہوا تو ان اور "دوبہ" عالمہ کے سر جھٹکتے۔

رات کو شہباز گھر آیا تو اس نے... لی ہوئی تھی۔ حالانکہ لایا ہی نے اسے لکنا سمجھا تھا کہ شہر کی لڑکی آ رہی ہے شہر کی لڑکیوں بہت تیز ہوتی ہیں۔ سارے حلق اپنے باہر ہی پورے کر آنا۔ مگر صرف تین سینے میں وہ اپنے اصل پر واپس آئے۔

"شہر گم۔" مائی نے اسے جھڑکا "چار مہینے کی بجائے دس گھر میں ہے اور تیرے شکل کیسے ہی ختم نہیں ہوتے۔"

"چار مہینے بہت ہوتے ہیں بے گئی۔"

"تو اچھا نہیں کروا ہے شہباز! پلٹتی ہو بہت مست چپ رہتی ہے۔"

"چپ رہتی ہے تو رہا کرے بلکہ زیادہ بہتر ہے کہ اپنی اوقات میں رہے اور میری وجہ سے تھوڑی سی

ہو پڑتا ہے ہونے لگتا پھر گویا۔

میتھ کی عادت ہے۔" مائی جی نے سر جھٹکا "جی کر اپنے ہوش و حواس کو ٹیٹھکتا ہے۔ نو بیچے سے گن۔ ایک صفدر ماں اور دو سر اسار سے ڈانے کا عیاش اس کا باب۔ مردوں کی بھی مائی کی پوزی ہوتی ہے گنہ دل سے ہی ہوتے ہیں بھلا مردوں کو کیا پتا جب عورتیں نکلیں گے وہ بولوں میں وعدہ جاتی ہیں تو پچھلے رشتوں کو بھی پلٹ کر نہیں دیکھتیں لیا گھر گنا شوہر ہی سب سے عزیز ہو جاتا ہے۔

کچھ کہہ رہی ہوں نا عالمہ شہر کی جی نے عالمہ سے بھی پتہ نہ چلتی۔

"پتا نہیں۔" عالمہ نے سبے زاری سے کہا "لیکن اگر شوہر واقعی شوہر ہو۔"

"یہ کیا بات ہوگی۔" مائی جی نے اعتراض کیا۔ "شہر تو شوہر ہی ہے۔"



"نہیں" میں نے اسے آواز دی۔

"گئی۔" وہ ایک دم بھاتی ہوئی آئی۔ "نہی کام ہے؟"

پہلے کیا بات ہوئی میرا خیال ہے میں نے جس کام کے لیے تو بھی آواز نہیں دی باہر میں اپنے سارے کام خود کر آتا تھا اور ابھی بھی کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ یہ اور بات کہ اب تم اسما کل ہوا یا تم مجھے کچھ کہنے تھی نہیں رہتی ہو۔"

"نہیں۔ میں نے ایسا بھی نہیں چاہا۔" اس نے سر جھٹکا کہ بہت سے کلمہ۔

"ایا نہیں چاہا؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔ "نہیں" نہیں اس نے شدت سے مٹی میں سر ہلایا۔ "میں تو بس یہ چاہتی ہوں کہ تم جس میری عادت نہ بنے۔" چیزوں کو ایک دن اپنے مقام پر واپس چلانا ہوتا ہے۔"

"تو چپ نہیں ہوتی۔" میں نے نرمی سے کہا۔

"جہاں ہے مجھے۔" اس کی منکرانہ آج بھی بیچکی تھی۔ میں تجھ نہیں ہوں، میں ایک ڈراؤنا خواب ہوں۔" اس کے دکھ اور لہجہ کی شکستہ لہجے خوف زدہ کر دیا۔

"اس طرح مت کو نہی، اس طرح تو تم مجھے کبھی کبھی بھولنے نہیں دگی۔"

"میں چاہتی تھی نہیں ہوں کہ تم کچھ بھول جاؤ، کچھ چیزیں بھی بھولنے کے لیے نہیں ہوتیں" انہیں بیٹھ یاد رکھا جیسے "جہاں ہے کب کون پلٹ کر آئے۔"

"بہت اچھی بات ہے۔" میں نے مائی سے کہا۔ تم پلٹ کر آئے والوں کا انتظار کرتی رہو۔"

"دیکھا آپ انتظار نہیں کرتے؟"

"تمپ نہیں تم ویسے ہی ہمارے درمیان اتنی دوڑوا لیں۔ اس پر تم آپ جناب کا کلف نہیں ڈالا کرو اور دوسری بات یہ کہ مجھے خیانت پسند نہیں ہے۔ ایک نے کسی طرح ہی سمی۔ اپنی زندگی شروع کرنا ہے۔"

"نہیں" مختصر "اس کا لہجہ ضدی تھا۔ زندگی ہر ایک کے لیے شرمندہ نہیں ہوتی ہے۔ کسی تم نے مجھے کیا پتا ہے؟" انہیں سمجھی ہو تھی۔

"کچھ تو پتا ہے۔" میں نے اشارہ کر کے کہا۔ "مجھے بہت فرق پڑتا ہے مجھے کلف ہوتی ہے۔ کبھی مجھے لگتا ہے تم لوگ زندگی میں کبھی ایک ساتھ آ کر بات نہیں کر سکتے گے مجھے نہیں بیٹھ بہت اور میرا گھر دیکھا بڑے گا آپ بیٹھ پلندی پر نظر کو کے گور میں کچھ کھڑے کھڑے ٹھک چاؤں گی۔"

"نہیں" ایک وقت آتا ہے جب ہم سب کو کچھ فیصلے کرنے پڑتے ہیں۔ اس سے کوئی کوئی بیڑا یا پتھر نہیں ہو جاتا۔" میں نے اسے سمجھانا چاہا۔

"میرا نام می نے رکھا تھا اور اتوں نے بیٹھ مجھے حضرت عارفین کے نام سے پکارا۔ لکھتہ جیسی جگہ پہ رہتے ہوئے بھی کبھی انہوں نے میرا نام نہیں پکارا۔ کبھی تم میں نے تمہارا نام حضرت رکھا ہے کبھی اس کو برا نہیں کرنا اور وقت کو نہ ٹھکرو۔" میری آواز بھاری

ہوئی تھی۔ پھر کوئی نہیں بولا۔ ایک دم سے کوئی منظر جیسے پوری جزئیات کے ساتھ یاد آیا تھا۔

اور میں کوئی تھی نہیں ان کے سینے کے ساتھ کیا کیا کچھ ہو گیا۔ کتنے بڑے بڑے الزام لگ گئے میری آنکھوں میں جیسے جندی سمرگئی۔

ہمت کچھ تھا ہمت دونوں کی حملن تھی ہمت سارے لحوں کی اوپسی تھی اپنے آپ سے لڑتے رہنے کی لامحالہ کوشش تھی۔

تو میرے لیے کافی بنا کر لے آئی مگر سے مل گیا اندھیرا اتر آیا تھا۔ اس نے کھڑکی کے درے برابر کے کونے میں گلی فینسی لائٹ کو تن کیا مگر وہیں روشنی ہی ہوئی مگر غبار آلودی۔

تو کچھ والاٹ کے نیچے تھا اور اس میں سے جیسے روشنی کی شعاعیں نکل رہی تھیں اس کے سرے بالوں کی خوشبو نے مجھے بکڑ لیا۔ پر وہ بٹے سے باہر تو تب مجھے احساس ہوا کہ وہ نیلی نہیں تھی وہ انور تھی جو نہ جا لے کس وقت اندر آئی تھی۔ میں نے اسے غائب کرنا چاہا لیکن یہاں نہیں کس حالات نے مجھے یہ بھی کہنے سے روک دیا تھے۔ کاش مجھے اس وقت کچھ بھی نہیں یاد آتا ہے جیسے کہ یہ سحر یا طلسم ٹوٹ نہ جاتا۔

میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا اس کی خوشبو کے سوا مجھے کوئی احساس نہیں تھا۔

زندگی کے سارے قلعے وہ ساری لالچنی باتیں جو اب تک ہم کرتے آئے تھے وہ سب کہیں پیچھے رہ گئے۔

صبح میری آنکھ کھلی تو نیلی سو رہی تھی۔ یہ صلت ماہ میں پہلی دفعہ تھا کہ وہ میرے ساتھ تھی۔

میں نے اس کے چہرے کی طرف نگاہ کی وہ سحر و طلسم کہیں غائب ہو چکا تھا۔ میں نے نیلی کو دیکھا ہوا کھڑکیوں پر بیٹھ پڑے تھے پھر بھی نہیں کسی جگہ سے سورج کی نرم شعاعوں نے اس کے چہرے کا احاطہ کیا ہوا تھا۔ وہ چہرہ گل کی طرح کج بھی روشن تھا اور تب

مجھے احساس ہوا کہ پھر وہ کبھی نہ رہے گا۔ کیونکہ وہ جتنی تو اندر ہوئی ہے اور اس کا ہر اجلا تھا میں جانتا تھا۔

صحیح کہہ رہا ہوں تو اور صبح صادق میں نکلے ہوں لوگ زندگی میں سکون کے لیے شادی کرتے ہیں اور میں نے عقاب گلے میں ڈال لیا ہے۔

"آپ نے زندگی میں جن چیزوں کے لیے شادی کی تھی وہ ساری چیزیں تو آپ کو مل گئیں ایک سکون سنیں تو کیا ہوا۔"

"سکون زندگی میں تو نہیں مگر اس وقت تو اور صبح کے لیے میں ہمت تھا۔ کیسے اور کس طرح کہ یہ تو اس لالچی جانتا تھا۔

کوئی چہرہ ہر تھی۔ اور کوئی نہ ہر اندر تھا جو چھپتا ہی جا رہا تھا۔ اس نے شہباز سے شادی کرتے وقت بہت زیادہ توقعات نہیں پاندھی تھی کیونکہ ایک بات تو اسے یہی تھی کہ جتنا کوئی مرد بھی اچھا نہیں ہو تا سب بڑے ہوتے ہیں۔ وہ سب باپ سے بہتر ہر ایک سے بہتر تھی۔ اور میں تو کبھی نہیں سمجھی تھی کہ یہ صرف متکبروں کا نام تھا۔ شہباز کی بہت عساری حیا شیڈوں کی دامستان کن رنگی تھی ہر وہ لوگ شہر میں مشہور ہو گئے تھے۔

اور جب شہباز ان لوگوں کے پاس کراچی آئے تو لگتا کہ وہ کافی بہتر ہو گیا ہے وہ اس طرح کا ہرگز نہیں تھا جیسا اس نے اپنے ذہن میں سوچا تھا۔

اب یہ اور بات کہ علی نے اسے کبھی بھی پسند نہیں کیا لیکن نور سے بہت دوستی ہونے کے باوجود اس نے کبھی نیلی کو نہیں بتایا کہ کیا وجہ ہے وہ شہباز کو پسند نہیں نہیں کرتی۔

پھر وہ سیاہ اندھیری رات مچنی جس نے سب کچھ ختم کر کے رکھ دیا۔

ایک کے چہرے سے عقاب جلدی ہمت گئی

پھر وہ کی بات سے غمزدونوں نے ہی اسے مار دیا تھا۔ جیسے جو اس کی نگاہ سامنے ناگہم رہی تھی۔

پھر میں اسے کیا ہو گیا تھا ہر وقت اپنے دھمکی رو بہی تھی اور جب وہ پوچھتی تو خالی خالی نظریوں سے اسے دیکھتی رہتی۔

ملنی تو اس کی وجہ سے پریشان رہنے لگی تھیں۔ ہر وقت اپنا بیستر بٹھا دیتی رہتی تھی ایک دن بے خیالی میں گئے گلی "میرے بیستر میں سر نہ رکھو ہوتی رہتی ہے" جیسے سانس نہیں لے سکتا تھا۔

اور ملنی نے لپک کر اس کا ہاتھ بند کر دیا۔

"انوار کی لڑکی اور سبب آسیب کی باتیں۔ کل کو ہمیں شادی کی تھی ہو گئی۔"

آسیب وانی بات پر تو ان کا بھی یقین تھا کہ ضرور پھر یہ نہیں نہ نہیں آسیب ہے جس نے چار دن بھی دس دن خوش نہیں رہے دیا۔

پھر شہباز کا ریسہ۔ نور زور سے چلتا۔ چہرے اٹھا کر پھینکا وہ اتنے فیصلہ اور سندھو تھا کہ ملنی بھی کو بخوبی علم تھا کہ اگر وہ اس اتنی ساری جانید اولی نہیں ہوتی تو وہ تو ہاتھ پیچھے سے آئی کہہ کر نہ ڈال دیتی تھیں تو انہی تو انہیں بھی گئی کہ یہ سب سبب جانید اسے پھر اس نے زیادہ خوشی اس بات کی تھی کہ یہ جو رو تھی اور خوب صبر دلی کا ایسا جانید گئی کہ اندھیرے کمرے میں رکھ دیا تو وہ بھی جگا اٹھے۔

انہوں نے ایک دفعہ یہ دیکھی یہ بات وہ نہیں کہتا بھی دنی مگر وہ نہیں ہوتی اپنی تعریف سن کر صرف اتنا کہتا۔

"کوئی فائدہ نہیں ہوتا ملنی! جب دلوں میں اندھیرے ہوں۔"

"یہ آج کل کی لڑکیاں یہی تازک ہوتی ہیں۔" ملنی نے دل میں قیاس آرائی کی۔ "ہم سارا آسے۔ دل مارنا ڈالتا ہے تب نہیں جا کر کھڑے ہیں پھر بھی ملنی کی سنے ہمت نہیں ماری۔"

"سارا وقت کھڑے کھڑے ہوتی ہو ملال کو دیکھنے ہی پہلی جاکو نہیں تو وہ جو تمہارا رشتہ دار حضرت جس کی شادی

ملنی سے ہوئی ہے وہیں ملنی جیلا کرو شہباز نہیں بولے کر جانا تو عالم سے گواہ اور انہر کے ساتھ ملنی جیلا کرو۔"

ملنی جی نے وہ سن کو خوش رہنے کے بہت سارے سنے بتائے۔ ملنی کوئی کسے ہی کارگر ہوا۔ نہ دوسروں کے چیکے پڑتے چہرے پر ہی کوئی سمرنگی تھی ملنی جی نے سیدھی بات ہی کہی۔

"لو سن! مودات ایسی ہی ہوتی ہے۔ کچھ برس ہوتے ہیں کچھ زیادہ برس مگر سب ایسے ہی ہوتے ہیں تو کیوں دل کا روگ بتاتی ہے ہنسا بولا کہ میں تو تم دونوں کو کل وجہ سے بہت پریشان ہو گئی ہوں۔"

نور دونوں ہاتھ گھنٹوں کے گرد پیٹنے لگی رہی۔ یوں ہی بیٹھے بیٹھے اس کی نگاہ اپنے سفید موی ہاتھوں پر پڑی تھی وہاں ملنی کا بڑا سا نشان تھا۔ رات کو ہی شہباز نے پر ٹیم اپرے کرتے کرتے اسے کھینچا مارا تھا۔

"توہ! اس کا لہجہ سخت تھا اور زور نونت بھرا بھی۔"

"یہ جو تمہاری صورت پر ہر وقت سوگ بھیا رہتا ہے اس کے لیے میں کو کچھ پیچھے نہ کر لوں وہ تو کوئی اچھا آدمی نہیں تھا۔" اور یہ اس کا لہجہ تھا۔

شہباز نے شادی کے جو لمبے لمبے کس کی گورت پر بات میں اس کی اپنی مشق تھی زندگی بھر کرنے کے لیے اصول تھا۔

اور یہ بات نور شہباز کو کس طرح سمجھائی کہ وہ اس شخص سے کتنی نفرت کرتی ہے جس کا حوالہ دے کر ابھی شہباز نے پر ٹیم کی بول کھینچ کر ماری تھی۔

"میں اسی جگہ پر مجھے غصہ آتا ہے کہ ملنی جو اب نہیں بولے تو ہمت ہو گئی تھیں۔"

"کیا جواب دلوں۔" نور نے افسردگی سے سوچا "نفرت کی کوئی شکل نہیں ہوتی کہ وہ اس کو دکھا سکوں۔ اور ہر وقت اور ہر بات میں میرے سامنے کو کھینچ کر لے لے والے اس شخص کو کیا بتاؤں کہ اس نے مجھے حال کی کوئی بات سونے کے قائل نہیں رکھا ہے سامنے کو کھت کر علیحدہ نہیں کیا جاسکتا اسے کوشش کر کے

بھیلا جاتا ہے۔ اور یہ شہسازوں کو نہیں بلکہ نہیں کرنے دیتا اور پھر کہتا ہے کہ تمہاری صورت پر یہ سوگت کیوں چھایا رہتا ہے۔

زندگی اتنا بھیاں تک روپ ماننے لائے گی یہ خواب و خیال میں بھی نہیں تھا۔ پیٹھے پیٹھے اسے احساس ہوا کہ اس کے اندر سربانی کے قطرے گرتے ہیں۔

پارش! اس نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا۔ آسمان بالکل صاف و شفاف تھا۔ تب اسے اپنے لیے ہوتے حال کا احساس ہوا۔

”وہ“ نور نے دونوں ہاتھوں سے گلابوں کو ریزا۔ ایسا بھی ہونا تھا۔

”نور! سبلی نے اس کا کندھا ہلایا اور نے ایک دم چونک کر اوپر نہا کی۔

”کئی دو واڑے پر کھڑی اسے لو اس نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

”اندر آؤ سبلی!“ اس نے بھی سے کہہ کر اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی آنکھوں میں بھی ایک اور ہی کی چوکی۔ اس کے ہونٹوں پر بھی جب کی ایک غراگی۔ مگر اس کے لہجے پر نشوونما تھا۔ اس کی کا احساس تھا۔ جس سے اس کا پورا وجود متور تھا۔ اس کی طرح چمکنی ہوئی بدجہ نہیں معلوم ہو رہی تھی۔

”جانتی نہیں کیوں مگر نور کو لگا کہ سبلی اس کے لیے اور اس تھی۔

نور کو یہ تھا۔ سبلی اس سے کتنا یاد کرتی ہے ناراض ہو جاتی تھی تو اس کی جان نکل جاتی تھی۔

نور نے اس کے ساتھ کتنی مغز ماری کی تھی۔ اس کو دنیا کی اینٹ پینچ سمجھاتی تھی۔ اس کو بھلیا تھا کہ خود کو سنبھل کر لیے ویسے رکھے۔

جب وہ ناراض ہوتی تو فوراً ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہو جاتی۔ ”رہم سے نور جی! وہ سارے انداز جو آپ سکھانا چاہتی ہیں۔ وہ سارے انداز وہ سارے رنگ تو آپ کے لیے سہے ہیں۔ ہر چیز ہر ایک کے لیے نہیں ہوتی۔ مجھے مشورہ لوگ اتنے ہرے لگتے ہیں کہ آپ کو

بتا نہیں سکتی۔ مگر آپ کی کیا بات ہے۔ آپ پر نور بھی اتنا جتا ہے۔“

”اچھا میں جب کہ جانتا“ نور نے ڈانٹ کر رہ کر واڑتی تھی۔ ”مگر جب وہ کہتی تھی اس کی چھوٹی سوز شراکتیں جا رہی رہتی تھیں۔“

اور اب، نور نے رواڑے کی طرف قدم بڑھا دے۔ آج یہ چپ اور اس کا چہرہ دونوں کوئی الگ چیز لگتے ہیں۔

اس نے قریب آ کر اس کا ہاتھ تھامنا چاہا تو وہ بھی تھلیل ہو گئی۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ نور نے سر ہاتھوں میں تھام لیا۔

”یہ مجھے کیا ہونا چاہا ہے۔“ اس نے سر جھٹکا۔

”سبلی!“ اس نے سر کو تھپی کی۔ ”میں نے تم سے کہا تھا کہ اس شخص سے شادی نہیں کرو جو لوگ اتنے ہی کر ملیں وہ زیادہ خطرناک ہوتے ہیں مگر تم نے میری بات نہیں مانی اور آج تم اور اس ہو سوا کو اور ہو۔“

پھر ایک خیال ایک سوچ نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا۔

”سبلی! اس نے وہ بات نہیں مانی تھی نور اور تم۔ کون مرے اس کی بات مانتا تھی۔ سبلی نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا تھا کہ شہساز سے شادی نہیں کرو اور خضر اس نے بھی لہجہ تمہاری راہرو کی تھی۔ کچھ سمجھانا چاہتا ہے۔ کچھ بتانا چاہتا تھا۔ تم نے ہی تو ہر چیز کھوکھوں پر رکھ دی تھی۔“

اس کا نام سوچوں میں آتے ہی جیسے کسی دروازے کو چھوہا تھا۔ نور خوف زدہ ہو گئی۔ ”درو کیوں؟ وہ تو اس سے نفرت کرتی تھی۔“

اس نے اپنے اندر جھانکا وہاں کہیں نفرت نہیں تھی۔ صرف ایک خلا تھا۔ یہاں سے وہاں تک صرف ایک تھکتی تھی۔

”یہ کیا ہوا؟ ایسا نہیں ہونا چاہیے جس نفرت کی بنا پر اس نے اس کا سبلی بھرے راستے پر قدم رکھا تو وہ نفرت نہیں رہی تو اتنی ہی مسانت کس طرح لے سکتی تھی۔“

اور حالانکہ نے اندر جھانکی لیکن اس کا حلیہ دیکھ کر ڈر گئی بلکہ بکھرے ہوئے سرخ آنکھیں پورا پورے پر بھی ہوئی تھیں اور وہ آنکھیں بالکل سرور تھیں۔ اس میں زندگی کی کوئی جھلک نہیں تھی۔

”کیا یہاں تک آئی تھی؟“ اس نے سر جھٹکا۔

سبلی نے اس کی طرف دیکھا۔ ”نور نے کہا تھا کہ اس کے آسپاس ہے۔“

”کیوں نہیں آسکتی؟“ نور نے غائب دماغی سے کہا۔ ”تم نہیں جانتی حالانکہ اسے مجھ سے کتنا پیار تھا۔ میں جانتی تھی مانت لوں تو وہ بھی انکار نہیں کرتے۔“

”مجھے پتا ہے۔“ حالانکہ نے مختصراً کہا کہ نور سے زیادہ بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔ کچھ جلی وقت کے کہنے اس کے ایک جھلنے سے ایسی آگ لگتی تھی کہ وہ اب تک سنبھل نہیں پاتی تھی۔ اس کا ہاتھ ابھی بھی جینڈیچ پلٹا ہوا تھا اور نور نے پوچھا بھی نہیں تھا کہ کیا وہ اپنے لہجہ اور پوچھتی تو وہ بھی کہتی تھی اس بات کی ہر ایک لہجہ کہ اس کا کیا مقصد ہے۔ اس نے صرف اس لیے کہ جب کشتی اسیے لگتی ہے تو پورا جہاں اٹار کرتے ہیں۔ حالانکہ اب تک کتنی تھی اس لیے جو کہ سنبھالنے سنبھالے جو اس سے کسی آسپاس کی طرح چیت کرتا تھا۔

نور نے قبولیت کی کون سی گھڑی تھی جب نور کی نظروں کے ہاتھوں پر پلٹی تھی۔

”کیا ہو گیا ہے؟“

اور حالانکہ کا لہجہ اچھل کر مطلق میں آیا۔

”کچھ۔ کچھ نہیں۔“ اس نے ہاتھ پیچھے کی طرف کیا۔

”اچھا!“ نور نے بھی اصرار نہیں کیا۔ شہساز نے اس سے یہی کہا تھا کہ اپنے کام سے کلام رکھا کرو۔ میرے نور کمر کے معاملات میں تمہنے کی کوٹش نہیں کیا کرو۔“ اور ہر بات کی طرح اس نے شہساز کی یہ بات بھی مان لی تھی۔ وہ کشتیوں چپ رہتی اور پلٹی تھی کے حالانکہ کوئی پوچھتا بھی نہیں تھا اور لا تعلقی زندگی میں ہوا

رشتوں میں دونوں ہی جگہ زہر قابل ہے اور یہ زہر آہستہ آہستہ ہی چھلکتا ہے۔

ابھی بھی حالانکہ نے نہیں بتانا چاہا۔ تو اس نے دوبارہ پوچھا بھی نہیں۔ پتیل سرنگ کرنے لگی وہ کسی بھی چیز کو ایک منٹ سے زیادہ نہیں دیکھ رہی تھی۔

اعظم رب کی کیفیت تھی کوئی بے چینی جس نے اس کو اپنی گرفت میں لیا ہوا تھا۔

”کیوں کی چیز ہے جو سب کی زندگی میں اندر چلے آئی تھی۔“ کچھ کو پھینکا۔ لوہی کو چھپانا کتنا بڑا گناہ ہو سکتا ہے۔“

حالانکہ نے افسردگی سے سوچا۔ اتنا بڑا گناہ کہ مزادینا میں ہی مل جائے۔“

اسی وقت اس کی نظر ٹپکی دی پر چلی گئی وہاں پر ساتیوں کی کوئی ظلم چل رہی تھی۔ ہر قسم کے چنگ وار خوب صورت زہریلے سائب۔ اسے یوں لگا وہ سارے کی دی پر نہیں تپ رہے ہیں اس کے ہاتھ پر لپٹے ہوئے ہیں۔ اس کے منہ سے بے ساختہ کچھ نکل رہا تھا۔

”کیوں گڑا ہوا ہے؟“

”سائپ میرے ہاتھ پر ہیں۔“ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

”تم ڈر گئی ہو نہیں ڈی ہند کہتی ہو۔“ اس نے تڑی سے کہا۔

”نور! خوف تو اندر ہوتا ہے اور اس کا علاج نہ کرو تو وہ زندہ نہیں رہتے دیتا۔“

”کیا بات ہے حالانکہ! نور نے غور سے اس کی شکل دیکھی۔ حالانکہ فیٹین لگنے ہلا گھا۔ ان سب کی شوہین تھی۔ اس کی زندگی میں اتنی مشکل باتوں اور سوچوں کا کوئی گزر نہیں تھا۔

اسے خوب صورتی اور خوب صورت لوگ بہت اچھے لگتے تھے۔ جب وہ ان کے گھر میں آئی تھی تو ایک دم سے خضرتے متاثر ہو گئی تھی۔

”اور خضر کو بھی تو لڑکیاں بہت پسند تھیں۔ ایک منٹ میں ان سے دوستی ہو جاتی تھی۔“

نور نے جتنی سے سوچے ہوئے عالم کو دیکھا۔ جس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔ اور وہ آنسو اس کی تھیلیوں پر گر رہے تھے۔

"نور! اس رات نملی کے کمرے میں خضر نہیں تھا۔ حشمت انکل تھے خضر تو میرے ساتھ تھا اس وقت۔"

اتنی رات گئے میں خضر کے پاس یہ پوچھنے گئی تھی کہ کیا وہ مجھے پسند کرے؟ مجھ سے شادی کر سکتا ہے۔ اسی وقت نملی کے کمرے سے جینوں کی کواڑ آنے لگی۔

عالمہ اتنا کہہ کر چپ ہو گئی تھی "اب کمرے میں ہماری خاموشی تھی۔"



مئی کا فون آیا تھا وہ ہم دونوں کو یاد دلا رہی تھی۔ مگر میں نے ابھی تک اس موضوع پر جتنی سے بات نہیں کی تھی۔

وہ اپنی دونوں ہتھیلیاں چپ چپ تھی اور جہ جہی بھی ہو رہی تھی اس نے تو آج تک خود کو میری بیوی کے صوب میں ہی قبول نہیں کیا تھا۔ تو یہ تو بالکل ہی ایک ذرا سزا دینا تھا۔

میں نے اس کی ڈاکٹر سے پوچھا تھا تو وہ ہنس چکی تھی۔

ہمت ساری لڑکیاں ہمت سارے طریقوں سے مری ایکٹ کرتی ہیں، جو جاتا ہے اس طرح سے آپ پریشان نہ ہوں۔"

نور میں اتنی جلدی پریشان ہونے والا آئی تھی نہیں تھا۔ لیکن نملی ہمت گزار ہو رہی تھی نہ وہ وقت پر کھانا کھاتی تھی نہ وہ انہیں یا کھانہ سے استعمال کر رہی تھی اور جب میں اسے یاد دلا تو وہ فوراً اپنی غلطی مان لینی پہنچا۔

اور اس معاملے کا سب سے بڑا پہلو یہ تھا کہ وہ جی کستی تھی یہ میں جانتا تھا ایک دن میرے ڈاکٹرنے پر اس نے حج اور سرووں کی میڈیسن ساتھ ہی نکل لیں۔

"جی کی بھول گئی تھی۔ ابھی ہی کھاتی ہوں۔"

"مبالغہ خراب ہو گیا ہے، کبھی بے وقوف لڑکیاں اس قسم کے کام کرتے ہیں۔" میں نے اس کے ہاتھ سے دو اس لیے کر چھینیں۔

"تو پھینک کھال دو اس اتنی جتنی دوائیں ہوتی ہیں میں دوائیں اس کو دے چکی ہوں۔"

"اس طرح نہیں ہو جاوے گا۔" میں نے حمل سے کہا۔

"کس طرح نہیں ہوتا ہے؟" اس نے ضدی لہجہ میں کہا۔

"تمہارا مطلب ہے خضر کہ جس ایک دفعہ۔"

"میرا کوئی مطلب نہیں ہے۔" میں نے ہاتھ اٹھا کر اسے پتہ کئے سے روکا۔ "تم ہر بات کو تھیسٹ کر کھال لے جاتی ہو۔"

"ایک بات ہیٹ یاد رکھنا خضر! میں نے زندگی میں بہت تکلیف اٹھائی ہے بہت سارے غم بھروے اور آخری دیکھا تھا اس کے بعد میں زندہ رہی تو صرف اس وجہ سے کہ زندگی ابھی باقی تھی ورنہ اندر کچھ باقی نہیں بچتا تھا۔ پھر تم نے جو کچھ میرے ساتھ کیا وہ بہت زیادہ تھا۔ اس معاشرے میں جہاں ایسی لڑکیاں سے لگا رہنے کا جس بھی سچین لیا جاتا ہو جن کے دل میں پرانی بات بھی داغ آجاتے ان کو ایسا تو سبک دینا ہی سزا ہے۔"

وفا پر وہ جتنی جس کی ایک لڑکی کو ضرورت ہوتی ہے پھر کوئی ایسے گھر نہ ہو سکتا ہے مجھے خوشی مل جائیگی۔

اپنے لیے نہیں اور جو تمہاری خوشی ہے وہ کوئی دوسری بات نہیں ہے۔"

"مجھے تمہاری طرح اتنی باتیں کرنی نہیں آتی۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ تم بے وقوف ہو۔"

"میں کوئی بے وقوف نہیں ہوں۔" اس کی آنکھوں میں خشکی تھی، "مگر میں نے تم سے کہا تھا خضر کہ۔" وہ خاموش ہو گئی۔

"میں تھک گئی ہوں، تمہاری دیر سونا چاہتی ہوں۔"

اس نے کمرے لے لی "میں کچھ دیر وہیں کھڑا سوچتا رہا پھر باہر نکل آیا۔"



نور نے کتنی دیر اپنے ہوش و حواس پر قرار رکھے

خوردہ کسی نہیں جانتی تھی۔ بس کرتے رہتے کالکٹ مل تھا۔ جس سے وہ مسلسل گزار رہی تھی۔ عالمہ اور کر جاتی تھی۔ اس نے جو کچھ بھی کہا تھا وہ اس سے نظروں ملانے بغير کہا تھا۔ اچھا جی ہوا خود وہ بھی سب اپنے آپ سے خضر سے ملانے کے قابل نہ تھی۔

جس میں ایک لمحہ لگا تھا یا شاید اس سے بھی کم اور سب کچھ ختم ہو گیا۔ اب اس میں بھی خالی تھا اور دل بھی۔

وہ جی جی کر رہا ناچار رہی گئی۔ مگر آج اس آخری لمحہ نے جی اس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔

آنکھیں بالکل خشک اور ویران تھیں۔ "قسمت کو مارے کھیل میرے ساتھ ہی کھیلنے تھے۔" اس نے جتنی سے سوچا۔

"میں لگتا ہے یہ بات قسمت کو کوئی شوق نہیں ہوتا ہے ہمارے ساتھ کھیل کھیلنے لگا یہ کام تو ہم خود بہت اچھا کرتے ہیں۔" انھوں نے جیسے کسی نے سر کو شی کی ہمت کچھ یاد آ رہا تھا ہمت کچھ یاد آئے کو تھا۔

نور کو ان کی جیسے دل اندر سے خالی ہو گیا ہو زندگی کے بارے میں راستوں میں ابوجہت تھے اور پھرتے اب نملی ہوتے ہیں۔ اب صرف بیٹہ کرنا نظر کرنا تھا کہ وہ آگ جو اندر تک ایسے لگا کر جلی ہے لوہا ہر کربا لہے ہے۔

وقت کو اس انداز میں کبھی سامنے نہیں آنا چاہیے کہ سچ بتا دے کہ زندہ کس لیے ہیں اور زندگی کس کے لیے سرگرمی ہے؟

جس غم سے ساری رات تھی جس غم سے نور کا بنا فونان دے کر روشن رکھنا پڑا تھا وہ غم ہاتھ سے نہیں لیا تھا۔ آج نور کو احساس ہو رہا تھا۔

کہ وہ غم بھی اسے کتنا عزیز تھا اور وہ بھی جو اس سے منسلک تھا۔ اس غم سے رشتے سے اس تعلق سے وہ اسے سوچتی تو تھی آج کے بعد سے وہ کس اور اسے سوچ پائے گی؟ جلنے کے ساتھ وقت گزارا اتنی سزا دینا۔

اتنا پھر اسی وحشت سے سراٹھایا تھا۔ جس وحشت اس نے بڑی مشکل سے سہایا تھا۔

# خانا

بیتوں کا اپنا راتنا۔

اپریل 2017ء تک 4 شمارے شائع ہوئے۔

- ☆ شہر گوکار "راحت فتح علی خان" سے دعوت
- ☆ "گفتگو سے لگائے" غلام مصطفیٰ اکمل ہمارے
- ☆ "نور و محبت" لقاء نظام اکمل ہمارے
- ☆ "راہ طے بحال رکھنا" فوری صفحہ 24

☆ "مختصریوں میں حساب گیسٹ" مجاہد تقی صاحب

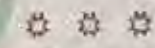
- ☆ "بدا سادست" طاہرہ طاہرہ صاحبہ
- ☆ "میرے ساحر سے کہو" امیرہ صاحبہ
- ☆ "میں سٹار، صبح امید کی" فواد ہلال صاحبہ

☆ "میرے کی جگہ کی باتیں" امیرہ طاہرہ صاحبہ

☆ "میرے کی جگہ کی باتیں" امیرہ طاہرہ صاحبہ

☆ "میرے کی جگہ کی باتیں" امیرہ طاہرہ صاحبہ

نور نے تکی سے سوچتے ہوئے عالمہ کو دیکھا جس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔ اور وہ آنسو اس کی ہتھیلیوں پر گر رہے تھے۔  
 "نور! اس رات تکی کے کمرے میں خضر نہیں تھا" حشمت اٹھ اٹھی تھے خضر تو میرے ساتھ تھا اس وقت۔"  
 اتنی رات گئے میں خضر کے پاس یہ پوچھنے گئی تھی کہ کیا وہ مجھے بند کرنا ہے مجھ سے شادی کر سکتا ہے۔ اسی وقت تکی کے کمرے سے خیزوں کی آواز آنے لگی۔  
 "عالمہ! دنیا کیہ کر چپ ہو گئی تھی اب کمرے میں مگرمی خاموشی تھی۔"



مئی کانون آیا تھا وہ ہم دونوں کو باہر بلواری تھیں مگر میں نے ابھی تک اس موضوع پر تکی سے بات نہیں کی تھی۔  
 وہ ان دنوں بہت چپ تھی اور چہ چہ تھی اور چہ چہ تھی اور ہی تھی اس نے تو آج تک خود کو میری بیوی کے روپ میں ہی قبول نہیں کیا تھا۔ تو یہ تو بالکل ہی ایک دو سر روپ تھا۔

میں نے اس کی دائیہ سے پوچھا تھا وہ جس پر تکی بہت ساری لڑکیوں بہت سارے طریقوں سے دبی ایک کرتی ہیں ہو جاتا ہے اس طرح سے آپ پریشان نہ ہوں۔"

اور میں اتنی جلدی پریشان ہونے والا آدمی بھی نہیں تھا۔ لیکن تکی بہت گنور ہو رہی تھی نہ وہ وقت پر کھانا کھاتی تھی نہ وہ آئیں یا کھانے سے استعمال کر رہی تھی اور جب میں اسے یاد دلاتا تو وہ فوراً اپنی غلطی مان لیتی تھی پھر تکی تھی خضر! "

اور اس معاملے کا سب سے بڑا پہلو یہ تھا کہ وہ سچ کہتی تھی یہ میں جانتا تھا ایک دن میرے دلٹنے پر اس نے سچ دیکھ کر دونوں کی میڈیسن ساتھ ہی نکال لیں۔  
 "صبح کی بھول گئی تھی۔ ابھی ہی کھاتی ہوں۔"

"دماغ خراب ہو گیا ہے کیسی بے وقوف لڑکی ہے اس قسم کے کام کرتے ہیں۔" میں نے اس کے ہاتھ سے وہ اس کے کچھینکیں۔  
 "تو پھینک کیوں کریں" اتنی منگی وہ کہیں آئی ہیں میں واپس اس کو سپر میں رکھ دیتی۔  
 "اس طرح نہیں ہوتا ہے تکی! میں نے حمل سے کمد۔"

ہو کس طرح نہیں ہوتا ہے؟ اس نے ضدی لہجہ میں کہا۔ "تمہارا مطلب ہے خضر کہ چیزیں ایک نعرہ۔" امیر کوئی مطلب نہیں ہے۔ میں نے ہاتھ اٹھا کر اسے کچھ کہنے سے روکا۔ "مگر ہر بات کو کھیٹ کر کہاں لے جاتی ہو۔"

"ایک بات، بیشہ یاد رکھنا خضر! میں نے زندگی میں بہت تکلیف اٹھائی ہے بہت سارے غم چھوڑے جو آخری دو چھپا تھا اس کے بعد میں زندہ رہی تو صرف اس وجہ سے کہ زندگی ابھی باقی تھی ورنہ اندر کچھ باقی نہیں بچا تھا پھر تم نے جو کچھ میرے ساتھ کیا وہ بہت زیادہ تھا" اس معاشرے میں جہاں ایسی لڑکیوں سے زندہ رہنے کا حق بھی نہیں لیا جاتا، جو جن کے دامن پر بالاسا بھی داغ آجائے ان کو کب خوشیاں دینا عرصت و آثار چھوڑ کر جس کی ایک لڑکی کو ضرورت ہوئی ہے وہ پھر کوئی کسے گھڑا ہو سکتا ہے مجھے خوشیاں چاہئیں مگر اپنے لیے نہیں اور جو تمہاری خوشی ہے وہ کوئی مجھ سے بات نہیں ہے۔"

"مجھے تمہاری طرح اتنی باتیں کرنی نہیں آتی ہیں لیکن میں اتنا جانتا ہوں کہ تم بے وقوف ہو۔"  
 "میں کوئی بے وقوف نہیں ہوں۔" اس کی آنکھوں میں خفگی تھی "مگر میں نے تم سے کہا تھا خضر کہ۔" وہ خاموش ہو گئی۔  
 "میں تھک گئی ہوں تمہاری دیر سونا چاہتی ہوں۔" اس نے گروت لے لی میں کچھ دیر وہیں کھڑا ہوا رہا پھر باہر نکل آیا۔



نور نے کتنی دیر اپنے ہوش و حواس پر قرار دے

اور وہ بھی نہیں جانتی تھی۔ بس گرتے رہنے کا ایک دن خدہ جس سے وہ مسلسل گزر رہی تھی۔ عالمہ اپنے کمر چاکی تھی۔ اس نے جو کچھ بھی کہا تھا وہ اس سے نظریں ملائے بغیر کہا تھا اچھا ہی ہوا خود وہ بھی کب اپنے آپ سے نظریں ملانے کے قابل ہو گئی تھی۔ بس ایک لمحہ اٹھا یا شاید اس سے بھی کم اور سب کچھ ختم ہو گیا اب! بس بھی خالی تھا اور دل بھی وہ تکی کو گنور چاہ رہی تھی۔ مگر آج اس آخری تکی نے بھی اس کا ساتھ چھوڑا تھا۔

"تکیس بالکل خشک اور ویران تھیں۔" قسمت کو برکت تھیل میرے ساتھ ہی بیٹھتے تھے۔ اس نے تکی سے سوچا۔

"میں غلط ہے یہ بات قسمت کو کوئی شوق نہیں ہوتا ہے ہمارے ساتھ تھیل کھیلنے تک یہ کام تو ہم خود بہت اچھا کرتے ہیں۔" نظریں جیسے کسی نے سرکوشی کی بہت کچھ یاد آ رہا تھا بہت کچھ یاد آنے کو تھا۔

نور کو لگا جیسے دل اندر سے خالی ہو گیا ہو زندگی کے سارے راستوں میں اندھیرے تھے اور مجھے اب کہاں ہوتے ہیں۔ اب صرف بیٹھ کر انتظار کرنا تھا کہ وہ آج آج اندر تک اسے راکھ کر چکی ہے وہ باہر کب آتی ہے۔

وقت کو اس انداز میں بھی ملانے نہیں آتا جیسے کہ سوچنا ہے کہ زندہ کس لیے ہیں اور زندگی کس کے لیے بسر کرنی ہے؟

جس غم سے ساری روتی تھی جس نفرت کو روزانہ اپنا حلقہ دے کر روشن رکھنا پڑتا تھا وہ تمہا تجھ سے نہیں گیا تھا۔ آج نور کو احساس ہو رہا تھا۔

کہ وہ تم بھی اسے کتنا عزیز تھا اور وہ رو بھی جو اس سے منسلک تھا اس نفرت کے رشتے سے اس تعلق سے وہ اسے سوچتی تو تھی آج کے بعد سے وہ کس طرح اسے سوچ پائے گی؟ جانے کتنا وقت گزرا کتنی سہانیاں۔

آج پھر اسی وحشت نے سراسر اٹھا تھا جس وحشت وہاں سے اپنی مشکل سے سلا یا تھا۔

# خانا

بہنوں کا اپنا ہفت روزہ

اپریل 2011ء کا شمارہ

2011ء کے شمارے کی ایک جگہ

☆ "ظہور گوکار" "راحت فتح علی خان" سے ملاقات

☆ "کنپیر سے آجائے" نالیہ مغل لاکھل ہال

☆ "نورید معیت" نقاشہ ظفر لاکھل ہال

☆ "راہطے بھال رکھنا" تہوڑوں حلیفہ کلاں

☆ "محببتوں میں حساب کیسا" عیضہ نصیم کلاں

☆ "نور کے گھر" عیضہ اختر کلاں

☆ "حجرتوں کا گھر"

☆ "بہا سادقت" فوجت شوکت کلاں

☆ "مطمئنہ ساحر سے کہو" امیرہ کلاں

☆ "میں سترہ صبح امید کا" نورانیہ غزالی کلاں

## مضمون

پارے کی تھکے کی باتیں، انکا سہا، اعروج، خیر، کلاں کی دلچسپ مضمون، کلاں کا کہنی سہل شیلے ہال

اپریل 2011ء



نہن نون ٹنن۔ نون کی گھنٹی کوک سے بچ رہی  
 ام کر میں اپنی نون سے بچو آخری نون کی آخری  
 نون کے بعد ہی نون کی طرف متوجہ ہوا تھا مگر وہ  
 اب نون کی گھنٹی بونٹی ہونے کی طرح منہ  
 چلائے تھے مگر رہا تھا۔ سرکاری دفتر کا سرکاری نون  
 پہننے سے قاصر تھا۔ کون ہو گا یہ سوچتے  
 سوچتے میں وہ بارہا نون کی طرف مڑا کہ نون نے غیر  
 سے نون نون نون کی شہنشاہ گزری۔ اب کے بار میں  
 نے پہلی ہی گھنٹی پر نون اٹھالیا۔ اس سے پہلے کہ میں  
 نون سے بچو مگر نون کا پتھر کسی کے تھے مار مار بیور  
 سے دیکھ صاحب کی مترجم نون آواز سنائی دی۔  
 تھے آتے ہوئے ہوئے نون سے کھانے آئے تھے۔  
 اور پھر نون میں سے ابھرے والی نون نون نے

دیم غم نامہ

## چونکہ اسے

بھانسن دلاہا کہ مصلیہ بیان کرنے کے بعد گھٹ سے  
 نون رکھ دیا گیا۔ آن تو مصلیہ تھا اور اب یہ دیکھنا  
 تھا کہ آگے آگے کیا ہوتا ہے۔  
 پورے سال پہلے دیکھنے فرمائے والی بو کو پیسے دینے  
 تھے کہ کوئی ایسی ہی لڑکی دیکھ کر میرے ہاتھ پیسے اور  
 مسائل کرنے کا انتظام کریں۔ بوائے ڈیل رقم لے کر  
 ایک خزانے سے طویا اور جب میں نے ڈیل رقم پر  
 اعتراض کیا تو یہ انک کر لیا۔  
 گورے پتھرے چھاتھ پھوڑے کے لیے اپنی  
 ہاتھ لڑی تھی بڑی ہے۔ کل نکال کوئی اونچ بیچ ہوگی تو  
 لنگ والے تو میری چوٹی پٹریں کے نال اور تمہارے تو  
 نہ آگے کوئی نہ پیچھے کوئی۔ اللہ جانے پیدا ہوتے تھے کہ

طرح قبول کر لیا تھا۔ جیسے میں نے اس کی محبت  
 تھا۔  
 نور کو برین نہیں ہوا تھا۔ وہ اس طرح گئی کہ وہ  
 کے وہ بڑے ہی تعجب نہیں آتا تھا کہ جانے والے اس  
 طرح کیسے چلے جاتے ہیں محبت اور وہ بھی بیٹی  
 محبت جو کہیں مت اندر رہ جاتی ہے یا دین کر اور  
 بن کر اور اس محبت کو دیکھتے آگے اندر ہی رکھنا تھا  
 میری زندگی کے آنے والے کل دیکھتے معاف نہیں  
 کرتے۔  
 مجھے اور نون کو آگے بڑھنا تھا زندگی کو آگے بڑھنا  
 تھا زندگی جو کسی کے جانے سے رکھی نہیں ہے  
 نے کہا تھا کہ آون کے ساتھ مت کچھ ایسا ہو جائے  
 جب اسے وقت سے آگے جا کر فیصلے کرنے پر تھے  
 تب نہیں جا کر زندگی اتنی مصلحت دیتی ہے کہ آپ اپنے  
 فیصلے کو صحیح ہو یاد رکھیں۔  
 میرے پاس اپنی اور نون کی محبت کی بھی کوئی  
 وضاحت نہیں تھی نے بہت فائدہ ایک بات کی تھی۔  
 ”بھی مجھے لگتا ہے حضور کہ اہم لوگ زندگی میں  
 ایک سچے اگر بہت نہیں کر سکتے۔ ایک کے ساتھ  
 بہت اور سچے اگر نہیں دیکھنا ہے۔ گا نہیں  
 کھڑے کھڑے تھک جاؤں گی۔“ پھر وہ وقت کی  
 گزری ہمارے درمیان آئی اس وقت تک کہ  
 حالت کافی خراب ہو چکی تھی وہ وہاں موت کی  
 سرمدوں سے واپس چلی۔ وہ تکلیف جو اس نے لگنے  
 ہی اٹھائی اس نے میرے دل کو چھو لیا تھا۔  
 میں نے نون کا سرو ہاتھ تھما تھا اور محبت سے اس  
 کے چہرے کو دیکھا تھا۔ اس کا چہرہ بالکل بیباک اور با  
 جیسے اس میں نون کی ایک بونٹی تھی۔ وہ ہنس کے کہا  
 اس کی نرم آنکھوں میں ایک گہری مسکراہٹ تھی۔  
 ”نہلی ایک شاہد تھیں سبھی یہ احساس نہ ہو کہ  
 لوگ زندگی میں سبھی ایک سچے پر اگر بہت نہیں  
 کر سکتے۔ میں نے گہری سانس لی۔  
 ”جو تخلیق کرتا ہے وہ بلند ہوتا ہے۔“

اسے پون لگا جیسے کوئی زہر آہستہ آہستہ اس کے  
 وجود میں کھل رہا ہو۔ پتھر تو ابھی تو وہ ہی جیسا کہ  
 ہے۔  
 اس نے گہری سانس لیتا چاہی۔ لیکن وہ سانس اندر  
 ہی اندر ٹوٹ گئی۔ پھر اندر چر رہے تھے گا کہ وہ اور  
 اب وہ سانس نہیں تھی، لیکن توڑی دیر بعد وہ سانس  
 آگے واپس مل گئی۔  
 اور اس وقت میں زندگی کے بہت سارے ہاتھ  
 دوڑتے دنوں میں، کبھی یاد نہیں رہا کہ میں یہ ایک  
 بھی مقدار میں رہم ہو گا جس سے فرار ممکن نہیں۔  
 پھر وہ سانس معدوم ہونے لگی اندر چر رہے تھے  
 نور نے سر جھٹکنے کی کوشش کی، پھر وہ سانس تیز لہا  
 وہ آہستہ سے وہ رہی ہو گئی۔ لیکن وہ وہ نہیں  
 سٹھن پھر پھر وہ رہی تھی، پون لگ رہا تھا جیسے سارے  
 منظر تاریک ہوں، میں کوئی آواز نہیں تھی کوئی سانیہ  
 نہیں تھا کوئی روشنی نہیں تھی۔  
 چاروں طرف سا آنا تھا۔ سکوت اور خاموشی۔  
 گہری سانس لیتے ہوئے اس نے گلہ پڑھا۔ نا  
 نہیں کیا اسے لگا جیسے صرف یہ ہی چیز اسے  
 سے نجات دے سکتی ہے اور اب ختم ہو رہا تھا آہستہ  
 آہستہ اس کے ہونٹوں نے مسکراہٹ کو چھوڑا اور  
 ختم ہو جاتا ہے، پھر چل اسے نفس امارہ جہاں ہر ذی  
 نفس کو پلٹ جاتا ہے۔  
 جس وقت سے بیش شکایت رہی تھی آج وہ وقت  
 ہی ختم ہو گیا تھا۔

میں نے کھڑکی سے باہر دیکھا۔ شام اتنی تھی  
 شام کا وقت گزرتا اور گزارنا دونوں میرے لیے بڑا  
 مشکل ہو جاتا تھا۔  
 نور کی خبر میں نے شام کے وقت سنی تھی اور وہ شام  
 میرے اندر ہی گھر گئی تھی۔ اور وہ دکھ بھی پھر دکھ  
 تعلق کا ایک حصہ بن جاتا ہے، ہم اس کو قبول کر لیتے  
 ہیں میں نے بھی اس دکھ کو اس تعلق کو بالکل اسی



اب آئے تھے۔  
یو اپنی تین لڑکیوں کی چولی پر ہاتھ پھرتے ہوئے  
دو واڑے سے باہر نکل گئیں۔  
بات تو ان کی بھی ٹھیک ہی تھی۔ لہا کا میرے بچپن  
میں ہی انتقال ہو گیا تھا ایک روز ایک سٹوڈنٹ کے سبب۔  
اللہ نے جوالی میں ہی بونگی کی چھانڈ اور زندگی بھر جو صلہ  
نہیں مارا اور پھر تمام عمر اسکول میں تخری کر اور  
سماٹیاں کر کے مجھے پالا اور تعلیم دلوائی۔  
میرے لی ایس سی کرنے کے فوراً بعد اماں کی

دعاؤں اور لہا کے ایک دوست کے تعاون سے اچھی  
سرکاری نوکری مل گئی۔ مکان چھوڑا گیا تھا مگر نہ اور اپنا  
تھا۔ اسی اور لہا نے پسند کی شادی کی تھی اس لیے میں  
نے بھی کسی رشتے دار کو آتے نہ لے کر گیا تھا اور  
پھر جب اماں کے کھکھ سے رہنے اور میری خوشیاں  
دیکھنے کے دن آئے تو وہ ایک دن چپ چاپ مجھے آگیا  
چھوڑ کر باسکے پاس چلی گئیں۔

چھ مہینے بہت تھی میں گڑھے اماں نے مجھے صحت  
لاؤ میں رکھا تھا۔ کبھی مل کر باقی بھی نہیں بنے وقت  
میں اور پھر جب بااوری اٹانے کا لہا کر گیا اور  
بچت دو دنوں گزارا ہونے لگے تو ایک دوست کے  
مشورے سے رشتہ کرانے والی ہوا سے رابطہ کیا۔ جو  
کی خوشگلی حال ناں تو ان کی طاقت نے کہاں دکھایا  
اور خدیجہ دین بن کر میرے سونے آگن میں  
خوشیوں کے مجھے تھکے لے چلائے چلی آئی۔

خدیجہ کے لبا کی زمین میں ۱۰۰۰ روپے ہائیں تھیں۔  
بڑی کی دو سال پہلے ہاتھوں کے کھلا اور میں شادی  
ہوئی تھی۔ میرے سر نا اچھے کھاتے تھے لوگ تھے  
مگر میری شرافت اچھی نوکری اور سانس سر مند پور  
جیسے سمجھتے نہ ہونے کی وجہ سے یہ رشتہ انجام پا گیا  
تھا۔ سر صاحب نے کئی بار کھرا کھرا دلا کے محمد کے  
لیے آفری کر میں نے احسن طریقے سے انہیں کا تیل  
دیا کیونکہ میں گھر جو اپنی بننا کسی طور گوارا نہیں کر سکتا  
تھا۔

تھکے بہت اچھی بیوی ثابت ہوئی۔ اچھی  
خوشیوں کے ہندو لے میں جو لہتے ہوئے تھے  
گیا چھ مہینے چلا۔ اور پھر مجھے کول من  
عبداللہ نے ہماری خوشیوں کو چار چاند لگا دیے۔  
اچھی ہاں بھی ثابت ہوئی۔ راوی حسن ہی تھیں  
تھا۔ زندگی کی گاڑی سڑکوں کے ہی ان کی تھی۔  
سکون کی سڑک پر دو دن دو دن تھی کہ یکدم اس میں  
جو نچل آگیا اور جو نچل بھی ایسا کہ جوتی کا جوتا  
کر دیا۔

ماں باپ کو اپنی پیشیاں بنا جتے وقت ان کے  
کے بارے میں نوٹے میاں کو اچھ کرنا چاہیے  
شوق تھی ایسے جو جنوں کی راہ پر چلے ہوں وہ  
کا چھٹا آتی ہی قدر سے لگتا ہے جتنا کہ اب مجھے لگتا  
تھا۔

ایک دن دفتر سے جلدی گھر واپس ہوئی تو وہ  
بیم صاحب سے "بندہ جنوں تو بہت نہ ہاں" کہتا  
ہوئے ہی وہی کو چکاتے میں صاف دیکھان سے مشغول  
اور جس طرح کھپے خاص مہمانوں کی تعمیر کر کو  
تھرا گیا۔ آپ اس طرح وہی وہی کو چکاتے تھے  
اب وہ رہے جیسے تک اسے شرف پہنچا اور اچھا  
تھی حسب آپ بالکل ٹھیک آگے آگے  
کرکت کی ذالی ہارٹ میں تھیں۔ یہ جو ہر  
اس لیے نہیں مل سکا کہ جب حسب ذریعہ  
درمیان ہوئی بڑا اونٹ لیا ان اتفاق سے اپنے  
ہوئی تھیں اور اب کرکت کی ایک لہر تھی اور ہم  
ہو سوتے۔

میں سے نان منادی لے کر گھر پہنچے تو خدیجہ  
بھاگ کر دوڑا نہ کھولا اور جس رفتار سے تھی تھی  
رفتار سے اندر کی طرف تائب ہو گئی تاکہ وہی منام  
بھری مسکراہٹ جو حکمن امارت کے  
خیر چھلکے چھلکے گھر کے اندر داخل ہوئے  
سے چند لمحوں کے فاصلے پر بھی کر رہی تھی  
برائیاں تھیں۔ تمام تر توجہ پاکستان اور گھنٹی کی

تھی جن میں سے آدھے ان کے بڑے بھائی  
تھے جو بھٹے بھائی تھے۔ کسی کے دس دس  
سے لہو ایک ان میں ہارا تا بہت رقیب رو سیاہ بھی تھا  
سب بڑے۔

تھانما سیریل ٹیبل پر رکھا اور ستر بڑھے سا گیا  
بی عبداللہ خواب خرگوش کے مزے لے رہا تھا۔  
پاکستان کی تین چار ٹیکس جلدی جلدی کر گئی تھیں اور  
بیم صاحب غم ویاں کی تصویر میں ہی منہ میں کچھ  
بڑھ بڑھ کر گئی وہی اس میں پر پھونک رہی تھیں۔ مسٹر  
پوم بیگ کرنے آئے تھے جیسے ہی مسٹر پوم نے چھکارا  
ذہن بال سے زیادہ اور اچھلے اور چلا میں "پوم کبابے  
جو جو۔"

"بیم! ذرا آہستہ۔ عبداللہ اٹھ جائے گا تو چھوڑ دیکھتے  
نہیں ہے گگ۔ میں نے پڑ کر تنبیہ کی۔  
"آپ اس کی فکر نہ کریں میں نے اسے ضرور گن پلا  
دیا۔ آپ یہ سچ ختم ہونے کے بعد ہی آئے گا۔"

"آیا! میں شرف کے بن کھولے ہوئے چلا یا اور  
اتنے میں مسٹر پوم بنا دھوم مچائے پوسٹوں کی طرف جا  
رہے تھے۔  
"ایک تو آپ بھی پتلا ہر بات میں اتنی کیا کہاں اور  
کب کہتے ہیں سو بھان کر گئی مل روکت۔ "بیم من  
بھان کر بیٹھ گئیں۔ "دھیان اب بھی لی ہی کی طرف ہی  
تھا۔"

"آیا ایسا کو۔ پرتن تو لے کو۔ کھانا لھنڈا ہو  
چلے گا۔ مجھے بھوک لگ رہی ہے۔"  
مسٹر پوم کی وکٹ کرانے کے جرم میں میں نے  
شرف منہ لہجے میں کہا۔

"مگر پرتن کہاں سے لاکھ تو میں نے دھونے ہی  
نہیں۔ سچ کا انظار کرتے ہوئے کسی کلم میں دل ہی  
نہیں لگ رہا تھا۔ آپ کو کیا یہ کتنی مشکل سے دوپہے  
ہیں۔"

بیم صاحب نے مصحوبیت سے خود کو درپیش مشکل  
پلان کی اور ایس گرون نوے گری کے ذالیے پر موڑ

کامیاب کام محترم خود کر گئی تھیں۔ میں نے نام  
والی رکھنے کے لیے گمانی گران کا کھتا تھا کہ وہ ہندوں کا  
کلم ہی کتا ہے پھر پرتن میں جا کر میں نے ایک ڈونگا اور  
دو تیس دھوئیں اور کھانا نکل کر خود ہی کھایا۔ کیونکہ  
بیم صاحب نے ڈکڑت ورت کر لھا تھا جو مسٹر پوم کے  
ہاتھ میں رحمت گانچیک دیکھنے کے بعد ہی پڑا تھا۔

مجھے خدیجہ سے بہت محبت تھی اور پھر سارا سال وہ  
میرا اتنا خیال رکھتی تھی تو ایک دن اس کے شوق اور  
خوشی کی خاطر خود لاسا کام کر لیا تو لایا ہوا پرتن دھوتے  
لھانا نکلتے ہر مو کے اندر مجھے روانی اور غیرت مند  
شوہر کی آواز کو ان لفظوں سے تسلیم ہی اور عبداللہ کے  
پاس ہی سونے کے لیے بیٹ گیا۔ گھر کے اب ہمارے  
اصب میں خند گھل اور چین گھل۔۔۔

ترج سہری لٹکا اور پاکستان کا سچ تھا میں نے دفتر سے  
مجھسی کر لیا تھی تاکہ عبداللہ کو دفتر میں نہ بیٹھ پڑے۔  
خدیجہ بھی تو سچ کے شہر کے اور وہیں تم جا کر  
آئی ہی سہا نہ لانا۔ میں نے بی بیان اور عبداللہ  
کے سچ پکارتے ہوئے سر کو تھکتے فرما کر ہی۔  
"آپ بھی مل۔ اگر سچ کو شہر سے نہ لکھا تو کیا  
دیکھا اور میں یہ عبداللہ کو ذرا بر آگے تک لے  
جاتیں۔ آپ دونوں مل کر اتنا شور مچا رہے ہیں کہ کچھ  
بھی لے نہیں پڑا۔ "بیم نے فری ہٹ پر بڑے  
دل سے جھکے کی بیال کی طرح باپ بیٹا دونوں کو ہلا کر داری  
لاؤں کی راہ دکھائی۔

چند گھنٹے عبداللہ کو سنبھالنے کے بعد میرا دل چاہا کہ  
اپنی بیوی سمیت دنیا کی ہر مل کو سیوٹ چیش کر لیں جو  
دن رات بچوں کو سنبھاتی ہیں۔ نواب صاحب ابھی  
صرف آٹھ ماہ کے تھے مگر چند گھنٹوں میں ہی مجھے باکوں  
پتے چھو کر دن میں تارے دکھا چکے تھے۔  
"خدیجہ! عبداللہ بہت جھگ کر رہا ہے" اسے

سید۔ میں چاہے خودی سے نہ لی تو کس کرنا ہوں؟  
میں نے دروازے سے جھانکے ہوئے کھل  
اب توجیح کے اندر چل رہے تھے پاکستان ٹیک  
ٹھاک بیٹنگ کر رہا تھا اور مجھے امید تھی کہ اب تو وہ کرسی  
سے اٹھ ہی جائے گی۔ مگر حساب کرسی اتنی آسانی  
سے کون یہ توڑتا ہے۔

”آب بھی مل ایک دن مبر نہیں ہو رہا۔ اگر بیچ  
کے بیچ کے اور نہ دیکھو تو اینڈ کی سمجھ ہی نہیں آتی۔“  
ناصحانہ انداز میں معلومات فراہم کی گئیں۔ اینڈ  
اسٹریٹ کا پورا نام ہی بھی پھرے پر توہراں تھا۔  
میں پرتکے میں واپس آ گیا اور بیٹنگ پر لینے  
عبداللہ کو سمجھنے لگا جو اب سونے کے لیے رہیں کریں کر  
رہا تھا۔ ایک ٹگنے دار مقابلے کے بعد گریں شرت بیچ  
جیت گئی تھی اور مسلسل دو سہری کامیابی کے بعد بیگم  
صاحبہ کے جوہلے اور شوق میں لٹا ہوا گیا تھا۔

آج پاکستان کا مقابلہ کیتھرائٹ جی بی بی ٹیم سے  
تھا۔ چھٹی کا ٹیبل تھا۔ آج میں نے بیگم سے اصرار کر  
کے بریائی کی گئی تھی۔ ہوشوں کے کھلنے کا حکم کر  
طبیعت زار ہو گئی تھی۔

وہ بریائی کو دم نہکا کر فاس ہو کر اپنی کرسی پر آکر بیٹھی  
تو تب تک پاکستان کی کے بعد دیکر سے چار دیکھیں کر  
چکی تھیں۔ اس نے مجھے اتنے غصے سے دیکھا کہ جیسے  
اگر وہ کرسی پر بیٹھی ہوتی تو وہیں گرنے سے روک  
لیتی۔

”ٹیک لٹ لڑی۔ یہ تو بی بی ٹیم ہے۔ فکر مت  
کو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ میں نے بریائی کی  
خوشبو کو محسوس کرتے ہوئے تسلی دی۔  
”ارے اب کو کیا پتہ آج کل کے بیچ بھی ایسے  
ایسے کارنامے انجام دے رہے ہیں کہ بھول بھول کے  
منہ کھلے رہ جاتے ہیں۔“ اس کا اشارہ انگلیوں اور آہلیڈ  
کے بیچ کی طرف تھا۔

وہی نے اٹھ کر عبداللہ کو شیلانی جوائی اور  
بریائی پر بیٹھے بیٹھے ڈانس کرتے دیکھا تھا۔ تو میرے  
آنکھیں دھولوں کھل کر کھلی رہ گئی تھیں۔

پاکستان کی ساری ٹیم بہت کم اسکور پر آؤٹ  
تھی اور آج بھی سٹریٹ میں بیٹنگ کے جوہر نہیں  
پائے تھے۔ جس کی بیگم شرت سے جھگڑیں۔  
اور اب آج سے کھٹنے کے وقت میں دیکھا کہ اسٹیڈیم  
طرح گیارہ کھلاڑیوں کو بجائے کون کون سے ٹیموں  
رہی تھی اور ساتھ ساتھ بیٹے لینے کا ارادہ  
بے جاہوں کے سر چروا تھا۔ جاتے ہم اتنے جذبہ کی  
ہوتے ہیں؟ ہر بار جیت ہمارے ہی نصیب میں  
بھی تو ممکن نہیں۔ ہر بار تم سے برداشت ہی نہیں  
اور ایسے موقعوں پر قوم جس طرح ایک ہوتی ہے  
وہاں کے لیے ہاتھ بند کیے جاتے ہیں۔ یہ بھی  
مظاہرہ ہوتا ہے۔ جب الوطنی کا دروازہ چل میں کر  
لیتا ہے وہ عام دنوں میں تبدیل نظر آتا ہے۔

یہ نہیں تھا کہ مجھے کرکٹ سے کوئی دلچسپی  
تھی۔ شگلی سے لینے تک کرکٹ رکھیں گے اور  
مخد کے لیبل تک کھلی بھی تھی خراب۔  
کرکٹ سے اس قدر محبت بلکہ جھلن رکھ کر کھیلے گا  
اور بے سے دوست ہونے لگی تھی۔ دنوں کو خوالوں  
میں اسٹیڈیم مہما زار اور بیٹے نظر آتے تھے۔

”ارے بھئیے، اے کیسے تو کیا سائل ہے۔ کیا ایسا  
بے شکر میں کامیابی نہیں ہوتی تو کیا ہوا تو کھٹ  
تو سٹریٹ میں اپنا جاؤ گھا رہا ہے۔“ میں فائل پر جھکا  
اور ایک دو کر رہا تھا کہ جب بیگم نے مجھے شرت سے  
پکڑ کر جاتے ہوئے کھل چلنے والے واقعی کھل کر گیا  
سٹریٹ کے دھڑا دھڑا کر کے گرانے سے قبل تک  
بیگم سانس بھی ایک ایک اور کے بعد لے رہی تھی  
بیچ بڑے شگفتہ طور پر بیچ چکا تھا اور ساری باتوں

کر کے میں بھی چند لمحوں کے لیے کرکٹ کے  
مخد میں سٹریٹ میں عبداللہ نے چل چل کر  
درا شوق گروا۔  
خدیجہ کرسی سے اٹھی عبداللہ کے پاس گئی اور  
دیکھ کر پھر اس کرسی پر بیٹھی۔  
”بھئیے عبداللہ نے یہ بھی کیا کر لیا ہے۔ آپ اسے  
بیچ کر دیاں۔“

بیگم کا پہلا فل شرتنگ بار کرسی طرح میرے کانوں  
سے ٹکرا لیا اور وہی ٹکڑا لیا۔  
اتنے باحے لکھے دو گدا اور شریف شوہر کی طرح  
چارو ناچار یہ کلم بھی کرنا رہا جس کے بارے میں کبھی  
خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔  
اس سے پہلے کہ میری زندگی بلی لہ کن اور بلی لہ  
تک کی پوزیشن پر چکن اور واش روم میں فیلڈنگ  
کرتے بیت جاتی۔ میں نے انصاف کے لیے تھوڑا

امپائر سے رابطے کا فیصلہ کیا۔ پاکستان یہ بیچ بھی جیت  
گیا تھا۔ ساری ڈاربی پس خاوری کے لیے جو بھی اندر  
نی اندر دل نے مسلسل ٹیمیں کامیابی پر سمکڑے  
ایسے تھے اور خدیجہ کی خوشی تو جھلی گئی اور اب وہ  
دروالے پر کھڑی بچوں میں جلیبیاں پانت رہی تھی۔  
گولی کل رس دار جلیبیاں بھی آج جیت کی خوشی میں  
پھولی پھولی لگ رہی تھیں۔ سخت مدھی ایک جلیبیاں  
منہسں رستے ہوئے اب میں کو مطمئن تھا۔

دروازے کی کھنٹی مسلسل بج رہی تھی۔ میں دروازہ  
کو کھولنے محسن کی طرف گیا۔  
”ارے ابی! آپ؟“ دروازے پر بیگم کی ابی بیٹی  
نیکی سانس صاف کھڑی تھیں جس نے خوشی میں سے  
سکراتے ہوئے ان کو راستہ دیا۔

اور اب حیران مت ہوں مجھے پتہ ہے والد  
سہاسی کے آنے پر خوش نہیں ہوتے مگر میری خوشی  
اور ان کو آنے کے پیچھے ایک سوچا پو شیدہ تھی۔

پاکستان اور نیوزی لینڈ کے بیچ کو شروع ہونے میں  
تھوڑا وقت تھا اور خدیجہ جلدی جلدی لی وی کے پاس  
رکھی کرسی کے گرد اپنی اور عبداللہ کی ضرورت کی  
چیزیں جمع کر رہی تھی۔

”ابی! آپ اپنی بیٹی کو سمجھائیں سارا اگر ٹپٹ ہو  
کر رہ گیا ہے۔ میں نور عبداللہ بارہویں کھلاڑی کی  
طرح سارا دن اس کا انتظار کرتے ہیں۔ میری تو خبر ہے  
مگر عبداللہ ابھی بچہ ہے اس کے شوق کو نہیں سمجھ  
سکتا۔ وہ چڑھا ہوا گیا ہے اور آئے دن اس سے  
چھٹیوں کی وجہ سے بھی مسئلہ ہو رہا ہے اور پھر ہر چیز  
میان روی کے وارے میں ہی ٹھک لگتی ہے۔“

میں نے ابی بلی زبان میں بیگم سے نظر پھرتے  
ہوئے سانس صاف سے اینڈ لکھا لڑا۔  
”اسے ہلے آگ ڈرا ساتو شوق سے بیٹی کو۔ اور وہ  
بھی ورلڈ کپ کے بیچ ہے تو اتنی کم ہوتی ہے اور پھر  
پورے چار سال بعد آئے ورلڈ کپ پھر عام دنوں  
میں ٹیمیں اور عبداللہ کو کبھی شہرت کا موقع ملا تو تم  
یوں شگفتہ لگا رہے۔“

ابوئی تھوڑا امپائر نے بھی اللل بیچ جھائی تھی۔ اب  
میں تک مہرور الزام ٹھہرا لیا گیا تھا۔ فریڈ نے حیران  
پریشان نظروں سے ابی بلی کی طرح دیکھا۔ صبح کے  
ہیں کہ رشتے بدلتے نہیں تو کبھی بدل جاتے ہیں اور ایسے  
بدل جائیں تو لفظ خودہ خود تبدیل ہو جاتے ہیں۔ یہی  
ابھی تھی جو تمام عمر اسے کرکٹ دیکھنے پر ایسے پیچھے  
بڑی رہتی تھی کہ کیا کم جتنا ہمیں کبھی نہیں چھو  
قٹ کے سوا ایک بلی کے پیچھے پڑے ہوئے پھر رہے  
تھے۔

اب ورلڈ کپ پاکستان آئے نہ آئے مجھے امور  
پوری خاندان واری اور امور حاصل خاندان واری بخولی  
آجائے گی۔ اور پھر دعا کیجئے گا کہ ورلڈ کپ ہم لے کر  
آئیں گے تاکہ اگر سٹریٹ میں غلغلہ ہوتی ہے تو  
بیگم کے بے انتہا غم اور غصے کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

# پہچان اور

آدھ تک اک ساتھ چلیں  
جب تک یہ کشتی چلتی ہے  
جب تک رستے لے جائیں ہمیں

جب تک راہیں ہموار ملیں  
ہم دور تک اک ساتھ چلیں  
ہر لمحے میں کوئی آس کا جھنڈا کسی لئے آرا کا لہرا

مکمل ناول



اب سخی خالی تھی۔ شاید سوتے میں مٹھی سے پھسل گیا کھڑا سے تو پیشہ زندگیوں سے گئے رہے تھے۔ اس نے کھلی کھڑکی سے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے رات سے مارا ناک ایسا۔

رات اس کی خواہش پر سر جھٹک کر نہں ڈالی۔ تارے آسمان پر دیکھتے ہوئے جبگیس پھل بدل کر کہیں غائب ہوتے جارہے تھے۔ اسٹل کے کمرہ بہر چارکی کھڑکی بھی بند ہوئی۔

ہنہل نے اپنے بستر کے برابر والے خالی بستر کی طرف دیکھا۔ آج نے زندگی میں پہلی مرتبہ جاتے ہوئے بستر نہیں سمیٹا تھا۔ کھلی بستر پر ایسے پھیلا تھا جیسے کوئی سٹرا سو رہا ہو۔ اسے آج کا بیسج یاد آیا جو آج اس نے کیا تھا۔

”جب ملتے رہیں گے تو آخری بار کیوں ملتے؟“ وہ دوبارہ بیسج دیکھ کر مسکراتا۔

جاتے ہوئے وہ اس کے لیے کھانا بھی چھوڑ گیا تھا۔ جاتے ہوئے نہ نئے کا کچھ جا کر رہا وہ کسی اور کو سوچتے سوچتے لٹ گیا۔ ایک خوش قسمتی جیسے کے سرہانے رکھ دی۔

جب ملتے رہیں گے تو آخری بار کیوں ملتے تھے۔ محسن سے برا کھیں آنکھیں بند ہونے لگیں۔ تینوں وقت کھانا کھاتی ہیں۔

اسٹل کے کمرہ بہر چارگیں اندھیرا تھا۔ یہاں کی آخری بجائے لوہیوں سے کرسٹال رہا تھی۔ باہر پوچھنے کو تھی اور وہ سو رہا تھا۔ پیا گل ہی تو تھا۔



کرم پور میں آج صبح شام کی طرح اتری تھی۔ سجانے کتنی محسن تھی جو اس کے وجود میں سمائی تھی۔ اس نے سورج کو کھڑکی کھول کر اندر آنے کی دعوت دی۔ کمرے میں روشنی کی لہریں پھیل گئیں۔ جیسے اچانک ہی زندگی کا کوئی احساس جاگا تھا۔ ورنہ تمام رات اس کمرے میں زندگی کبھی ہوئی تھی۔ زبرد

بیل کی روشنی بھی آنکھوں میں چھو رہی تھی۔ اس نے رات بھر اندھیرا کیے وہ منہ لپیٹے پڑی رہی تھی۔ نیند کے نام پر ایک سوئی جالی ہی کیفیت تھی۔ سوتے دھننے سے کوئی سوچ سراٹھائی۔ پھر وہی خواب سنا۔ جھٹکا کھا کر پوری آنکھیں کھول دی۔

ایک کھڑکی کی ایک کنگ تھی اور ایک بل کی تھی اس اندھیرے میں بھی زندگی کا احساس دلانی تھی۔ اسے لگا تھا کہ جیسے وہ اپنا آپ وہیں چھوڑ آئی ہو اور دل تو وہ پہلے ہی کہیں رکھ کر بھول گئی تھی۔ ایک دن اس نے کہا تھا۔

”تمہارا دل ڈھونڈ کر لائیں گا۔“ اور وہ بس یہی کہتی تھی۔

دل تو اس نے ان ہی گلیوں میں کہیں چھوڑا تھا جہاں سے وہ روز گزرتا تھا۔

ایک دن ایسے ہی انقلاب کی باتیں کرتے کرتے اس نے اپنی ہی منکر اچھال کر منور پیدا کیا۔ اس کا نام ”پروہ آتم جب خاموش ہوتی تو مجھے فضا میں ہرچے بھرقم ہی جاتی ہے تم لوگو کو تاکہ زندگی کا سانس نہ رہے۔“

”مگر بھی سنبھرا موان کی کہانی کے پیرا پیرا چھوڑ جب سنبھرا انقلاب کی بات کرتی ہے تو ہنہل اسے ہنسی میں رکھ کر خواب پیش کرتا ہے اور کبھی کبھی میری مٹھی میں وہی خواب سمٹنا جاتا ہے۔“ اس نے اس کی طرف دیکھ کر سوچا تھا مگر خاموش رہی تھی۔ کیونکہ ہنہل کی اس توہرات کا خواب ہوا کرتا تھا۔

مگر ابھی ایک دم اس کے دل میں خواہش نے اٹھایا تھا کہ ایک دفعہ اس سے ملے اس کو بتائے کہ دیکھو تمہاری پر مٹھی ہے اس کو کچھ محسوس نہیں رہا۔ نہ خوشی اور نہ ہی غم۔ تم خواب جاتے کی خوشیوں کی بات کرتے ہو محبت کی بات کرتے ہو محبت پر کہ روشنی ہوئی سبکی کی طرح منہ موڑ کر ملی گئی ہے اسے منانا اب آسمان تو نہیں تا!

”اور انقلاب کی بات تو جیسے کہانی لگتی ہے سنا

سروان کی کہانی اور ہنہل کی کہانی ہنہل میں زیادہ دیر چلائی کا پیرا پیرا ایسے کندھوں پر نہیں چھو سکتی۔ میں نے یہ بوجھ ادا نہیں کیا ہے۔ تم بھی ادا نہیں کرو۔ کہانی کی دنیا سے نکل کر حقیقت کی دنیا میں آؤ۔ جنگلات کی فاسوشی سے نکل کر مٹیوں کے شور میں کھو جاؤ۔ پھر سے حالات کی باتیں کرو۔ من گھڑی کا رونا روئے دیکھ جاؤ۔ سیاست کی باتیں کرو۔ منکر انقلاب کی امید رہنے دو۔ اور اگر ایسا نہیں کر سکتے تو۔

تو اپنے آپ کو کہیں رکھ کر بھول جاؤ۔ میری طرح بھول جاؤ کہ کبھی ہنہل اور پھر راستوں میں گھولنے لگے۔

محبت کو کسی بھول کے کہاتے میں ڈال کر سو جاؤ تاکہ آدھے سے سو سکو۔

آپنی ہی جال سمیٹتے ہوئے اپنے عکس پر اک لگا ڈالی تو خود کو سے بھر کے لیے بھونکنی نہ سکی۔ اس نے باہر جانے کا سوچا اور کمرے کی تختی سے نکلنے کے لیے باہر جھانکا تاکہ زندگی جاگ رہی ہے۔ ایک لمحہ ہی کہ نہ رات میں سو سکی اور نہ ہی دن میں جاتے کا احساس کیا گیا۔ گھر کے افراد اپنے جاتے کاموں میں مشغول تھے۔ لہذا اپنی بیوی کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا۔ اس کا کمرہ اور وہی تھی اور وہ سچ زکریا تھا اس نے اپنی ہی ہنہل اور زندگی سے بھر پور منکر ایٹ دیکھی تو اس کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ آئی۔ یہی زندگی ہے۔

وہ اپنے کا نکلنا ہوا پلو سمیٹ کر پیرا پیرا چھوڑ کر گھر میں نکل آئی۔ ہنہل سورج کی روشنی ایک پر جوش لہن کی نشان دہی کر رہی تھی۔ جیسے جیسے روشنی اس کے وجود میں کھیل ہوئی تھی اس کے اندر جیسے کوئی توانائی بھری تھی۔ اس کے اندر اندر جوں سے لڑنے کا جوصلہ پیرا پیرا تھا۔ سورج اس کے وجود میں اپنی کرتیں چھوڑ کر شام کو غروب ہونے لگا تھا۔ آج کے لیے اتنی روشنی ملنی تھی۔

اسے اگلے دن کا انتظار تھا اور اپنی تہہ پر کے ڈھیلے کا

بھی۔ ”آخر کیوں کیا کیا آپ نے ایسا کیا؟ کوئی اپنی اولاد کو اس طرح دوائیوں کے جنم میں داخل دیتا ہے کیا کوئی اس حد تک بھی آنکھیں بند کر لیتا ہے۔“ بتاتے تھے۔

وہ آج سارے سوال لے کر تاناکے سامنے آنکھیں ڈھولی تھی۔

اور وہ خاموشی سے اس کی طرف دیکھتے رہے بغیر کچھ کہنے سے۔ اس کی کن رہے تھے۔ ”ان کی زندگی میں نے دیکھی ہے۔ سکتی ہوئی گلیاں آپ نہیں جانتے؟“ بے خبریوں ان سارے طوفانوں سے جو ان کی زندگی میں آئے اور ان کا کمرہ میں آزا کر لے گئے؟ کیا ہے خبر ہے وہیں آپ ان ہنہل سے جو ان پر رہتے اور ان کی زندگی مشکل میں ڈال دی؟ کیا آپ بے خبر تھے ان کے حالات سے؟“

”اس نے ایک دفعہ بھی خود آکر میں میں بتایا۔ ہم لوگوں سے ہی سنتے رہے سب وجہ۔“ ان کے بجائے نام بول رہی تھی جو اتنی دیر سے اس کے سامنے کے جواب سوئی رہی تھی۔

”اچھا۔“ سنی کہ لوگوں نے کہا اور آپ سب کچھ سنتے رہے۔ سنیوں کی طرح۔ کتنے انہوں کی بات ہے۔ تاکہ پھر آپ میں اور ان لوگوں میں کتنا فرق رہتا ہے۔ جو پارہاں کی راتوں میں پھرتے کر آگئے تھے۔ نا انصافیاں ہوتی رہیں اور آپ سب نے ہونے دیں۔ وہ کیا بات ہے۔

”ہاں لوگ باتیں ٹالتے رہے اور ہم سنتے رہے۔ ہماری عزت کا بھی خیال نہیں کیا اس نے مگر پھر بھی طلاق لے کر آئی اسے گھر میں رکھا۔ پناہ دی۔ جگہ دی۔ کچھ بھی نہ کہا اس کو۔ کہ وہ پیچھے کیا تماشاکر لگی تھی۔“

وہ بات کو اپنے رنگ میں بھال کر اپنے تئیں اسے لانا جواب کر رہی تھی۔

”جب وہ طلاق کا طلق لگے میں ڈال کر آئیں تو

آپ کو ایک بار بھی یہ خیال نہ آیا کہ اس کے پیچھے کوئی اور نوازا ہو گا۔

”اوست اس نے کبھی گھر بنانے کی کوشش ہی نہ کی تھی۔ ایک دن کبھی وہ اپنے شوہر کو خوش نہ رکھ سکی اور الزام کا وہ سربروز دل دیا۔ حد ہے۔“

”وہ ایک شرابی، ناشتی اور ہواداری شوہر کو خوش رکھ سکتی کیسے کہتی تھی۔ اور ہر کون سا؟ جہاں وہ ایک ملازم سے بھی کم حیثیت میں رہتی تھی۔ رات دن دیر دیر دیوانوں ان کے بیٹے کو در ماں مویشیوں کی خدمت کرتی۔ یہی ماں اس گھر میں چلا اور اس کی طرح رہتی تھی۔ وہ بیٹھوں کو چارہ ڈالتی، دودھ دیتی، گوبر تھاپتی، چالوئوں سے لے کر گھر کے تمام افرادی ذمہ داری ان پر تھی جو انہوں نے نبھائی۔ گھر اس سب کے بدلے کیا ہوا ان کے ساتھ اس گھر میں کلاہر کئی نے ان ظالم لوگوں سے یہ تک نہیں پوچھا کہ جس کو ملاؤں سے بنیاد کر گئے تھے اس کا یہ حال گویا ایک بار تو خانان سے لگے۔ وہ نہ تو نہیں لیتے گھر انہیں بنا تو چکا کہ کوئی ہے جو ان کی خاطر لڑ سکتا ہے۔ بات کر سکتا ہے۔ بیٹھ نہیں دے۔ گھر آپ نے تو انہیں احساس دلایا کہ آپ سنبھالنے کے نہیں دیا تھا۔ آپ نے انہیں احساس نہیں دیا کہ آپ انہیں مرنے کے لیے بھجوا رہی اور وہ مرنے لگی۔ یہ تھا آپ کا مصائب؟“ وہ وہی ہو گئی۔ انہوں نے کالوں سے لگے جس ایک گرا تھا۔

”ہر عورت گھر بنانے کے لیے قربانیاں دیتی ہے۔ گاؤں کی ہر عورت گوبر تھاتی ہے، دودھ دیتی ہے، چارہ کاٹتی ہے، مویشیوں کی دیکھ بھال بھی کرتی ہے۔ گھر بار بھی دیکھتی ہے۔ یہ تو عورت کا کام ہے۔ مکمل نہیں کیا اس نے بنیاد ہوتی ہے تو پھر انہیں پڑنا ہے۔“ اس بار بھی ان کے نرم ہونے سے پہلے ہی وہ پھر شروع ہو گئی۔

”نہ چاہتے ہوئے بھی نبھانا ہی تھا۔ مگر صلا کیا ملا ان کو؟ ان لوگوں نے تو کھگے دے کر گھر سے نکال دیا اور آپ لوگوں نے بھی مجھے تو لگتا ہے ان کو ہی برا سمجھا۔“

قربانی سائل اور مہربانہ ٹکری یہی تھا۔ جس صاحبہ میں آپ بھی نہیں۔ گھر مبارک تھے شوہر اور ان جیسے باپ ہوتے ہیں۔ وہاں کسی قربانی کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

”ارے اگر اتنی ہی مصوم ہے تھی تو میں۔ تم پرست ہی بیٹھے مگر پھر بیٹھی چاہر کر کے وہیں پر۔ کیوں آگئی طلاق نے کہ ہم جیسے لوگوں کے پاس۔“

”کاش کہ وہ طلاق نہ لیتیں۔ مگر طلاق انہیں دی گئی وہ بھی ایک گھنٹوں الزام کا کہ جس کو سنبھالنے ہوئے بھی مجھے شرم آتی ہے۔“ اس کے لیے میں اسے صرف انہیں تھا۔

”تو اس کے بچپن پہلے کیا کرتے تھے جو کچھ وہ یہاں کر گئی تھی۔ وہ کیا کم تھا وہاں بھی اسلیت دکھائی دی۔ اس نے ماں باپ کی عزت کا خیال تک نہیں کیا تھا۔“ وہ جیسے پھٹ پڑیں۔

”اوست۔ تو آپ بھی شامل تھیں۔ وہ۔ اور تفصیل سے بتائیے۔ وہ یہاں کیا کر گئی تھی۔ اب اس نے ہر کیا الزام لگا دیا ہے۔ اور کوئی مٹا رہا ہے۔“

”جوان کے ہمارے یہاں کی طرح تھا۔ وہی کبھی ان کی طرف والی کر لیا کرتی۔ اس بات کو پورا اکتانہ کرنا نہیں ہوتا۔ ذلیل کر دیا گیا۔ یہ حالات میرے سامنے تھے۔ ایک کیا سال کی بچی میں اتنی کچھ پوچھ رہی ہے کہ وہ کچھ سیکھ رہی تھی یا کیتو۔ کس۔ شاید میں ان کو کٹھ میں کوئی اور ہوں۔“

”انہوں نے یہ الزام لگایا تھا اس پر اور تمہیں یہ تو مغربی انگریز ہی مجھے سنتا تھا۔ تم نے کچھ تو یہ بتایا ہے گا کہ وہ بھڑکا کر کے آئی ہے۔ اس نے خود طلاق لی ہے۔“

”نانا کو جیسے گھر اوروہ پہنچا تھا۔“

”مگر میری بیٹی ایسی نہیں تھی۔ وہ نہیں تھی ایسی۔“

”جہاں وہ تھی۔ میری بیٹی کی قطرت ان بچوں سے باک تھی۔ اس کا بیان سفید تھا۔ اس نے بھی کوئی ایسی حرکت نہیں کی تھی جس سے اس کے گرا پر کوئی چھٹا بنا ہو۔ اس کے ساتھ وہاں وہاں لگا ہوا وہ ایسی نہیں تھی۔ کاش کہ وہ لوگ مجھے بتاتے۔ یا وہ مجھ سے بات کرتی۔ مجھے بتائی۔ کچھ تو کہتی۔“ ان کی آواز بھر اٹھی۔

”مگر وہ تو مت اور ہو گئی تھی بچھو سے بہت شکایتیں تھیں اسے۔ مجھ سے مجھے یہی تصور ہوا سمجھا اس نے۔“ ان کا دل بھر آیا تھا۔ کتنے عرصے بعد بھر کتنے ملاں مہراٹھ نے ملے تھے۔

”اس سب کے ذمہ وار آپ تھے نانا۔ انہیں روٹیوں کی پتلی میں بھر دیا آپ نے۔ گاؤں کا ایک اچھا اور شریف لڑکا ان سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ کر دیتے تھے نہیں آپ نے تو روٹیوں اور ٹوکوں کی پروا کی۔ اور پھر پتھر کر ان کی زندگی کی چابی کا کٹھا شام کھا۔ اس کے بعد وہ بھی وہ آپ سے شادی کر گئی۔“

”اسے تو آپ سے نفرت ہوتی چاہیے تھی۔ شکایت تو بہت کر رہی تھی۔ ایک ہی وقت میں اس کے کٹھ کے کٹھ۔“

”وہ پھر ایسا ہی وہاں کی لڑکی آپ کو گھر سے لے کر آیا ہے۔ جواب وہی گھر ہی ہے آپ سے اور یہ لڑکی سن رہی ہے۔ جیسے سنبھال سکتے تھے۔ آپ نے اسے ڈھیل دی اور اس کی زبان بڑھتی گئی اور اب یہ لڑکی اپنی ماں کی طرح آپ سے حساب برابر کرنے لگے۔“ مغربی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”اسے کہنے وہ مغربی۔“ وہ جیسے تھک سے گئے تھے۔

”کیا تھا اگر آپ ان کے سامنے ایک دفعہ مان لینے کہ آپ نے ان کے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ ان کو اپنی روایت پر قربان کیا تھا۔ کم از کم انہیں آخری خوشی تو دی کہ آپ کو اپنی زیادتی کا احساس ہے۔ وہ کتنی تھیں تھیں آپ کے کا انتظار ہے کہ یہاں کے پاسیوں کو لیا لیا بیٹوں کا احساس ہو۔ کیا پتہ اس سنبھال کے بعد

”اب کوئی اور سنبھالوایت کی حیثیت پر سنے سے کیا جائے۔ کیا یہ یہ قربانی آخری قربانی ہو۔ چاہے وہ سنبھال آخری نہ ہو۔ کئی قربان ہونے کے لیے گرا ایک جھولی تھی ہی اسے۔ انہیں کچھ سکون تو مل جائے۔“

”تو تمہارا مطلب ہے کہ میرا باپ تمہاری ماں سے معافی مانگا؟ اپنی بیٹی سے کوئی باپ معافی مانگا کیا اچھا لگتا؟“ مغربی کوئی ایک سوئیں تھی ہاتھ سے جلنے نہیں دے رہی تھی۔

”کاش کہ مجھے کچھ بتائی تھیں تو یہی نہیں چلا۔“ وہ کر سکی کی ابھی کو تمام کرانے کی کوشش کرنے لگی۔

”ارے نہ ابھی ان بوڑھی بوڑھی بڑوں میں لکھ رہے کہ اپنا پار اٹھا لیں۔“ مغربی سارا دینے کو آگے بڑھیں تو انہوں نے ان کا ہاتھ جھٹک دیا اور گھٹوں پر زور دیتے بیٹھ گئے۔

”آپ نے ایسا کیا کہ وہاں جو معافی مانگتے اس سے پر ہی بولنے کی مرضی سے شادی کرتی ہے۔ کوئی لوگھا۔“

”والدین اپنی اولاد کی زندگی کا سوا آٹھواں حصہ کر کے نہیں کرے۔ گھر مانا نے اپنی گھنٹہ نہ شوہر خوب صورت اور خوب سیرت بچی کے لیے ایک نفسی شہرلی اور آوارہ کا انتخاب کیا۔“ وہ ہار نہیں مان سکتی تھی۔

”وہ اس کا بچپن کا مکتبہ تھا۔ پہلے ایسا نہیں تھا۔ وہ وہاں میں ایسا ہوا اور پھر یہاں تو سب ہی لوگ ایسے تھے پھر تمہاری ماں کے مزاج پر پورا کون اثر آیا؟ میری بھی شادی بیابانی کی مرضی سے ہوئی مگر میں نے بھی تو بنیاد کیا۔“ انہوں نے اسے اپنے آپ کو بھی مثل کے طور پر پیش کر دیا تھا۔

”وہ اس سے پھر بھی بہتر تھی تھی۔ کم از کم وہ وقت کی روٹی عزت سے تو بنیا کرتے تھے۔ آپ پر اتنا بوجھ نہیں ڈالا گیا اتنی نا انصافیاں نہیں ہوئیں آپ کے ساتھ۔ ان کے گھر راج کرتی رہیں آپ۔“

”اب یہ تو ہر ایک کا نصیب ہو گیا ہے۔“ وہ نصیب پر

ذرا کر رہی تھی پچھلے۔

"سب بچوں کی نصیب میں لکھا ہوا ہے وہ بھی جو ہم کسی کے ساتھ زیادتی کرتے ہیں۔ اگر انسان کے ہاتھ میں خدا کوئی اختیار نہ دیتا تو انسان کے لیے روز حساب نہ ہوتا۔ عذاب نے تو اسے آزمائے کے لیے اختیار دیا اور وہ دانت سے نکل کر وہ سول کا جینا حرام کرنے میں لگ گیا۔"

اسے اندازہ تھا کہ وہ گفتگو کا رخ موڑنے میں مہارت رکھتی ہیں۔ مگر وہ ان کی ہر بات کا جواب دینا چاہتی تھی۔  
"تمہاری زبان سے تو پتہ لگتی چلے سے ماں سے زیادہ تیز ہو۔"

"یار میری مروجہ کتاب مت لیں۔ جب تک وہ زندہ تھیں۔ آپ نے ان کا دل کھلنے میں سرنہ چھوڑی۔ اب تو صاف کر دیں انہیں۔"

"تم سے بھی کون باتوں میں جیتے کتاب لوجی ہو۔" وہ بے زاری سے کہتی ہر نکل گئیں۔  
اسے ان سے کسی کی توجیح تھی اس لیے حیرت نہ ہوتی تھی۔

"یہ اور کون۔" وہ پتک پر بیٹھے ہوئے اسے بلانے لگا۔  
"ماتا! طبیعت تو ٹھیک ہے تاہم ذہن جو اتنی دیر سے باہر کھڑا ان سب کی گفتگو میں رہا تھا خاموشی ہونے پر اندر چلا گیا۔"

"انزل! پر: آج یہاں سونے گی۔ میرے پاس نہ اپنا ہسٹری آج صفری کے کمرے میں لے جا۔" وہ اسے لپیٹ پاس بلا کر کہنے لگا۔

اس نے پہلے انہیں دونوں کھلائی "پاپی پاپا یا اور پھر انہیں کھیل اڑھا کر سونے کی تختیوں کرتے ہوئے اپنا بیستر چھپائی سے اٹھا کر باہر لے گیا۔

"سو رہی تانا! میری باتوں کی وجہ سے آپ کو تکلف ہوئی مگر یہ تو حقیقت تھی تانا" وہ ان کے پاس آتی تھی۔

"تم بالکل اپنی ماں پر لگی ہو۔ پہلے خوب لڑتی ہو پھر

معدرت بھی اسے اندازت کرتی وہ جیسے احسان کر رہی ہو۔ وہ بلا کا مسکراتے تھے۔

"وہ ہر بات منوالجی تھی مجھ سے متاثر کر کے۔" احسان کی جھولی جھولی باتیں ماں کر بہت بڑی بات منوالی آپ نے ان سے؟

"ٹھیک کتنی ہوتی ہے۔" وہ پھر سے رنجیدہ ہو گئے۔  
"تانا! وہ لایا ہوا ہے۔ پلی لیں۔" انزل دودھ لے کر ان کے پاس آیا۔

"پلی لیں گا یا راتم جو آدھیرے سے پھر منوالجی لے بھی جاتا ہے۔" وہ اسے پیار سے دیکھتے ہوئے کہنے لگے۔

وہ مسکرا کر دودھ کا گلاس سائڈ ٹیبل پر رکھ کر کمرے سے چلا گیا۔ پرہنے اتنی دیر میں ہی حواس کر لیا تھا کہ وہ تانا کا بہت خیال رکھتا ہے۔ وہ اپنی ماں سے کتنا مختلف تھا اس نے سوچا۔

"تم صرف یوتی رہو۔ میں سنتا چاہتا ہوں۔ تمہارے دل میں اور کیا کیا ہے میرے لیے آپ نے کچھ کئے؟" وہ اسے خاموش دیکھ کر کہنے لگا۔  
"ابھی بہت سارے دن راتوں کی کیا ساری باتیں آج بھی کر لیں؟"

"ہاں یہ بات بھی ہے مگر اس کے بعد ہم ابھی اپنی باتیں کریں گے۔" وہ سناہتے سے کہتی تھی۔  
"انہیں بہت عرصے بعد وہ بہت یاد آ رہی تھی پھر ساری رات وہ دونوں سنبھالا کی باتیں کرتے رہے تھے۔

یہ اس کی یہاں پہلی رات تھی۔

"یہ لڑکی یہاں ہمارا سکون برباد کرنے آئی ہے۔ صفری چارپائی پر بیٹھی رضائی میں استراگاتے ہوئے باوا اڑتا کہہ رہی تھیں۔

"اسے بلایا جی کی تو تعقل پر پتھر پڑ گئے ہیں۔ خدا سے جو ان جہان لڑکی کل کو اس کا باپ آڑھ لایا جواب دہی کے ہم انہیں تاشا ہو گا مگر میں۔" وہ ان ہونچے ہیں جیسا

مگر خبر نہیں لی ہے ان لوگوں نے۔ خدا جانے کیا کیا کر گئی تھی کوئی بھی یا نہیں کیا کھل کھلانے کی یہ لڑکی یہاں رہ کر۔"

"لال! خدا کے لیے یہ آپ کا مسئلہ نہیں ہے۔ کیوں آپ رہی ہیں قاتلوں۔" وہ جو جھولے میں لیٹا کتاب دیکھ رہا تھا آخر کار جھنجھلا کر اٹھ بیٹھا۔  
"دن سے وہ یہی سب سنتا آیا تھا اور اب تو یہ الفاظ اسے اذیت بھی ہو چکے تھے۔"

"اسے تو کیوں اس کی طرف داری کرنا ہے؟ کیا لگتی ہے وہ تیری؟" وہ پوچھ پوچھ دوزنا ہے۔ وہ ان نصیب ہونے سے یہاں آئے ہر کسی پر اس کا بھوت چڑھ گیا ہے۔

"خدا کے لیے لال! میری جان بخشی کر دیں، یہاں ہوں اور وطن میں نہیں آؤں گا۔" اس وقت بھی گھر یہ گھر صرف آپ کا نہیں تانا کا ہے اور وہ ان کے گھر آتی ہے۔ آپ اتنی آسانی سے اسے نہیں نکل سکتیں اور دینے بھی اس نے کون سا نقصان پہنچایا ہے آپ وہ ان دونوں میں کہ آپ نے آج کل سر پر اٹھا رکھا ہے۔  
"وہ لایا ہوا ہے۔" وہ لگتا تھا کہ اسے کچھ نہیں ہے۔

"ہلے انزل تو بھی۔" بھیجی مت سمجھنا تم لوگ میری بات کو۔ اسے جب وہ کوئی نکل کھلانے کی تب کر چو کر بیٹھنا پھر مت کہنا کہ ہمیں تو اندازہ ہی نہیں تھا۔" وہ رضائی پر بیٹھ کر غصے سے اٹھیں۔

"میں نے آخر کیا بگاڑا ہے آپ کا کہ آپ مجھے یہاں چند دن بھی سکون سے رہنے نہیں دے رہیں۔ اور پھر جس طرح کے الفاظ میرے لیے آپ استعمال کر رہی ہیں، کسی لڑکی کے استعمال کرنا آپ کو زیب نہیں آتا۔ شاید آپ کی کوئی بیٹی ہوتی تو آپ جیانا ہو سکتا کہ بیٹیوں کی عزت کتنی نازک ہوتی ہے مگر میری تو کسی کی آپ بھی ہیں۔ میں تو جب سے آئی ہوں۔

میں نے آپ کے منہ سے انکار ہی نہ دیکھے دیکھے تک۔ میں خود دونوں سے یہ سب برداشت کر رہی ہوں تو

صرف آپ کا لٹا کر کے کہ کچھ بھی ہو آپ میری ماں کی بہن رہ سکتی ہیں۔ مگر اب مجھے شک ہو رہا ہے اس رشتے پر بھی سناؤ میرے تانا میں سے آپ کو اٹھانے ہوں گے۔ رات کھا کر یا پھر میری ماں کو آگے تک آپ نہیں سے بھی ان کی بہن نہیں لگتیں۔ لگتا ہے ان سے بھی آپ نے اسی طرح کا سلوک کیا ہو گا آپ نے مگر اب میری برداشت سے باہر ہے یہ سب گن کا جو صلہ کمال کا تھا۔"

وہ اتنا سب کہہ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ وہ ایک میں اپنا مختصر سا سلن رکھا تھا، چومٹ میں وہ اس کمرے سے باہر تھی۔

وہ گھر سے اس نے اپنی بہن کا ہاتھ سمجھا تھا۔ اپنا تختہ پلانا تھا۔ محض دو دن میں اسے اپنی حیثیت کا پتہ چل چکا تھا اور اب پھر وہ اپنا بیگ اٹھانے اس کمرے سے باہر تھی۔ اس کی کچھ نہیں کیا وہ کس راستے جائے اور کھل جائے۔ راستے اٹھتے ہوئے تختہ راستوں میں بہت سی بگڑا ہوا تھا جس سے وہ کہاں قدم بڑھتی اور اپنا رستہ دیکھتی۔ وہ اس کے کھٹے اور پتھر سے دیکھے راستے صاف کرتی پہلے قدم اپنی اس کے پاؤں کی اڑی میں لٹا چھ لٹا اور خون تپ تپ سے لگتا تھا کہ اڑی خون سے تر ہو گئی۔ اس نے جھک کر موباسا کاٹا کاٹا مگر جین کا احساس لگتا نظر کے بعد بھی نہ گیا تھا۔

لگ رہا تھا جیسے کتا اڑی میں نہیں دل میں چبھا ہو۔ اس نے جین کا احسان بھلانے کے لیے سمت کی تختیوں میں چاروں اور نگہ دوڑائی۔ کتھوں کی طرف جانے والی بگڑی کی طرف لوگوں کا جوم تھا شاید فصل کی کٹائی کا دور تھا۔

دوسری طرف شہر کنارے ٹھہرے اپنا حال بچھا رہے تھے۔ پھیلاں بگڑنے کے لیے اور ٹھیل کے اس باؤ کھنا چکل تھا۔

اسے کسی ایک طرف سے گزرتے ہوئے بار پینچا تھا اس کے سامنے دو راستے تھے۔ ایک کھنا چکل اور ایک وہ گھر جہاں سے وہ یہاں آئی تھی۔ ہر جگہ گدہ

تھے۔ کہیں بنا اور تو کہیں انسانوں کی صورت۔ اس کا  
انتھان جیسے شروع ہو چکا تھا۔



”میرا وجود اس گھر کے کینوں سے لادوں کے لیے  
بھی برداشت نہ ہو سکا اور آپ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ  
میں گھر چھوڑ کر کہاں جا رہی تھی۔ ان لوگوں سے  
پوچھیے۔“

”ابھی وہ اسٹیشن تک ہی گئی تھی کہ انزل اس کا  
چہچہا کرنا ہوا تھا اور اسے زبردستی سمجھا بھگا کر گھر  
واپس لے آیا تھا۔ وہ واسطہ شخص تھا جس کو اس کا  
احسان ہوا تھا۔“

”تمہیں یہاں سے نکالا تو نہیں کیا تھا۔ خود ہی  
سلان اٹھا کر نکل گئیں جیسے آلی تمہیں ویسے منہ اٹھا کر  
چل دیں بشر کی کتائے۔“

وہ اپنے سابقہ انواز میں بجائے اپنی صفائی دینے کے  
اسی پر جھڑپیں۔

”نکلنے میں کوئی کسر تو نہیں چھوڑی آپ نے۔“  
وہ انہیں انہوں سے دیکھے گل جن کے چہرے پر  
شہرت کی کاغذی جھلک تھی۔

”تم دونوں اسی طرح جڑی رہو گی کیے اور صفائی اتم  
تو بھی نہیں ہو۔ تم بھی بات کو کہوں سے کہل لے جانی  
ہو۔ ہر وقت تمہاری کے ساتھ بحث بازی کے لیے تیار  
رہتی ہو۔ کم از کم اس کی اور تمہاری شکل میں کچھ تو  
فرق ہونا چاہیے۔“ اتنا اس جھک جھک سے خزاں آ  
گئے تھے۔

”آپ نے ہمیشہ اس کی ماں کو مجھ پر فوقیت دی اور  
پھر اب اس کو دے رہے ہیں۔ ارے رکھیں اس کو  
اپنے پاس دیکھتی ہوں کب تکہ تمہیں گلے گلے گاں کو  
اس کا پاپ منہ اٹھا کر انہی سے لینے کے لیے تو... وہ  
اپنے تئیں انہیں ڈرا رہی تھیں۔“

”تو پھر میں اس سے بات کروں گا۔ اور یہ میرا  
مسئلہ ہے یہ یہاں مسلمان ہے۔ تم اس کا کچھ تو لانا کر لو  
صفائی! حد ہے تم تو اس کی خالہ ہو بیلا! سر پر ہاتھ رکھو

اس کے ہنر ماں کی بچی ہے اور پھر تیری بھانجی ہے۔ تمہاری  
خیر تو نہیں۔“ انہوں نے نرمی سے سمجھایا۔

”مسلمان ہے تو مسلمانوں کی طرح رہے۔ آتے ہی  
سر پر پڑھ بجائے بیچہ گئی ہے۔ اسے تو وہ سے منہ سے  
(چھوٹے ہونے) کا ٹانہ ہے نہ خیال۔“ ہر بات پر زبان کو  
کتر چلتی ہے اس کی ہمارے خاندان میں اس عمر کی  
بچھو کہیں اس طرح بات کرتی ہیں کیا ہوں سے  
اڑے اگر لاچار لفظ میں نے کمزور بھی لیسے تو چپ  
نہیں رہ سکتی کیا۔“ ان کے پاس وہ لڑکی کی گانہ کر۔  
”یہ تیری خالہ سے ہے نہ لڑیسا کو بھی اس کا ٹانہ کرس  
گی تو یہ فہم نہیں ہوگی مجھ پر۔ زبان سے کہہ دیتی ہے  
گھر میں تمہارے لیے میل نہیں اس کے۔“

”نانا میں اتنی برداشت کر سکتی ہوں کہ یہ مجھے کہے  
کہیں تو میں خاموش ہو چلوں گھر کی ہر بات میں  
میری ماں کے لیے جو نفرت کا زہر ہوتا ہے وہ مجھ سے  
برداشت نہیں ہو پا سکتی ہے۔“ اتنا اور کوئی مرتب  
ہوئے لوگوں سے اس قدر نفرت نہیں کرنا وہ بھی بلا  
وجہ۔ شہ جانا ہاتھی ہوں کہ بھری ماں نے ان کے  
ساتھ ایسا کیا کیا ہے جس کا قصہ یہ ابھی تک ان پر لگا  
ہیں انہیں برا بھلا کہہ کر۔ آپ ان سے پوچھیے ہاؤ  
... بس جانتا جا اتنی ہوں۔“

”صفائی۔ تو ایسا کیوں کرتی ہے؟ اس نے تو کبھی  
تمہارے ساتھ کچھ غلط نہ کیا۔ وہ بڑی مہربان سمجھ کر ہمیشہ  
ہی تمہاری عزت کرتی تھی تیری ہر گزبوی بات برداشت  
کی اس نے پر اب تو وہ مر چکی ہے نانا۔ تو تو اس کو کہو  
نہ کہا کہ اس کی مدد کو بھی ہوئی کہ تو کسی طریقے سے  
اسے یاد کرتی ہے۔ اس کے لیے دعا کیا کر۔“ وہ بھی  
ان کی طرف انہوں سے دیکھنے لگے۔  
”رہنے دینے بیابا اس کو یاد کرنے والے اس کے  
لیے دعا نہیں کرنے والے مت ہیں اس دنیا میں اور  
آپ کیا کافی نہیں جو ہر وقت اس کے لیے روئے اور  
دعا میں ملتے رہتے ہیں۔“

وہ ساری بات ان کے گلے ڈال کر کمرے سے ہٹا  
گئیں۔

# پارلے آئیورڈیک ٹو مارکس کریم

ڈاکٹر برک، نیپل اور ڈیٹیل کو بھی صاف کر کے  
آپ کی سکن ٹھیک کرنے میں پارلے آئیورڈیک ٹو مارکس کریم  
کی مدد ہے۔ جلد کی رنگت کا ڈسٹرابن دونوں "Pigmentas"  
کی مدد ہے۔ اگر پھیلاؤ کی علامت جلد میں گامہ جاسے تو جلد پر  
دھک دھک کر کے، پھیلاؤ کو روکنے کا اور جلد کی  
میں جلد کی دھک دھک کو روکنے کے لیے۔ یہ پھیلاؤ کی  
دھک دھک کو روکنے کے لیے۔ یہ پھیلاؤ کی  
لہذا آپ کو اپنے جلد کا دیکھنا ہے۔ جس سے آپ کو پتہ چلے کہ  
کیا یہ صحت مند ہے اور اگر نہیں ہے تو اسے روکنے کا۔

## fair clear skin

KHYBER CHEMICAL COMPANY  
Plot No. 392 GPO Lahore Pakistan  
www.parlal.com.pk



پاکستان کی پہلی اصل وائٹنگ کریم جو  
میلائن کو کم کرے  
اور تانکے نکالے

وہ لاٹھیاں پکائی جیسی انگلیوں سے انہیں دیکھتے رہ گئے۔ ان پر کسی بات کا بھی اثر نہ ہو سکتا تھا۔



وہ سوچوں میں گم ہو چکی تھی۔

”کیا سوچتی رہتی ہو جو پریشان رہتی ہو پوٹ؟“ وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولے۔

”میں پریشان تو نہیں ہوں! آپ جو میرے ساتھ ہیں۔“ وہ مسکراتے ہوئے انہیں دیکھنے لگی۔ ”میں یوں ہی سرخس درد ہو رہا تھا۔“

”سنبھالو، سنبھالو! پھولیں پاؤں پر بہت سوچتی تھی اور پھر سر پکڑ کر بیٹھی رہتی۔ ایک تو وہ کہتا تھا کہ بہت کھسکی تھی۔ تو وہ کہانی نہیں لکھتی؟“

”میں صرف کہانی ہی نہ ہوتی ہوں اور دیکھتی ہوں۔“ وہ جلتی پھرتی کہانیاں سناس لگتی ہوئی۔ ”زندگی بھی تو کہانی ہے نہ؟“

”ہاں زندگی بھی کہانی ہے۔ جب سنبھال کے سر میں درد ہوتا تھا تو وہ میری گود میں سر رکھ کر لٹ جاتی اور تکیا بنا کر میرے سر میں تیل ڈالتی۔“ وہ بچکانہ کی طرح اسے بتاتے گئے۔

”پھر میرے سر میں لگا کر تیل کا تیل کا تیل؟“ وہ ان کی آواز میں کہنے لگی۔

”تم بابا کی گود میں سر رکھ کر بیٹو۔ وہ تیل اٹھاؤ۔“ انہوں نے سکھارہ سبز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

وہ تیل کی شیشی انہیں پکڑا کر ان کی گود میں سر رکھ کر لٹ گئی۔ وہ آہستہ آہستہ انگلیاں تیل میں ڈبو ڈبو کر اس کے سر پر پھیرتے رہے۔ اس نے آنکھیں موند لیں۔

”تھپا!“

”ہوں بولو!“

”آپ نے مجھے وہاں کیوں پھونڈا؟“ ساتھ کہاں نہیں لے آئے؟“

”وہ تجربہ پاپ کا گھر تھا میں کیسے رو رہی تھی لے آتا“

میرے بچے!“

”باب کا گھر۔“ وہاں ہمیشہ مجھے بیٹھی ماں کے گلے تلے رہے۔“ اس نے آنکھیں کھول کر ان کی طرف دیکھا۔ ”پاپ بھی نہ ملا مجھے وہاں سے سوائے خرابی کے۔“ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ ”ماں کے پاس بھی مجھے دینے کے لیے وقت نہیں تھا اور پھر اپنی جلدی میں لگ گئیں مجھے پھوڑ کر۔ پاپ جس نے ایک دفعہ بھی پیار سے بات نہ کی مجھ سے۔ اس محبت کے لیے تو میں ترس گئی تھی۔“ اس کا لہجہ بہت نرم و نرم لگتا تھا۔

”اب تو میرے پاس رہنا۔ میں ہوں تیرا پاپ جس نے محبت دلائی۔“ انہوں نے اس کی پیشانی سے ہاتھ ہٹاتے ہوئے اس کی پیشانی پر چوم لی۔

”میں پوری زندگی آپ کے پاس رہوں گی اپنے پیار سے تھکا کے پاس۔“ وہ ان سے پوچھنے لگی۔ ”اسے مزہ اندازہ ہوا تھا کہ وہ وہاں آکے محفوظ ہو گئی ہے۔“

پھر پیشانی سے ہر دکہ سے۔ زندگی سے جو گلے تھے وہ جلتے رہے۔

”میں تمہیں بڑھنے سے حیدر آباد بھیج رہا ہوں۔“ وہ اپنی لہجہ میں نرمی اور ہمدردی کے ساتھ کہنے لگی۔

”اب مجھے اپنے آپ سے اور گورنر سے؟“

”ہاں پاپ۔“ وہ وقت کے لیے سر سے ہٹ کر لوٹا اور وہ آہستہ آہستہ اپنی پہلے وہاں آگئے۔

”یہ آپ کے بیٹوں کو کیا ہوا؟“ مہتری ابھی اس کا تھماں لے کر ان کے کمرے میں آئی تھیں۔

”تیل کا وہیہ ہے خیر۔“

”سیدوں صاف نہیں ہو گا بابا!“

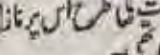
”کوئی بات نہیں میں کپڑے بدل لوں گا۔“ وہ کب تک باغ دار وامن کو بدلتے رہیں گے۔ عمر تو آچکی ہے۔“ ان کے لہجے میں حسب معمول نرمی نظر آتی تھی۔

”پاپ نہیں جانتا تمہاری ماں کو مجھ پر رحم آتا ہے۔“ لہجہ بڑھاپے پر تھا۔ ”شکر ہے میری ماں کو کبھی پاپ پر رحم آتا ہے۔“ وہ ان کی بات سمجھ گیا تھا۔

”مگر مجھے اپنی ماں پر رحم نہیں آتا۔ کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جاتے۔“ وہ جیسی پہلی ہی کہنے لگی۔

”مت کما کر تو انہیں اسے تنہی تو ہاں ہے نہیں بھی ہے۔“ وہ اسے سمجھانے لگی۔

”ماں بھی نا۔ بس۔“ وہ ان کو منانے کے خیال سے ان کے بچھے چلا گیا۔



”جیسے ماں کے بچھن تھے ویسے بیٹی کے۔“ وہ بڑھاپائی ہو گئی۔ ”تمہاری طرف اس پر نازل ہو میں جب وہ سالانہ ہاتھ دیتی تھی۔“

”پھر کیا کریں؟ میں نے؟ اور میری ماں آپ کو خواب میں ڈراتی ہیں کیا ہوا؟“ انہیں ٹھیکت لگتی ہیں ہر بار۔

”کیوں آخر۔ آپ کیوں بھول جاتی ہیں کہ وہ میری بیٹی ہیں۔ اب پھر نہیں ان کا پچھتاؤ اس کے لیے۔“ وہ ایک ہی جھٹک کر آگئی۔ ”کیا جانتی ہیں آپ مجھے ہاں۔“

”اگلے صوفیہ چاہتی ہوں کہ تم یہاں سے چلی جاؤ اور میرے لیے کا پچھتاؤ جو ڈوڈا کہہ شادی کر لے وہاں۔“ وہ اچانک کہا۔ ”خیر جو نکاح اس پر تمہارے۔“ وہ کھل کر اس بات پر آئیں۔

”جانتی رہی ہوں۔ اب اور کیا کہوں اور آپ کے بیٹے کا پچھتاؤ میں کیوں کہوں گی اپنی غلطیوں کی بنا پر۔“ وہ جیسی ذہیل کر کے رکھنا آپ کے لیے مشکل نہیں ہوتی۔“

”اگر میں غلط فہمی کا شکار ہوں تو وہ شادی کے لیے کیوں نہیں مان رہا۔ آخر کیا کی ہے آمنہ میں کہ وہ مسلسل نکاح کر رہا ہے۔“

”تو اپنے بیٹے کو بااگر پوچھیں مجھے کیوں کہہ رہی ہیں آپ۔“

”یاد آوے۔“ انہیں ٹھیک وقت پر آیا تھا۔

”اپنی ماں سے پوچھو اور ان کے سامنے کہو۔ کیا میں نے تمہیں آمنہ سے شادی کرنے کے لیے منع کیا ہے یا میں تمہارے بچھے بڑی ہوں۔ خدا کے لیے اپنی ماں سے کہو کہ مجھ پر رحم کریں۔ اب تو جاری ہوں میں یہاں سے۔“

وہ ٹھیک جی تھی اس مسلسل جھٹک سے۔ وہ زخم دینے سے کبھی باز نہ آئی تھیں۔ وہ وہاں ہی ہو کر کچن میں جا کر زمین پر بیٹھ کر روتے لگی۔

”اچھا نہیں کیا آپ نے اس کے ساتھ۔ صوف نہیں کر کے لی کہ آپ کو۔“ وہ وہاں تاہوا یا ہر نکلا تھا یہ کی تلاش میں۔

”اور میں تجھے معاف نہیں کروں گی۔“ اگر تو نے آمنہ سے شادی نہ کی تو۔“ ان کی آواز نے اس کا پچھتاؤ کیا تھا۔ وہ ایک لمحے کے لیے رکا پھر باہر نکل گیا۔

”تج ساری رات وہ گھر نہیں لوٹا۔ دل چاہا کہیں بھاگ جائے یہاں سے۔ گھر کا سکون جیسے تازہ ہو کر آیا تھا۔ اس پر اپنی سب سے اور یہ وہی وہاں۔“ وہ کھلتی آگئی اور اس کا دل اٹھ گیا۔ اس نے ان سے معاف ہونے کے ساتھ محبت کی طلب بھی نہ کر سکتی تھی۔

”مجھے کی تشاہدہ نہیں تھی۔“



”میں نے اسے مرنے کی واہیوں میں گھومتے ہوئے دیکھا ہے۔ وہ کوئی شہزادہ ہے بہت خوب صورت۔“

”مرا اس کا دل اس کی صورت سے زیادہ خوب صورت ہے۔“

لوگ اسے نہیں سمجھتے۔ مگر میں سمجھتی ہوں۔ لوگ اسے نہیں جانتے۔ مگر میں جانتی ہوں۔

وہ پہاڑ پر چڑھ کر سوچنے کو دکھانے اور جب سوچ چکے تھے تو وہ جنگلوں میں نکل آتے۔ بیکریاں کھانے پھر اپنی فصل میں مل چلا آتا ہے۔ پوٹا ہے اور محبت کا کشت کرتا ہے۔ لوگ اس کا مذاق اڑاتے ہیں کہ محبت کی فصل کھائی کا پھٹ نہیں۔ مگر وہ تکی محبت کرنا ہے۔ عمر وہ لوگوں کو نظر انداز کر کے اپنا کام جاری رکھتا ہے۔



جب فصل کی کٹائی کا وقت آتا ہے تو سبھا سوش اور سورٹھ اس کی مدد کرتی ہیں۔  
وہ سب محبت کا پھل توڑیں میں بھر کر گھر منت یا منی ہیں۔

محبت کا پھل مشا ہوتا ہے شہد سے بھی زیادہ بھی شہزادے کی فصل کا پھل کھانا ہے وہ میٹھی بولی بولتا ہے وہ شہد تقسیم کرتا ہے اس کا لہجہ پھر بھی گڑوا یا کھ نہیں ہوتا ہے۔

سراب شہزادہ مہران کی دادوں میں گم ہو گیا ہے نہ وہ سب سے پہلے پہنچ کر سورج کو ٹھک سے اور نہ ہی لکڑیاں کٹنے چکن کارخ کرتا ہے نہ فصل میں ہل چلا تا ہے نہ تن کو آہ ہے نہ کٹائی ہوتی ہے۔ محبت کے پھل سے ایسی دالے نمودار ہیں۔ ہر کوئی سمجھا ہوتا ہے۔

شہد کا ڈال فقہ زبان بھول چکی ہے۔ ایسی دالے کہتے ہیں۔ سبھا سورٹھ اور سوش کو قتل کر دیا گیا ہے ہر قی کر کے۔ شہزادے کی ہے جب سے صرف ایک دھڑکتی ہے اس کے ہاتھوں نے ایسی دالوں سے کہا کہ ہر ذوال ہے نمودار ہیں۔ پھیل کے لیے جو سدا تھا وہ نمودار تھا۔ سبھا پانی لینے نہ پئی تک نہ کی۔ عدا سو گئی ہوئی تھی۔ سبھا کا دنگ کر کر ٹوٹ گیا۔ یہ قدا کی نشانی تھی۔ پانی زمین دادوں کی ضلعیں نکلیں۔

سوش کی چوڑیاں کنویں کے پاس ملیں۔ اسے کنویں میں گرا دیا تھا۔ پھر اس کی لاش ہی کنویں سے نکلی۔

اور سورٹھ وہ بڑے کے گھر کلام کرنا نہیں چاہتی تھی۔ اسے باب نے زبردستی ڈوہری کے حکم پر بھیجا تھا جو ملی کے خچیر تہ خانے میں اس کو بند کر دیا گیا۔ اس نے احتجاج کیا۔ وہ ڈوہرے لڑتے لڑتے خود کو تو کسی طرح بچا لائی مگر مہراج کو فیصلے میں سورٹھ کو کاری کر کے مار دیا گیا۔

شہزادے نے کہا اب محبت کا پھل کون بانٹنے گا؟

اس لیے وہ ہمتی سے منہ موڑ کر چلا گیا ہے اور اسے پہاڑی کے درمیان بنے ہوئے غلو ٹھکانا رہتا ہے۔  
جہاں وہ حوں کا تقسیم ہوا کرتا ہے۔  
وہ سدیوں سے سبھا کی روح کا انتظار کر رہا ہے کہ سبھا آئے اور وہ دونوں امر ہو جائیں۔ انتظار طویل ہو گیا ہے۔ اس لیے وہ وقت گزارنے کے لیے زمین کے ٹوکوں کی کمائیاں لکھتا ہے۔  
شمس العارضین نے سبھا کی کمائی پڑھ کر ستریدہ چہرے کے لیے کہا تھا۔

”سبھا کے کردار بڑے خوب ناک قسم کے ہوتے ہیں۔ انہوں نے زیادہ تر ملاحتی لکھا ہے ان کی بی بی تھیلی ہے کہ وہ زنی مسائل پر لگتی ہیں انہوں نے کمائی میں حقیقت کو پرویا ہے۔ حقیقت جو کڑوی ہے مگر سبھا کا لہجہ سبھا کا اثر وہ زنی نری سے بڑے سحر کے ساتھ پڑھ اٹھاتی ہیں۔ وہ سچ نہیں ہوتیں وہ او اس ہوتی ہیں۔“

جانے سبھا کے اندر اتنی نرمی کہاں سے آگئی ہے۔ لکھا ضبط اور نمودار۔ مجھے ان کو بڑھنے کے لیے لیا محسوس ہوا جیسے وہ بھی پہاڑی کے شہزادے کا انتظار کرتی ہو کہ وہ آئے اور اس کی منشا تک اس کے جانے بڑے السوس کے ساتھ کمانا پڑ رہا ہے کہ ہوا اب کسی سبھا سے بھی نمودار ہو چکا ہے مگر بہر حال ان کی منی ہمارے پاس ہے۔ سبھا کی صورت ابھی تک ہمارے ساتھ ہے۔ یہ محفل جو ان کے اعزاز میں سجائی گئی ہے۔ کاش ان کی زندگی میں ہی ان کے ساتھ انہیں قدر دانی کا احساس دلایا جاتا۔ بہر حال۔ میں ان کے من کو آج سلام پیش کرنا ہوں۔

پنھل نے سبھا کی تحرروں پر بڑا خوب صورت تبصرو کیا تھا سب لوگ ساکت بیٹھے تھے۔ برومیر عارفین نے آج اس میں جیسے کوئی عکس دیکھا تھا کہ بھر کے لیے جیسے وہ پتھر کے ہو گئے تھے انہیں لگا جیسے پنھل کے اندر عارفین نا اطمینان تھا کہ سبھا کی ہے۔

”اور میں کون ہوں؟“ انہوں نے گھر کے لیے

خود سے بول گیا۔  
شمس العارضین نے سبھا کا لہجہ پڑھا۔  
یا پھر صرف ایک نکل پر فہم ہے۔ شہد ہی ادیب اور حافظہ رکھنے والا ایک خوب دل اور انہی کھربڑی والا پائل اسٹار۔ ان کی کچھ من لیا۔ وہ خود کو کس علم سے پکاریں۔ اپنی شناخت کیے کریں۔

وہ اپنی انہوں میں سے ہوتے انسان ہو گئے تھے۔ ابھی وہ اسی سوچ میں گم تھے کہ کچھ مشتعل سے سبھا کا عکس کسی پرانی لفظ کی طرح چہرے پر محسوس لے سفید پتیل سمیٹنے ان کے سامنے ڈالنے کے لیے آگیا۔  
بول انہوں نے اپنی بار پلکیں جھپکیں۔ مگر جب بھی اس کی طرف دیکھا تو زمین ہوتے ہوئے اچھا کیلہ۔ سبھا ہی تھی۔ ان کی سبھا یا پھر بائیں کی یا پھل کی مگر وہ سبھا ہو ہوئی چہرہ اپنی ناک نقشہ وہی قد کاٹھ وہی آواز وہی لہجہ۔

اس کی آواز سامعوں سے گرا رہی تھی۔ انہوں نے آنکھیں پھیلے۔ اس وقت سبھا اپنی ہاتھوں کا نہیں چاہتے تھے۔ انہیں ہند نہیں رہا تھا۔ سبھا کی سبھا محفل سب پر خاست ہوئی۔ پتہ ہی نہ چلا اور ہاں نکالی ہو چکا تھا۔ کسی نے ان کا شانہ چھینا یا کھلا۔ وہ خیال کی دنیا سے باہر آئے۔

”سبھا کہاں ہے؟“  
”آپ شاید کرسی پر بیٹھے بیٹھے سو گئے تھے۔ تقریب آپ کی ختم ہو چکی ہے۔ چلیں میں گھر چھوڑوں آپ کو۔“

”سبھا علی گئی؟“ ان کا ذہن جیسے مفلوج سا ہوا تھا۔ وہ سبھا مافی سے اس کو دیکھنے لگا۔  
”سبھا کہاں تھی۔“ وہ حیرانی سے ان کی طرف دیکھنے لگا۔  
”پارہ کون تھی۔ جو سبھا کہتی ہے؟“ وہ اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے ہال سے باہر نکل آئے تھے۔

”وہ پرہ تھی۔ یہ محمود کاظمی۔“  
”پارہ سبھا کی طرح کون دھکتی تھی؟“ وہ اس الجھن میں پڑ گئے۔  
”نہیں۔ شاید اس کا سبھا سے کوئی رشتہ ہے۔ جیسے ہی ایسا لگا۔ کیا وہ اس کی بہن ہو سکتی ہے؟“  
وہ فن فنو کے درمیان سے گزرتے ہوئے کھٹ تک آئے۔

”نہیں۔ سبھا ہی تھی۔“ انہوں نے گاڑی میں بیٹھے ہوئے اسی جانب مافی سے کہا تھا۔  
ان کے لہجے کے تعین نے پل بھر کو اسے سوچنے پر مجبور کر رکھا تھا۔  
”مگر نہیں ان کو تو مرے ہوئے بھی بہت عرصہ ہو گیا ہے۔“ اس کی سوچ نے اس خیال کی تھی کی۔ وہ گاڑی راستے پر ڈال چکا تھا۔

”سراہیں کس علاقے کی طرف چلائے؟“  
”میں نہیں جانتا۔ میا کر کہاں ہے! انہوں نے سیٹ کو ایش سے سر ہٹا دیا۔  
اسے اس کی ان کی ہاں حالت پر خیرہ ہوا تھا۔ وہ کوئی تو نمودار ہو گا کہ اس کی ہاں لگا ہے؟“  
”مگر کب یہ یاقت پانہ پڑے۔“ انہوں نے آنکھیں بند کر لیں۔

”آپے اسٹار کو وہ بولی اس حالت میں کیسے سڑک پر اندر و تار۔ سوس نے گاڑی ہاں کی طرف چلنے والی سڑک پر ڈال دی۔  
”میں آپ کو چھوڑتا ہوں سر۔ آپ بتائیں تو سی۔“  
”میں نے تم سے کہا ہے تا تم مجھے نہیں سڑک پر اندر۔ میں خود چلا جاؤں گا۔“  
اس نے ڈرتے ہوئے انداز میں گاڑی جھٹکے سے روک دی۔ اور وہ خورا اتر گئے تو وہ زمین کھرا کھرا رہا۔ آگے چل کر انہوں نے رکشہ کو روکا تھا اس نے مطمئن ہو کر گاڑی موٹائی تھی۔  
گاڑی عرفان کے گھر چھوڑ کر وہ عیسیٰ میں ہاں پانچا تھا۔ آج چارہ ابھی تک اس کے انتظار میں بھوکا



فتنی

# شریبت فولاد



جسم میں لائے  
اثرن کی طاقت

جسم میں لائے اثرن کی طاقت...  
جسم میں لائے اثرن کی طاقت...  
جسم میں لائے اثرن کی طاقت...

اب ٹھنک کی؟

”اچھے مردوں کے ساتھ ایک عورت“ اس نے  
اسی ماؤزدارانہ انداز میں کہا۔  
”نہیں وہ صرف عارفین سے مطلب رکھتی ہے  
نہ اسے پروٹیکشن کوئی لینا دینا جسے نہ کسی ماٹھی سے  
نہ کسی ہاتھ سے۔ اس پر ہانپتی ہے۔ اسے پاگل تھی ہے اور اس  
سے ڈر رہا ہونی ہے۔ اور ماٹھی سے تو جیسے اس کو عجیب  
سی چیز ہے۔ شاید نفرت یا اس سے بھی زیادہ وہ یہاں  
صرف عارفین سے مطلب رکھتی ہے۔ وہ اسی انداز  
میں کہتے ہوئے بیان کی طرف پیش آئے۔“  
”ابھی وہ کہاں ہے سر؟“ وہ ان کے پیچھے ہی لیکن  
میں کیا تھا۔  
”وہ خفا ہو کر یہی تھی۔ اسے چڑھے پروٹیکشن  
بجس کی باتیں اس کی سمجھ سے باہر ہیں۔“  
”اور ماٹھی سے اس لیے کہ وہ خاموش رہا کرتا  
ہے۔ سنبھال کے خیالوں میں کھویا ہوا ہے۔ وہ سنبھالے  
حمید کرتی ہے۔ بھلتی ہے اس محبت سے جس نے  
ماٹھی کو ابھی تک جکڑ رکھا ہے۔ اسے صدمہ ہے۔“  
اسے جھولی جی ہنستا ہوا عارفین چاہیے۔ جو اس  
کی ہر بات پر اثبات میں اٹھائے۔ اس سبک کا تھکا ہوا  
ڈنڈا پر جائے۔ اسے اسے ساتھ ٹھکانے بھر لے لے  
جائے اور گھر میں بیٹھ کر تمام دن اس کے حسن کی  
تعریف کرے۔ اسے سزا ہے جو نہیں کھائے اسے اپنی  
بے بند محبت کا احساس دلانا ہے۔ تھکا ہوا خوش رہ سکتی  
ہے کہہ سکتی ہے اگر مجھے عارفین خود منانے آیا تو انکی  
گی ورنہ پھر اسے الگ۔“ وہ اس کے لیے کالی بیٹے  
ہوئے ہمارے لگے۔

”وہ اپنا جائز حق مانگتی ہے۔ وہ غلط نہیں ہے۔“  
”حمیرا جب مجھ سے شادی کے لیے کبھی بھی نہ  
ہی میں نے اس سے کہا تھا کہ مجھ سے تمہیں کچھ بھی  
نہ ملے گا۔ جو تمہارا پیار بھی نہیں۔“  
وہ میرے پارے میں جا رہی تھی کہ۔ میں ایک  
جھنٹی ماٹھی ہوں۔ لگتا ہوں تو ڈوب جاتا ہوں سب کچھ  
دنیا جہاں کا ہوش ہی نہیں رہتا۔ میں سنبھال گیا ماٹھی

”میلے مجھے یہ بتائیے کہ آپ کو محسوس سے ملتا ہے؟  
پروٹیکشن عارفین سے ناگھنی سے یا پھر کسی اور  
سے؟“ وہ رو کر کھولے تھی سلام کے بعد پوچھنے لگے  
خام سے وہ ستانہ آنداڑیں۔  
”میں یہاں نہ تو اپنے پروٹیکشن سے ملتا ہوا ہوں نہ  
سنبھالے کا ماٹھی سے میں یہاں مرحوم ہاسٹرس حسین احمد  
کے عزیز دوست سے ملنے آیا ہوں اگر آپ جگہ دس تو  
مہربانی باتیں اندر کر لیں بیٹھے کر آرام سے۔“  
”ہاسٹرس حسین احمد کو تم کیسے جانتے ہو؟“ وہ اس کے  
سے جتنے ہوئے کچھ جھنٹی سے پوچھنے لگے۔  
”ہاسٹرس حسین احمد کا فرزند ہونے کا امر از رو کتا ہوں  
سر۔“  
”اٹھ۔ تم حسین کے بیٹے۔ تم ہو وہ اور سے میں  
نے تمہیں بہت پسند کیا تھا جب تمہیں یونٹا بھی  
تمہیں آتا تھا اور اب تمہاری باتیں کرنے لگے ہو۔“ وہ  
اسے پارے سے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہنے لگے۔  
”تمہارا آپ لگتا تھا اندر کرت میرا نہیں تھا  
باتوں میں بات ہے۔ ہمیں تو تم سے نہیں جیت سکتا۔“  
”انہیں اندازہ نہیں تھا کہ آپ کو تو کوئی بھی بات  
انہیں نہ ملتا تھا۔“  
”میں یار! ہر انسان بہت بار زندگی میں ہارتا ہے  
بہت لوگوں سے ہارتا ہے۔ کبھی تقدیر اسے اس کی  
اوقات بتاتی ہے۔ مگر انسان اس حق سے نااہل ہے پھر سے  
اپنے آپ پر فخر کرنا شروع کرنا ہے۔ خیر تم بیٹھو میں  
تمہارے لیے کالی بنا کر لاؤں۔“  
”اگر سے نہیں سر! ہم صرف باتیں کریں گے۔  
دیے یہاں اور کون کون رہتا ہے؟“  
”یہاں عارفین رہتا ہے۔ ایک پاگل پروٹیکشن رہتا  
ہے سنبھالے کا ماٹھی رہتا ہے۔ اور اور ایک خوب  
صورت عورت عارفین کی بیوی کی حیثیت سے رہتی  
ہے۔“ وہ چمک کر ماؤزدارانہ انداز میں اسے ہنساتے  
لگے۔

ہوں اسی کاروں کا۔ مگر جس وقت تک ہوں ان سے  
 مجھ سے کہا میں تم سے تشریحی محبت نہیں ہونگی  
 میں تو صرف تمہیں محبت بنا چاہتی ہوں۔ اس نے مجھ  
 سے کہا کہ مجھے تمہارے سہارے کی ضرورت ہے۔  
 میرے ہاں باپ نہیں بھائی شادی کر کے الگ شفٹ  
 ہو گیا ہے۔ میں تمہارے ہوں۔  
 میں نے اس سے کہا جی نہیں مجھ سے بستر کئی  
 لوگ مل جائیں گے۔  
 مگر اس نے اپنی خدمت بچھوڑی۔ جب تو وہ میری  
 طوفانی محبت سے متاثر تھی اس نے کبھی مجھے غلط  
 نہیں سمجھا۔ کئی رشتے ٹھکرا کر میرا انتظار کرتی رہی۔  
 سب نے کہا اس سے شادی کر لو۔ وہ میرے کی۔  
 اسے سزا دے دو۔ تمہارے لیے بیٹھی ہے اور میں  
 نے اس سے کہہ دیا تھا تم سنبھالو۔ کبھی اس کا بھی  
 مت بچھینا۔ تم اپنی جگہ الگ بنانا۔ اپنا مقام الگ  
 بنانا۔ میں نے اس سے شادی صرف اس کے لیے کی  
 اپنے لیے نہیں۔ میں سنبھالنے سے طوفانی تو کہتی تھی  
 سنا تھا۔ مگر میں نے سنبھال لیا۔ اس نے اپنے  
 دل سے سنبھالنے کا مخالف کاٹ دیا۔  
 کوئی مرے ہوئے انسان سے اتنی لڑکت نہیں  
 کرتا۔ مگر اس نے اپنی بچھری میں سب سنبھال دیا۔ اس  
 کے کچھ کا انتظار کرنا پڑا۔ پھر اس نے پروں پر کھلتے  
 چینی شہین گردی اور اب اسے عارضین میں بھی کئی  
 طرح کے عیب دیکھتے ہیں۔ درحقیقت وہ اپنے غلط  
 فیصلے پر کچھ تار رہی ہے۔  
 "میرا آپ نے کبھی سنبھالنے کی کوشش نہ کی؟  
 وہ اپنے حصے کا گپ اٹھاتے ہوئے ان کے ساتھ  
 چکن سے یا ہر آیا۔  
 "ہمت دفعہ۔ پہلے نہیں گپ جب بڑھاپا جاوی  
 ہونے لگا ہے۔ جب انسان کمزور ہو جاتا ہے۔ مگر  
 درحقیقت حیرانے منجھا کو بھلائے ہی نہ ہوا۔ میں  
 چپ ہو تا تو کبھی تم اس کو سوچ رہے ہو۔ یا بار بار اس کا  
 احساس دلائی۔ میں نے اپنی ذاتیاں جلا دیں۔ اپنی  
 کتابیں پھاڑیں۔ لکھنا چھوڑ دیا۔ لکنا تھا اب کتنے کو

کچھ بھی نہ دیا ہو جیسے۔ سب کچھ لکھ لیا جسے میں نے  
 اپنے اندر رکھی کا کھلا ٹھوس کر اسے وطن کر دیا۔  
 دیکھے جی ما بھی تو کہوں سے پیرا ہوا تھا۔ اس کا جہم  
 کتابوں کے ہاں ہوا تھا۔ میں نے ما بھی کے ہم  
 سے لکھا تھا اور سنبھالنے ما بھی کتنی تھی۔ میرے ہا  
 نے میرا نام جس عارضین رکھا تھا میں ان کے لیے  
 اور باقی دنیا کے لیے عارضین ہی رہا۔ بعد میں پروں پر  
 خطاب دے دیا گیا۔ لکھتے تھے کہ میرا عارضین پروں پر  
 بنے گا۔ یہ دعا بھی نہ کی کہ اسے زندگی میں خوشی سے  
 کی سکون سے کہ۔ ہاں باپ بچوں کے لیے دعا میں تو  
 خوب کرتے ہیں مگر کاش اپنی میرے لیے خوشی کی بھی  
 دعا کر لیتے۔ ان کی زندگی میں پیسے کی کمی کبھی نہ  
 انہیں صرف اس کی کا احساس تھا ان کے پاس سکون  
 تھا اس لیے انہیں نہیں معلوم تھا کہ یہ اگر نہ ہو تو  
 انسان کس کا نہیں رہتا۔  
 ان کی کلنی ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ بڑے دنوں بعد دل  
 کا دروازہ کھلا تھا۔ وہ ساری باتیں جو کبھی کسی سے نہ  
 کہیں سے ہر اکسم۔  
 "ہمت دونوں سے لکھا نہیں۔ اس لیے اندر بہت  
 غم اور تم کیا ہے سوچتا ہوں اب لکھنا شروع کروں گا۔  
 دل کا پورے ہی دکھا دیا جائے۔ کھن کا لہجہ تھا کا ہوا تھا۔  
 اسے ان کی تھالی پر بے تھامت ترس گیا تھا۔  
 "سہ۔ اسے سنا نہیں۔"  
 "نہیں یا ر! میں چاہتا ہوں وہ اپنی زندگی اپنے  
 ڈھنگ سے شروع کرے۔ وہ خود فیصلہ کرے۔ میں  
 چاہتا ہوں اس بار اپنی فیصلہ ہی کرے۔ ہاں نہ اسے  
 ہے کہ درج کا ذمہ دار میں ٹھہروں گا۔ اس سے مگر فرق  
 تو نہیں پڑتا: بہر حال یہی بستر ہے کہ وہ اپنے لیے اچھا  
 سوچے۔"  
 "اور آپ۔ آپ کی تمہالی؟" وہ ٹکڑے ہو گیا ان  
 کی حالت دیکھ کر۔  
 "میں پہلے ہی تھا تھا۔ جب جوانی ایسے گزر گئی تو  
 بڑھاپا بس کچھ سال۔ میری عمر ساٹھ سال ہو چکی ہے۔  
 باقی چند برس اور بچھو۔ وہ ہی سانس بھر کر خاموش ہو

تھی اس کے چہرے پر ایک دم سے اطمینان سا چیل گیا  
 ہوا۔  
 "ہاں یہ نچھل ہے۔ جب تک ہم کسی رشتے کو باہم  
 نہیں دیتے۔ وہ بے شناخت ہوتا ہے۔ تعلق اور  
 محسوسات بھی شناخت اور تعلق سے بنتے ہیں۔"  
 "میں تقریباً ہم جماعت سا میں ہوں تمام لڑکیوں  
 کو اسی طرح مخاطب کرتا ہوں۔ میری خوشی سوچ  
 ہے۔"  
 "یہ کو تم کوئی کہا کہ وہ بھی نہ پتی کھٹو ٹن کا شکر  
 رہتی ہے۔"  
 "آپ اس سے پوچھیں میری۔ بن بنا پند کرے  
 گی؟" اس کے ہونٹوں پر شرارتی سی مسکراہٹ دکھائی۔  
 "تم خود پوچھو نا! اس سے؟" وہ اس کو کافی حد تک  
 سمجھ رہے تھے۔ "میں اچھا لگوں گا بڑھتے ہوئے۔ ویسے  
 سہرا کوئی خوب صورت لڑکا کسی لڑکی کو بہن نہیں بناتا  
 چاہتا!"  
 "بھول۔ ایک بات کہوں؟" اسے اصل بات پر  
 پہنچا۔  
 "جی۔ کہیں۔"  
 "سہرا کا کہنے وقت پر اچھا لگتا ہے۔ مگر وقت کے  
 بعد ہاتھ میں کچھ بھی نہیں رہتا۔ بڑے مت کرنا تم۔  
 یاد رکھنا تقدیر یا بار بار موقع نہیں دیتی جب محسوس کرو۔  
 اس سے فری اور آرام سے ایک نغمہ بات کر لو۔"  
 "جی سہ۔ اس ذرا اور سا لگتا ہے کہ وہ۔"  
 "اس کا مت سوچو بھول اپنی بات کر دو۔ کچھ اگر  
 لکھا ہاں ہے بھی کسی تو وہ پھل ہرگز نہیں کرے گی۔"  
 "ہاں یہ بات تو ہے سہ۔ وہ ان کی بات پر سوچنے  
 لگا تو دل کو لگی۔  
 جب ہی اس کا سینا میں نون بن گیا۔  
 "وہ۔۔۔ آج کی کال ہے۔ وہ کھاتے پر انتظار کر رہا  
 ہو گا۔"  
 "یار! یہ واقعی بیویوں کی طرح ہی ہو کر رہا ہے۔ چلو

جہاں تم غیر ہے۔" وہ کہتے ہوئے اس کے ساتھ ہی اٹھے۔

"وہ سب کاٹھی اس طرح سے خیال رکھتا ہے خوش نصیب ہوگی وہ لوگ جسے آج جیسی خوبی ملے گی۔" اس نے ہنستے ہوئے بیان کرنا شروع کیا کہ جو کچھ لوگ کرتے ہیں وہ لوگ ہنستے ہوئے دروازے تک آئے۔



سب معمول یونیورسٹی کے حالات اپنا تک ہی بگڑ گئے تھے۔ آج پوائنٹ بھی نہیں چلا تھا۔ باہر آ کر ہی کسی ننگے کا علم ہوا تھا۔  
ماریہ کو کسی نے فون کر کے بتایا تھا کہ ان کے گلاس کے لڑکے باہر سعید کو کچھ لوگ پکڑ کر لے گئے ہیں۔ اور آج کے چھڑانے پر اس کی بری طرح پٹائی ہوئی ہے۔ وہ لوگ گروپ، چھڑ پڑے اور کسی نے پوائنٹ بھی روک دیا ہے۔

"پتا نہیں ان لوگوں کو انسانی نے کا جنون کیوں رہتا ہے۔ فضول کے جھگڑوں میں لڑنے کو خود کو تیار کر لیتے ہیں۔" مزرا سے سب کچھ بھگت میں ہو رہا تھا۔

جبکہ اس نے لکھنؤ میں پڑھنے کی محسوس کیا تھا۔ باوجود اسے باہر پر کھنڈ سے اسے کھنڈ کے لیے بھجور کیا جا تا ہے۔ اس نے جب باہر سے پوچھا تو اس نے جیسا وہ اسے مخاطب اپنی کے گرو سے سمجھتے ہیں کہ میں ان کا حامی ہوں۔ وہ مجھ پر برسرِ زاننا چاہتے ہیں۔ تب سے اس نے اسے احتیاط کرنے کو کہا تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی اس کی معصومیت اور خاموشی سے تاجا بڑا فائدہ اٹھایا جائے۔ مگر ہوا پھر بھی کی تھا۔ ہنہل اپنا تکہ ہاں پٹا تھا۔

"آپ سب یہاں کیوں کھڑی ہیں اس طرح؟" اسے ان سب کا یوں مزک پر کھڑا ہونا اچھا نہیں لگا تھا۔

"یہ کیسی خبریں سننے میں آ رہی ہیں یہ ننگا۔ کیوں ہوا ہے؟" مزرا نے بے چینی سے اس سے پوچھا تھا۔  
"یہ پائی باز لوگوں کی آواز گروئی کا نتیجہ ہے۔"

چارہ آج صفت میں خوار ہوا ہے۔ انہی امر کی بیخ کنی کے چھوڑ کر آ رہا ہوں ہائل۔ آپ لوگ جا سکتا ہے کھل یونیورسٹی مت آئیے گا۔" وہ جگت میں گئے ہوئے آگے بڑھا۔

"انگرا خوالی بات کمال تک پہنچ ہے؟" ماریہ نے اسے جاننا دیکھ کر جلدی سے پوچھا۔  
"بابر کو لے گئے ہیں وہ لوگ ابھی ٹھیک سے پتہ نہیں۔ چلیں میں باہل تک آپ لوگوں کے ساتھ جا رہا ہوں۔"

"مگر پورے مسکین سالہ لڑکے۔ وہ تو کسی غیرے بازاری میں بھی حصہ نہیں لیتا پھر اس کو کیوں پکڑا ہے اور وہ لوگ ہیں کون؟ کچھ تو پتہ ہو گا؟"  
"نا معلوم لوگ ہیں۔ ابھی کچھ زیادہ علم نہیں ہے۔" وہ ان کے ساتھ لگتے ہوئے جان چھڑانے والے انداز میں بولا۔

"اگر اس مطلب۔ یہ تو کوئی بات نہیں۔ وہ ہم لوگوں کا ساتھی ہے کیا ہم اسے ایسے ہی تماچھوڑ دیں؟" خواہ اس کے انکار پر ہی ہنر کر رہا تھا۔

"سب ہم کیا کر سکتے ہیں خود ہی اوکے ایسے بندوں میں ساتھ ڈالتے ہیں۔ یہ سب خالق ہوتا ہے آج کل کے لوگوں کو بھونکنے کا۔" اس بار تازی بول پڑی۔  
"ماریہ سے بھی ہنر کریں تو بندوں کے لے جا کر اس کا دفاع نہیں کریں گے۔" اس بار ورتے آمت کی تھی۔

"ارے بابر چارہ تو معصوم سا بندہ تھا۔ وہ تو تیرا ہو لوں سے بھی ڈرنا تھا۔ واہ بھی واہ۔ اچھا اصف ہے۔ اور تم لوگ بٹے گئے ہو کچھ بھی مت کرنا پھر پرتھ رکھ کر بیٹھے ہو۔ چاہے اس بے چارے کی بیٹی اپنی ایک ہو جائے غریب کا بچہ ہے نا پتہ ہے۔" مزرا کو غصہ آ رہا تھا۔

"کیا سب کچھ نہیں کہنا ضروری ہے جب کہ کے چلو۔" مزرا جو اتنی دیر سے خاموش تھی اس کی بے چینی پر نوکے بنانہ رہ سکی۔

"مزرا کچھ باتیں ہیں سرورہ کرنے کی نہیں ہوتی۔"

ماریہ نے بھی انہی ہم کچھ بھی نہیں دیکھا تھا۔ آپ لوگ آرام سے جائیں اور باہل میں ہی رہیے گا۔" وہ آخر کار بچت ختم کر کے اسے سمجھانے لگا تھا۔

"یہ اچھی کنی آپ نے۔ آپ بھی باہل سے مت نکلنے کا تم تو ویسے بھی نہیں نکلیں گے۔ تار! مزرا کو اس کا انداز اس بار بھی زہر کا تھا۔ وہ بچہ رہی تھی مگر وہ جان بوجھ کر لڑا لعلق رہنا چاہتا ہے۔ اسے نا ابر اس کا پورے کل اتنا سخت تھا۔

"مزرا! یہ تمہارا مسئلہ نہیں، تمہیں سر کھپا رہی ہو؟" ماریہ نے اس بار اسے بیزار ہی سے ٹوکا۔

"یہ نکل رہو تو کل کو تمہیں کوئی اٹھا کر لے گیا تو باہل بھی سر نہیں کھیاؤں گی۔"

"وہ تو جی جی ہے کیونکہ تمہیں مجھ سے کیا ہے مجھ۔" اس نے بھی جانا تھا جواب دیا۔

"مطلب کیا ہے تمہارا؟ پابری کو ہر مہینے چاہوں اور آگے کی پوری میرے گھر دے جائے۔ وہ تمہارے اس کے لیے لڑ رہی ہوں۔" وہ رک کر ہاتھ دواتے مہر سے ہونے لگی۔

"اب خدا ایسا تم لوگوں کو کچھ جگہ ملی ہے لڑنے کے لیے۔ چپ ہو جاؤ؟" ماریہ نے ان دونوں کو اس طرح اٹھتے ہوئے دیکھ کر پریشانی سے گھبراہٹ کا چند منٹ کا فاصلہ خاموشی سے لڑا تھا۔

"میں شاید ان لوگوں کو جانتی ہوں ہنہل! وہ ہماری لڑکیاں گیت سے اندر چلی گئیں تب وہ گیت پر دنگ کر پڑی۔

"انکون ہیں وہ؟"

"میں نہیں سے نہیں کہہ سکتی مگر اس دن جو مسئلہ ہوا تھا۔ تب کچھ لوگوں نے بابر کو دھمکی دی تھی مجھے ٹھٹھا تھا کہ وہ کچھ نہ کچھ ضرور کریں گے مگر اس حد تک؟ آپ لوگوں کو واقعی خود ہی طور پر بچھ کرنا چاہیے؟"

"یعنی آپ سمجھتی ہیں کہ یہ ان کی خاندانی دشمنی کا نتیجہ ہے۔" ماریہ نے کے جھگڑے تو ایک بیان ہیں؟ ویسے تمہا پوچھیں مگر رپورٹ دینا گرا آیا ہوں اس کے باپ

کے ساتھ۔ آگے بڑھتے ہیں اس کے فائز کا رابطہ تو ہے ہم سے مگر یہ بات فی الحال کیا کونسا ہے؟ نہیں۔ میں جہاں تک ہو سکا اس کے لیے کرنے کی کوشش کروں گا۔ آگے دیکھتے ہیں۔" وہ کچھ پریشانی سے پریشانی سے ہیبت صاف کرتے ہوئے بولا۔

"لوگ۔ آپ بھی اپنا خیال رکھیے گا۔ میرا مطلب ہے ان کا نزلہ آپ پر بھی گر سکتا ہے نا؟" اسے خدا حافظہ کئی گیت کے اندر پڑی گئی۔  
وہ خاموشی سے اس کی پشت تکتا رہا۔



"بابر کی چوٹ اب کیسی ہے؟ سنا ہے آپ سب لوگ کل اسے مل کر دیکھنے گئے تھے؟" وہ اسے گلاس سے باہر لی تھی۔

"اب بہتر ہے ہنہل سے جان بچائی اس کی۔ چہ نہیں تو پھر جاتی ہیں ایک۔"

"کچھ چوٹیں تو بس نہیں بھر تکی سا نہ زہر لوب بڑھانی تھی۔

"ہر جوت اور زخم کا علاج ہوتا ہے اگر کوئی چارہ کر ہوتا۔" وہ اس کی ہنر بڑا ہمت دار سچ طور پر سن چکا تھا۔

"جلنے دین ہنہل صاحب! چارہ گری تو نہیں ملے تو خمر سے دانے الیستہ بہت ہیں میں نے کئی اول۔" اس نے محسوس کیا تھا وہ اس کے سامنے کمزور ہو رہی تھی۔ وہ اس سے بہتر تھا کہ وہ اپنی ر لوب دیتی۔  
"مجھے کچھ اور مسائل پر بھی آپ سے بات کرنی تھی۔" وہ گھنگھو کو طول دے کر اسے روکنا چاہتا تھا۔  
"ہم مسائل پر صرف بات ہی کر سکتے ہیں ہمارے اختیار میں سے ہی کیا؟" ماریہ نے اسے اور ہی ہوتے ہیں۔  
معمول کے کام بھی رہ جاتے ہیں۔" وہ کسی صورت بھی یہاں مزید رکنا نہیں چاہتی تھی۔

"میں سمجھتا تھا آپ سنجھا کو اپنا تیرا دل سمجھتی ہیں تو ان ہی کی طرح سوچتی ہوں گی اس دن غریب میں تو آپ نے ان کے پوائنٹس کو بڑے اچھے طریقے سے ایکس پلیٹن کیا تھا۔ ایک قسمی سونق کے ساتھ اور

ابھی ایسے لگتا ہے جیسے آپ اپنے آپ ہی سے بھاگنا چاہ رہی ہیں۔  
 "تو پھر کس کا نام لیں؟" "میرے میں دیا دیا سا لہجہ تھا۔  
 "تو پھر اسے ایسے آتے ہیں جب ان کے سامنے جواب نہ ہونے کا حوصلہ نہیں رکھتا۔ اور اس طرح ہرگز تو بائبل بھی نہیں۔" وہ اتنا کہہ کر مزید نہیں کہتی۔  
 باہر نکلنے پر اسے یاد آیا کہ کوئی کام تھا اسے مگر کیا وہ ذہن پرورد ہے لگا۔  
 مگر کام کے بجائے ابھی کچھ دیر پہلے وہ جلسہ یاد آیا۔  
 "معمول کے کام بھی رہ جاتے ہیں۔" اور اس نے سوچا وہ کتنے دنوں سے معمول کے کام بھی نہیں کر پایا۔

جب محبت کے بارے میں سوچتا تھا تو مسائل سامنے آجاتے اور جب مسائل کو نبھانے کی کوشش کرتا تو محبت اس کے خیال کی صورت ذہن سے لپٹ جاتی۔  
 ذہن میں وہ تھی اور سامنے لوگ تھے۔ مسائل تھے حقیقت میں نہیں۔ وہ دیکھتا کچھ اور تھا اور سوچتا کچھ اور تھا۔

وہ اندر آیا تو وہ گھانا رنگے میں رکھ لیسے ہی بیٹی کی چلنے لگی دیر سے۔  
 "کیا آج بھی گھانا کھانے کا ارادہ ہے؟" وہ آکر اس کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔  
 "گھانا زندہ رہنے کے لیے کھانا جاتا ہے اور جب زندہ رہنے کی خواہش دم توڑ جاتے تو کھانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ ہمیں کاحرہ شکل تھا۔  
 "یہ! تم زندگی کو اپنے لیے آسان کیوں نہیں کر لیتیں؟" معصومہ اس سوال تھا۔  
 "مجھے مشکل کو آسان کرنا نہیں آتا۔"  
 "محبت تو بہی بہی مشکلیں آسان کر دیتی ہے۔" وہ بے ساختہ ہی کہہ بیٹھا۔  
 "محبت کا نام بھی مت لو انزل مراداً" وہ جیسے ڈر سی

گئی تھی۔  
 "تو پھر کس کا نام لیں؟" "میرے میں دیا دیا سا لہجہ تھا۔  
 "میرا نام تو کبھی مت لیتا۔ تمہارے لیے منحوس کی ثابت ہو گا۔" وہ بڑے کو ہنسا کر اٹھی تھی۔  
 "تم نے مجھے بے وجہ ہی نام لرو کر دیا۔" کیوں؟  
 احتجاج واضح تھا اب کہ۔  
 "بے وجہ تو نہیں انزل مراداً محبت راہ کھلی کرتے کام نہیں ہے اور پھر میرے دل میں ایسا کوئی اور احساس بھی نہیں ہے۔" وہ جواب دے کر وہی نہیں کہتی۔

"وہ محبت ہنپاتی ہے۔" وہ شیشے پر جمی گرد سے دانہ بناتے ہوئے بولا۔  
 "وہ بالکل سبھا کی طرح ہے۔" وہ ہلکا سا مسکراتے تھے۔  
 "تو پھر اسے سنبھال کھوں؟" اس نے اس کی مسکراہٹ دیکھ کر مسکراہٹ سے بیا۔  
 "اسے ڈراپ نہو۔" وہ خود جیسے کسی جواب میں آئے تھے۔

"دل اسے حقیقت میں حاصل کرنا چاہتا ہوں۔" ہنسل کی امید زندہ تھی۔ اس نے دائرے کے اندر گرد پھلتے ہوئے اس پر لکھا تھا۔  
 "اسے تمہارے لیے لانا بڑے گا۔ اور اپنے لیے بھی مگر تمہارا ساتھ مضبوط ہونا چاہیے۔"  
 "محبت سے زیادہ مضبوط کچھ نہیں ہو گا۔" اس نے لہجہ مضبوط تھا۔  
 "محبت کو کبھی کمزور مت کرنا۔"  
 "آپ میرا ساتھ دیں گے؟"  
 "میں تمہارے ساتھ ہوں۔ میں اس سے بات کر رہی لگا۔"  
 انہوں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا ان ہاتھوں میں ایک عمدہ بندھا تھا۔

"جب سے گاؤں سے اٹلی ہو۔" لہجی لہجی سی رہتی ہو۔" کیا بات ہے؟"  
 "میں سوچ رہی ہوں ساڑھے تین سال کیے گزر گئے۔ یہ آخری سال ہے۔ کیا میں نے کسی چاہا تھا۔ میں اپنا خالی خالی کیوں ہے؟"  
 "میں محسوس کر رہی ہوں تم کوئی فیصلہ کرنا چاہ رہی ہو مگر کر نہیں پا رہی۔ کیا مسئلہ ہے؟"  
 "کچھ نہیں۔" لہجی سوچ رہی ہوں جس حق کے لیے میں نے تو از اٹھانی تھی اس کا کیا ہوا۔ میں تو سبھا کی محرومیوں کو سنبھال چاہتی تھی۔ وسالت کی عورت کے لیے کچھ کرنا چاہتی تھی۔ یہ واقعہ صرف میری ذات کا تو نہیں اور اب جب سوچ رہی ہوں تعلیم مکمل کر کے اپنے گاؤں کی عورت کے لیے کچھ کرنا تو ایک اور زنجیر قدموں کی تلاش میں پیچھے آ رہی ہے۔ کیا پھر اسے لے جا کر آواز اٹھاؤں اور مسائل معمول جاکوں؟  
 میں گماں جا رہی ہوں اور منزل کمال ہے کچھ یہ نہیں ہے۔  
 وہ مکمل طور پر لہجی ہوتی تھی۔

"تو تمہیں کون سی بات اٹھا رہی ہے؟" وہ اپنے لیے سوالیہ نکتے کے لیے اپنا منہ لگا لکھتے گھڑوہولی تو ہمیں لپٹ ہی جاتی ہے اور پھر تمہارے ہاتھ آتے ہیں۔  
 "میں کبھی نہیں ہوں ہنسل کو باغ اس وقت کہو۔ ایسا ہنسا پھر تمہیں نہیں ملے گا۔ شادی کرو اور اس کے ساتھ جی خوشی زندگی بسر کرو۔" وہ اسے آسان سارے تیاری ہی زندگی کے لیے۔  
 "بس کیا کچھ چاہیے ہے تمہارے؟" نہیں حرا زندگی کا مقصد صرف شادی تو نہیں ہے۔" اسے اس سے اختلاف تھا۔

"تو پھر جا کر بیٹھ جاؤ کسی ایسے کے انتظار میں جیسا تمہاری ماں کے نصیب میں تھا اور پھر تمام محرومیوں کو لے کر شادی تو ہونا چاہیے۔" وہ اسے دوسرا آہن بنا کر لڑاؤں سی مکر سے ٹھل گئی۔

سنا تھا کہ وہ اب خود ہی ہنسنے لگی۔  
 "کچھ نہیں ہوتا اس دن کی طرف بھجکیوں سے۔ جو گرتے ہیں وہ بیٹے نہیں ہیں۔" وہ چاہتی پری بائبل رکھ کر پڑھنے کے ہاتھ سے ہونے پولا تھا۔  
 "مگر تو کیوں اس کے چکر میں پڑا ہے۔ آج اس کے باپ کے ساتھ اٹھائی ہو گئی تھی۔ کل کمال کو کچھ ہوا تو تجھ ہی کو گھسیٹیں گے۔" انہیں اس پر بے طعن کر خندہ آیا تھا۔

"انزل اندر آ جا!" یاہر ان کا پھر تاناہن سے تھے۔  
 "کی ناٹا۔" کہنے لگے بیٹوں پر جا رہا تھا کوئی کام ہے کیا؟  
 وہ چاہتی سے ابڑک اٹھا کہ کدھ ہے پڑا تھا ہوا لہر سے میں آیا۔  
 "ہاں مجھے تجھ سے بات کرنی ہے۔" وہ نیچے کے سہارے اٹھ چلے۔  
 "تو۔" ختم کیجئے۔" وہ یہی فرماں برداری سے ان کے ہلکے پیا لہجے پر آ بیٹھا۔

"انزل! وہ بیٹیوں کی زندگی میرے سامنے ہے میں نہیں چاہتا کہ یہ بھی اپنا لہجی زندگی گزارے۔"  
 "تو یہ کھٹک گئے ہیں تانا! اور ان کا باپ ہے ہم کیا کر سکتے ہیں بیٹھا۔" ہال آکر یہ خود ان سے بات کرنے کا حوصلہ رکھتی ہوتی۔  
 "دیکھ انزل! اس کی بات وہاں سنی نہیں جائے گی پھر شاہ میر کو تو نے دیکھا ہے۔ اس کے پاس نہ علم ہے نہ ہی ہنر اور ماحول کیسا ہے ان لوگوں کا۔ یہ وہاں جگہ کیسے خوش رہے گی بیٹھا۔ سنبھا کا دکھ ہی میرے لیے پھاڑ ہے جو ابھی تک سینے سے جتا نہیں پھر اپنی حیاتی میں ایسے لوگوں کو کیسے اس کی زندگی کو جلائے لالہ؟"  
 "پھر ہم کیا کر سکتے ہیں تانا؟" اسے فی الحال کوئی حل نظر نہیں آ رہا تھا۔  
 "شاہ میر اور اس کے باپ سے میں بات کرنا ہوں کہ وہ اس رشتے سے ہاتھ اٹھا لیں۔"  
 "اور وہ آپ کی بات مان جائیں گے؟" اس کے بچنے پر تجویز پڑی تھی۔  
 "دیکھو محمود نے اپنے سنبھے شاہ میر کو اس لیے سبک

دشمن کا ہے کہ گھر کی بات خبر میں ہو گی تو وہ لوگ پرہیز  
کے جسے کی زندگی میں ہائیں گے کہ شاہ میر کا ماننا ہے کہ  
وہ کس اور شادی کرنا چاہتا ہے۔ گریب کی بات مان کر  
پہلے بچا کے بل کرنا چاہتا ہے۔ پھر وہ سنی شادی اپنی  
مرضی سے کرے گا۔

”تو تو ہے مگر ہم کیا کہہ کر انہیں واضح کریں گے  
آخر؟“

”شاہ میر اسحاق کی بیٹی کا ملہ سے شادی کرنا چاہتا  
ہے میرے کہنے پر اسحاق بیہوش وے دے گا۔“

”مگر اسحاق بچا آپ کی بات کیوں مانیں گے پھر آپ  
پرہیز کو تو بچا لیں گے مگر کسی اور کی بیٹی اس طلب میں لیں  
جائے گی۔“

”اسحاق بھی اپنی لڑکی کے رشتے کے لیے پریشان  
ہے۔ اس کی بیٹی کے لیے شاہ میر کے علاوہ فی الحال کوئی  
وہ سراشتہ نہیں ہے۔ اور شاہ میر اپنے جسے کی زندگی  
آپ کو کرنا ہے تو گزارا اچھا ہو سکتا ہے۔“

”اب تک پرہیز کے لیے بھی کوئی سراشتہ نہیں۔ اگر  
شاہ میر سدھر جائے تو ہمیں کیا اہلیہ مانیں ہے۔ اس  
کے باپ کی خوشی ہی نہیں ہے اور میرا شاہ میرا بھی  
منزل ہے مانا اس میں کوئی لڑکی اپنی عمارت نہیں ہے۔  
شریف بچے سے پھر ہم بلاویہ کیوں اس کے باپ سے  
دشمنی مول لیں۔“ انہی کے نزدیک آسمان تل بھی  
تھی۔

”دیکھ انہی بچہ اپنی صرف شاہ میر کی نہیں۔ بات  
یہ بھی ہے کہ اب بچوں کے رشتوں کی یہ روایت تو نہیں  
چاہیے۔ چوں کہ گے فیصلہ کرتے وقت ان کی خوشی  
بھی نشان ہونی چاہیے۔ شاہ میر پرہیز کے لیے اچھا ہو  
سکتا تھا مگر اس صورت حال میں ہرگز نہیں سودا سہری  
شادی ضرور کرے گا پھر میری بیٹی کی اس گھر میں کوئی  
حیثیت نہ ہوگی اور پرہیز کی سوج ان کے گھر کے ماحول  
سے بچ نہیں سکتی۔ مگر بھر میری بیٹی نے خود میاں  
دیکھی ہیں۔ آپ میں اسے قربان نہیں کر سکتا۔ میری  
بیٹی مجھے سنا ہے نہیں کرے گی جو بچہ سنا ہے سما میں  
پرہیز کو اس سے چاہتا ہے۔“

”پرہیز کے لیے کوئی اور پیشہ ہے آپ کیسے اس  
وہ دیکھ ان کے منہ سے سننا چاہتا تھا۔  
”فی الحال نہیں۔ مگر میں انتظار کروں گا جو پرہیز کے  
لیے مناسب ہوگا۔ مجھے یقین ہے میرا شاہ میر سے  
بچے۔“

وہ حیرت اور خوشی سے ان کی طرف دیکھنے لگا۔  
”فائلر مجھے بھائیوں کی طرح سمجھتی ہے میں پہلے  
اس سے بات کروں گا اگر وہ خوش ہے تو بچا اسحاق سے  
ہم بات کر لیں گے۔“ وہ انہیں امید دلا کر اٹھا اور باہر  
نکل گیا۔

”تیری شادی میں اس دن دو راز لڑکی سے ہرگز  
نہیں کروں گی۔“ یہ تو۔ ”وہ جو کھڑکی سے ان کی  
گفتگو سن رہی تھی۔ اس کے باہر کھڑکی ہی بول  
پڑیں۔

”تہہ اللہ۔ ادا چاری من لے گی۔ کیا سوچے  
گی۔ آپ سوچتی ہیں نہ سمجھتی ہیں جو منہ میں آئے  
بول رہی ہیں۔“

”بھاری بول تھی میری شادی صرف پرہیز سے ہو  
گی اپنے بھائی پرہیز سے گریب اپنی حیالی میں ہی ہے  
کہہ گیا تو لڑکے اور مت لڑنا۔“

”جانتی ہوں۔“ وہ اٹھ کھڑے ہوئے بغیر کسی میں بحث  
کے وہیں سے ہل گیا۔

پرہیز کی من کے کہنے میں حیرت ہو گئی کہ کوئی پرہیز  
بنا ہوا تھا۔ اسی لیے اسے اطمینان تھا۔ اس نے یہ  
ساری گفتگو نہیں سنی ہوگی۔

آج بستر پر لیٹے ہوئے اس نے بار بار سوچا تھا کہ ہر  
بات اس کی من نے خدشے کے طور پر کی ہے۔ اس کا  
کوئی جوہر ہے؟

کیا واقعی اسے پرہیز سے ہمدردی ہی ہے۔ یا پھر کوئی  
اور احساس بھی جگہ رکھتا ہے؟

ابھی تک اسے خود سے سوائے انہی کے کوئی  
جواب نہ ملا تھا۔

بہات کہاں تک پہنچی؟

”سراوہ بات کو چھوڑ کر اور طرف لے جاتی  
ہے۔“ وہ ان کو اپنی انجمن بتانے لگا۔  
”تو تم بھی بات کو چھوڑ کر اپنی طرف لے آیا  
گرد۔“ یہ کہیں تو ہر سٹے کا جیسے گل تھا۔

”مجھے یہ فرق نہیں آتا۔“ اس کے ہونٹوں پر  
استہزائیہ سی مسکراہٹ تھی اپنے لیے

”تو بات کو اچھا مت۔“ یہ وہی طرح کہ وہ۔  
”چاہیے سان لفظوں کو بھی برا اثر پڑتی ہے۔“

”آپ اس سے بات کریں سربراہیں نہیں کرنا تاہا ہر  
جانا ہوں۔“ وہ اٹھ کر ان کے قدموں میں بیٹھ گیا تھا۔  
”میں تمہیں ہارنے نہیں دلاں گا۔“ انہوں نے  
اس کا چہرہ اپنی آنکھوں میں لے لیا۔

”میں اس بار خود کو ہارنے نہیں دلاں گا۔“ وہ واقعی  
خود سے مخاطب تھی۔ مدت عرصے بعد وہ خود سے ملے  
تھے اور اب خود کو کھونا نہیں چاہتے تھے۔ مدت عرصے  
بعد گئی کی آنکھوں میں اپنا مسرور دکھ تھا۔ انہیں لگا  
تھی کہ یہ عمل انہوں میں کھٹا اور ان کا گھر رستے  
کی حالت میں ان سے آگیا ہے۔

پتلی ان کی آنکھوں میں محبت کا عکس دکھ رہا تھا۔  
وہ اپنے ہر جسم سے ان کی آنکھوں میں کمال کی روشنی  
تھی۔ اور گریب سے ساری روشنی تھی۔ عشق کی گلیاں  
اندھنی نہیں ہوتیں۔ ان میں روشنی ہوتی ہے۔

\*\*\*

”سراوہ تم سے ملنا چاہتے ہیں۔“ وہ اندر آ کر  
اسے سلام بیک کرتے ہوئے کہنے لگی۔  
”کیوں انہیں مجھ سے ملنے کی ضرورت کیوں پیش  
آئی۔“ اس کی تقریباً بیٹنگ مکمل ہی تھی۔ اسے  
لگا رہتا تھا کہ وہ کس لیے اس سے ملنا چاہتے ہیں۔

”خود جا کر پوچھ لو۔ کسی کے ہاتھ میں سچ نہ ہو تا تو  
خود کیل آتے چل کر۔“

”مرا تم ان سے کہو کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں۔  
مراں ہوں پلٹے منہ کر دو۔“

”میں انہیں بتا کر آتی ہوں کہ تم سلام بیک کر رہی  
ہو اور اب سب جاؤ وہ دست در سے انتظار کر رہے ہیں۔“  
”مگر میں ان سے ملنا نہیں چاہتی۔“ وہ بیک کی زپ  
بند کرتے ہوئے جھنجھلائی۔

”تو جا کر کہہ دو تمہیں ملنا چاہتی ہیں میں نہیں جانا  
رہی جھوٹ بولنے کے لیے۔“

”ہم میرا اتنا سا کام نہیں کر سکتیں؟“  
”تم اپنے آپ سے بھاگ سکتی ہو۔ پوری دنیا سے  
نہیں۔ تم میں اتنی ہمت نہیں کہ تم دنیا کا سامنا کر سکو  
اور باتیں ایسی کرتی ہو جسے۔“ وہ جین بوجھ کر جملہ  
اور حور ایچوڑ کر کھڑے سے نکل گئی۔

وہ بیک نیچے جھینک کر جھنجھلاتے ہوئے باہر نکل  
گئی۔ حالانکہ اس کا ذہن ایک نئی بحث میں پڑنے کے  
لیے بالکل بھی تیار نہیں تھا۔

”کی سب! وہ بالکل ناخوہاہت وہاں بیٹھ گئی۔  
”آپ جارہے ہو دیکھ دو ان میں کس کو ٹھٹھ کر کے  
میں بہت مسرور ہوں گا آپ سب کو۔“ وہ اس کی  
خیر دہی کیجئے مگر اسے ہوسے جھنجھٹے لگا۔

”وہ اتنا۔“ وہ کن چاہتی تھی کہ ”ایسا صرف یہی  
کہنے آئیہ ملتا آئے ہیں۔“ بزرگ یہی رقی انہوں  
نے خود ہی کہہ کئے کے لیے لب کھڑے تھے۔

یہ۔۔۔ زندگی میں کچھ مواقع ایسے آتے ہیں  
جب فیصلہ ہارنے یا فتح میں ہونا ہے۔ اس کے بعد  
زندگی کا رخ بدل جاتا ہے اور سمت کا یقین ہم خود  
کرتے ہیں۔ اگر منہ کی کا انتخاب کرنے کا شعور اور  
جو صلہ ہم میں ہو تو زندگی سنور جاتی ہے۔ ورنہ زندگی  
بھگی بھی وہ سراوہ مواقع نہیں دیتی اور ہم زندگی کے  
مشکل راستوں کو طے کرنے کے لیے تھکا جاتے ہیں۔

”آپ یہ سب میرے مستقبل کی پیش گوئی کے  
طور پر کہ رہے ہیں؟“

”تمہیں اپنی زندگی کو سامنے رکھ کر کہ رہا ہوں۔  
میں نہیں چاہتا کہ کوئی اور اپنے ساتھ زیادتی  
کرے۔“ وہ ٹھنڈی مساس بھر کر خاموش ہو گئے۔

"تو وہ شخص آپ سے منہ پھری زندگی گزارنے والے ہیں۔ اس کا ذکر کب تک میں کر سکتا ہوں؟"

"سیری زندگی کون سا ایسا ہوئی ہے؟ ان کے اندر کھرا مال جاگا۔"

"کس نے تم کو کہا آپ کو محبت کے نام پر ایسا کروا کرے گا؟"

"بی بیانی تو میرے حصے میں آئی تھی پر اب میں تو اس کے حصے پر اسے جوڑ گیا تھا۔"

"جموت مت بولیں جان لوگوں کی گیدڑ ہوتی ہے کھولے سے ڈر گئے تھے آپ حالات سے لڑنے کا حوصلہ نہیں تھا آپ میں تو پھر بھی اپنی محبت کو ان کے قدموں کی زنجیر بنا دیا۔ کیا مال اس سے صرف ذلت رسوائی ہے عزتی اور شرف ہی ان کے نصیب میں آتی ہے؟"

"میں اسے ذلت رسوائی اور بے عزتی سے ہی تو بچانا چاہتا تھا۔ جب ہی ہتھیار چھین کر چلا آیا۔ اسے قتل کو چاہی میں بدنام کرنا مقصود ہوتا تو نے آجاتے اپنے ساتھ۔"

"بڑا دل ہے آپ۔ بہت نہیں تھی آپ میں ان لوگوں سے بڑے کی۔ ان کی کھلی بھی دستاویز ہے قبول نہیں تھی۔"

"ان لوگوں سے لڑنا جن کا تمہک کھلیا تھا۔ سوان صاحب نے مجھے لیا کی موت کے بعد سارا دیا۔ اپنے گھر میں رکھا مجھے برعکس کیا ان سے لڑنے اٹھ کر آیا ہوتا۔ میرے ہاتھ نہ کٹ جاتے اگر ان کی طرف اٹھتے۔ یہی زبان نہ کٹ جاتی اگر ان کے سامنے کھلتی۔ میں ان کے آگے بیڑا نہ کر کے کھڑا ہوتا۔ میں بے غیرت تو نہیں تھا۔ ہم جیسے لوگ کسی کا ایک معمولی سا احسان بھی عمر بھر کے لیے نہیں بھولتے۔ اور وہ تو میرے محسن تھے۔ انہوں نے مجھے وہاں سے جانے کا حکم دیا تو میں چلا آیا۔ میں کیسے سر اٹھا کر ان سے بات کر کہ وہ ایت میرے لیے کوئی حیثیت نہیں دے سکتی تھی میرے لیے اہمیت تھی تو سوان بیلا کی تھی۔"

"اگر اتنی ہی باتیں تھا ان کا تو وہ آپ کو نہیں اس طرف لے گئے انھیں؟"

"یہ آپ کو نہیں اس طرف کبھی نہ انھیں ہوا۔ اور میرے لیے مقدس بھی ان آنکھوں نے ان قدموں کوئی دیکھا اور انہوں نے انہیں قدموں پر اور اسے محبت ایک طرف نہیں تھی۔ جسٹس بھی ایک دل کو اس پر نہیں کرتا۔ ہر سے دور میان کوئی اظہار نہ ہوا تھا۔ مگر لوگ شاید انہوں کے ذہنیے کچھ جانتے ہیں۔ راجہ کیسے سے ٹھنی کر رہی تھی۔"

"راہ ٹھنی کرنے والا کون تھا؟ اس کی سوچی کا لہجہ بڑا تھا۔"

"سوان بیلا کو اطلاع دی تھی کہ ہم ان کی عزت پر دل لگا رہے ہیں انہوں نے بیلا لیا ہم کیا کہتے محبت اور دل کے احساس کی حد تک تو مجرم تھے سوچ رہے تھے پھر ہمیں اور سے بھی کوچ کرنے کا حکم آیا تو جو سر جھکا تھا وہ مزید جھک گیا وہ تو محبت کو سات بیلا میں بیٹھا کر رہنے کی قائل تھی۔ اس نے کہا۔ ہم چاہتے ہیں لوگ مجھ پر اتنی کریں۔ بیٹھے ہوئے ہیں۔ جب میں ان کی خورتوں کو دین اور دنیا کی تعمیر کے لیے جان کر آئی ہوں۔ جب میں ان کے اندر شہسور کی آواز جانا چاہتی ہوں تو لوگ کہہ رہے ہیں کہ اس کا کام کرتے ہیں۔ یہ تو چاہتے ہیں کہ میرے بیلا مجھ سے متفر ہو جائیں۔ میں آزادی اظہار کو قتل۔ حالی پر پتلا نہیں چاہتی۔ میں اپنے لیے لڑتا نہیں چاہتی۔ ابھی مجھے دست چڑھوں کے لیے لڑنا ہے۔ میں نے اگر خود کو محبت تک محدود کر دیا تو میرے ارادے وہ ہیں ہی دل جا میں گے۔ مجھے وہاں بنانے دیا مجھی مجھے کچھ بستر کرنا ہے۔"

"اسے بہت کچھ کرنا تھا اور میں اس کے حکم پر سر جھکا کر اس کی راہ سے دستاویزوں کی طرح جھٹ گیا۔ کیا میرا نقصان نہ ہوا تھا؟ میں نے تو ایک جہان کھویا تھا سب سے زندگی تھی۔ اس کے بعد تو بس زندگی مجھے اپنے اشاروں پر بھالی رہی ہے۔"

"یہ ٹھنکے بھلے زندگی سے تھا یا پھر خود سے گمراہی حالت میں جیسے اسے ہوئے تھے۔"

"مگر بیلا تو کچھ بھی نہ کر سکتی نہ اپنے لیے نہ دوسروں کے لیے۔ سنبھالنے زمین سے محبت کی انہیں کے پاسوں سے چلا دیا۔ درختوں، فصلوں سے محبت کی۔ مگر انہیں پختہ ملا۔ بیلا وہ ختم ہو گیا مگر آپ زندہ ہیں۔ آپ نے شانہ کی۔ اپنی زندگی بھلی۔ آزاد فضا میں رہنے کی پڑائی تھی آپ کو؟ کہہ کا بوجھ تو انہوں نے اپنے کندھوں سے سر کے ہی نہ ہوا تھا۔"

"ہاں کہ میں اس آزاد فضا میں خوش رہا۔ کاش میں اسے بھلا لیتا۔"

"وہ جیسے تھے ہوئے اٹھے تھے وہاں نہیں آئے تھے انہیں کچھ یاد نہ رہا تھا۔ وہ کہاں کیل آئے تھے؟ شاید دل کے تمام زخم تازہ کرنے کے لیے ان کے رنجیدگی سے آزاد کی تھی۔"

"چونکہ ضروری سالانہ باہر جانے والوں میں یہاں سے واپسی تھی۔ وہ ضروری پتوں کی طرح اپنا دل بھی ڈھونڈتی رہی کہ کمرے کے کسی کونے میں رہا ہے۔ مگر وہ معلوم تھی۔ اس کا دل کمرے کے کونے میں نہیں ان کھال میں تھا۔"

"آج سب ساتھ تھے۔ اور اسی پادری اور شہسور کی گئی تھی۔ ان لوگوں نے سندر می لوگ کیوں پر نہیں کیا تھا۔ ان لوگوں نے کیت گئے محفل میں ہوئی۔ سب اپنے اپنے طور پر کچھ کہہ کر لائے لطیفے شعر لولی اور نکلے پڑھے گئے محفل کے اختتام پر وہ تمام گروپوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔ وہ بیلا پر آکر اور حیفہ ساتھ تھے۔"

"یہ پڑھا اور ماریہ بھی ساتھ کھڑی تھیں اور گپ شپ ہو رہی تھی۔"

"یہ ان کا گلاں جا کر کیا کرو گی؟ مستقل طور پر یہیں بیٹھ کر رہنا۔"

"ہاں تو میری ضرورت ہے۔ مجھے اپنی ماں کے حالات سے خواب پورے کرتا ہوں۔ تمہیں بہت ہے میرے ساتھ۔"

"مگر اس کی کھڑکی جس طرف کھلتی ہے سامنے سے فصلوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ صبح صبح اٹھ کر جب تک کھڑکی سے باہر کا نظارہ نہ ہو تو لگتا ہی نہیں کہ میری صبح ہوئی ہے۔ مگر لوگ آتا میرے کھڑکی میں تمہیں پورا کا پورا دکھائیں گی۔"

"جس الموائٹ میں کر دی ہے؟" بیلا نے ٹھنکے کیا تھا۔

"ہاں تم بھی آنا۔ میں اپنے کزن سے ملوانی گی تمہیں۔ بہت اچھے تھے تم لوگوں کو خوب کھلے گا۔ بہت اچھے تھے تمہارے گروہ کے۔"

"سبوح اللہ میں رہ! ہم آئیں گے تو خالی ہاتھ والیں نہیں جائیں گے۔ تمہارے کپ کی چوکت پر سولائی بن کر بیٹھ جائیں گے۔ اس بار حیفہ جیسی چمک پڑا۔"

"مجھے کئی قسم کا کیا مان چاہا ہے۔"

"ہم بھی خلیا ہاتھ نہیں بیٹھیں گے۔ دعا کے ساتھ دعا کریں گے۔" مگر بیلا نے کہا کہ اس کے اندر انہیں ملا نہ وہاں کر رہی۔

"مگر جس دعا کے ساتھ ساتھ دعا کی ہے۔"

"اس کے ہاتھ کی طرف اس نے اپنے ہاتھ رکھے ہوئے جواب دیا۔"

"وہ ان کی ضرورت سے تو ڈاکٹر سے رجوع کریں۔"

"اس بار ترانے جواب دیا تھا۔"

"جو وہاں بیٹھا ہے وہ ڈاکٹر حکیموں کے پاس نہیں ہوئی۔"

"ہم آپ کو زہر دے دیں گے تاکہ قصہ ہی ختم ہو۔"

"وہ بھی قبیل ہے بشرطیکہ آپ زہر کا پالہ ساتھ لیں۔" بیلا نے کہنے ہوئے حرا کی آنکھوں میں بھانکا تھا۔ وہ بری طرح چڑھی تو ان کا مشرکہ قہقہہ کون اٹھا۔ کچھ دیر بعد جب آج اور حیفہ کسی اور طرف متوجہ ہوئے تو وہ پرہ کو اکیلا پا کر سونٹنگ پول کے پاس آ بیٹھا۔

"کیا سبوح رہی ہیں؟ ویسے آپ بولتے ہوئے بہت اچھی لگتی ہیں۔" اس نے چالی میں ٹکر بھینکا جو بھونچا ہوا تھا۔



# بدل دے زندگی کا ہر انداز

TRIPLE ACTION  
**Minto**  
EXTRA WHITENING TOOTH PASTE



منٹو  
تینٹرل پیسٹ



- ✓ کیٹم اور سکرالک سے دانت سفید
- ✓ Extra Whitening سے
- ✓ دانتوں پر اونگھی پرت اور سفید
- ✓ عمل Tartar کنٹرول
- ✓ دانتوں اور لہجے سے جھپکے مٹائیں

**Extra Whitening**

ہوا۔  
”بولنے سے کچھ نہیں ملتا“ انقلاب کو سٹشوں سے  
آتا ہے۔“  
”ڈاکٹر قسم کے انقلاب کی بات کر رہی ہو؟“  
”شعور کا انوشی کا جنگ کے بعد امن کا اسلام کا  
کاٹون کا سچائی کے غلط۔“

”اور محبت کا؟“ وہ ان سب چیزوں میں گنجائش  
نکل کر محبت کو لے آیا تھا۔  
”عشق کا انجام قبر ہے کچھ نہیں ملتا محبت سے۔“  
”حقیقت میں اور نہ ہی کمائیوں میں۔“ وہ نیچالے  
کیوں اچھا لگتی رہتی ہوئی تھی۔

”یہ دنیا محبت کے دم سے ہی قائم ہے۔ ہم نیچالے  
کیوں اپنی غلطیوں اور برائیوں کا سبب محبت کو  
تھراتے ہیں۔ ہم ایسا کیوں کرتے ہیں پرہ؟“  
”تجربات میں بدل دیتے ہیں ہتھولہ! وہ بھی جیسے  
ہاری ہوئی تھی۔“

”ہم یا تجھ کو نہیں کرتے؟“  
”اس قدر حوصلہ کمال سے لاؤں۔“  
”مجھ سے ہار دیکھو، جو بچہ سنیما کے خواب کیسے  
پورے کر دیتی؟“

”تم سنیما کو کتنا چاہتے ہو؟“  
”میں سنیما کے کبھی کو چاہتا ہوں۔“  
”میں اس سے نفرت کرتی ہوں۔“ اس نے وہ  
ٹوک کہہ دیا۔

”تم غلط کرتی ہو پر دیا، جی تو بہت معصوم ہے۔“  
”معصوم تو ہتھولہ بھی بن رہا ہے سب کچھ جانتے  
ہوئے بھی۔“ وہ اس کی۔  
”ہتھولہ صرف پرہ کو چاہتا ہے۔“ وہ یقین دلانے  
لگا۔

”تم جیسے لوگ صرف باتیں کرنا جانتے ہیں۔ وقت  
آنے پر دامن بچا جاتے ہیں، ہتھی کی طرح۔“  
”تمہا جی کو جانتی ہو پر ہتھولہ کون ہے؟“  
”میں تو تمہیں ہی جانتی ہوں ہتھولہ لگا تم کون  
ہو۔“ وہ اتنا کہہ کر رہی نہ تھی اس سے پہلے کہ وہ مزید

برآمدے میں لگی ہوئی لائبریری کی چھتائی لورڈی  
چلتی بھتی روٹنی لیکری صورت اس کے گھر سے  
کھلی کھڑکی سے آ رہی تھی۔ وہ گھنٹیوں کے گرد لپٹے  
والے بیٹے کسی گہری سوچ میں گم تھی کہ اچھا لگتا ہے۔

www.aksociety.com

کھانے کی تو از سے ہم پڑا بھی۔  
 ”تم سے کوئی ملنے آیا ہے۔ اپنا نام پتھل بتانا۔“

”مجھے کسی سے نہیں ملتا۔“ اس کے اندر گھرے  
 ستانے میں کسی نے تجھ پر جھکا تھا۔ ”اس سے کہیں کہ  
 یہاں سے چلا جائے۔“

”تم اپنے ساتھ اس طرح کیوں کر رہی ہو رہے؟“ ایلے  
 تم نے مجھ سے کہا۔ ”آہ اچھی ہے اس سے شادی کر  
 لو۔ میں نے کر لی۔ مگر میں خوش ہوں اور پر سکون بھی  
 شاید میرے صے کی محبت آہ کے پاس تھی۔ اب میں  
 جھکا گیا چاہتا ہوں کہ تم خوش رہو اور پر سکون بھی۔“  
 ”میں خوش ہوں اور پر سکون بھی۔ مجھے کچھ مل گیا  
 ہے اور کچھ مل جائے گا۔“

”وہ بہت اچھا ہے پر وہ اسے خلی ماتھ مت لہو۔“  
 وہ اس سے کچھ فاصلے پر بیٹھا کر اسے سمجھانے لگا۔  
 ”میں اپنے بتانے گھر کو چھوڑ کر کہیں نہیں جا  
 سکتی۔ کہیں بھی نہیں جا سکتی۔ اس کا گھر اور میری ضرورت  
 ہے۔“

”بھول نہیں جاؤں اس کو۔ میں بہت گریہ گا ہوں  
 اس سے۔“  
 ”کیا بات کر رہے ہو تم اس سے؟“  
 ”میں اسے تمہارے لیے زبان دے چکا ہوں۔“  
 ”تجھیں کیا حق تھا اس طرح کرنے کا؟“ مجھ سے

پوچھے بغیر ہی۔ ”وہ چلائی۔“  
 ”یہ حق مجھے بتاؤ کہ گئے تھے اور تم اب کچھ  
 دنوں کے لیے گھر سے باہر لگتا بند کر دو۔ بیٹھ کر اپنی  
 شادی کی تیاریاں کرو۔ کیوں آہ نہ! میں ٹھیک کہہ رہا  
 ہوں نا! وہ اندر آئی آہ نہ کی طرف دیکھ کر لو۔“  
 ”یا کھل ٹھیک۔ اور کام تو زندگی بھر چلتے رہیں گے نا۔“

”تم لوگوں کو کس طرح نہیں کرو کہ انہیں؟ کیا بتاؤ  
 گے انہیں اور لوگ کیا کہیں گے میرے بارے میں۔  
 کہیں تو نہیں کریں گے؟“ اسے کچھ پریشان تھی۔  
 ”لوگوں کی پروا کب سے ہونے لگی ہے تمہیں۔“

”مجھے؟“ وہ ہنس دیا۔

”میں اسے نانا کا بھروسہ تو ہوتا نہیں چاہتی تھی۔  
 آج زندہ ہونے تو کیا سوچے کہ میرے لیے انہوں نے  
 اتنا کچھ کیا اور میں نے ان کی غیرت کا بھی نہ سوچا ہے  
 لیے باہر نہیں پستہ کر لیا۔“

”یہ تمہارا حق ہے۔ اس کی ہمارا ذمہ سب اجازت  
 دینا ہے اور اب تم خود بھی اگر ایسی باتیں کرنے لگی ہو تو  
 وہ سہول کا تو کوئی افسوس نہیں۔“

”انہل! میں یہاں کے لوگوں کو بتانا چاہتی ہوں کہ  
 اگر آپ لورت کو اس کے حقوق دو تو اس کا نتیجہ یہ ہر  
 گز نہیں کہ وہ آپ کی مرضی یا خواہش سے ٹکرائے  
 بس سب کچھ جائز ہونا چاہیے۔ اگر سب کی خوشی ایک  
 چیز میں ہو تو ہمت ہے۔ وہ چھو میری ملنے بھی اجازت  
 نہ کی۔ میں اسے کر سکتی ہوں۔“

”تم نے کوئی اجازت نہیں کی ہے تمہارے بھروسے کو تمہارے  
 لیے ہمت ہے اسے ہم کیوں نہ تمہارے لیے منتخب  
 کریں اور پھر ہم سب خوش ہیں پر اب کچھ ہمت  
 طلب ہے۔ یہ ہو گا۔ وہ نکال کر چلا جائے۔ یہ چھوڑ  
 نہیں تا اور پھر بتا کر بھی خوشی ملے گی۔ وہ تمہاری خوشی  
 میں خوش تھے۔ چلو میں اب اسے ڈیٹ فائل کر دوں  
 وہ میرا انتظار کر رہا ہے اگر تم اس بار نہیں ملتا چاہتیں  
 تو خیر۔“

وہ ہنس کر آہ بواؤں سے اٹھلا۔ اس نے ایک بل کو  
 اس کا چہرہ دیکھا۔ وہ کتنا خوش تھا اس کی خوشی میں۔ کتنا  
 اچھا دوست تھا وہ اس کا۔ کتنا کھٹا تھا اسے۔ اس کے  
 دل سے انہل کے لیے بہت ساری دعا میں ہی نکلتی  
 رہیں۔ اسے اپنی دعاؤں پر یقین تھا۔

”یہ تم نے اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے عارفین!۔  
 اس نے ان کے گھر سے بل اور حلیہ دیکھا اور تم سا کیا  
 تھا۔“ عمر سے زیادہ بڑھے لگ رہے ہو۔ ”وہ خاصا  
 سے سکرٹ پیٹے رہے۔ ان کے چہرے پر کوئی اثر نہ  
 تھا۔“

”میں نے سوچا تھا میں تمہیں خوش رکھوں گی مگر  
 میں پیمانہ کر گئی۔“

”میں نے تم سے کہا تھا کہ میں تمہیں خوش نہیں  
 رکھ سکتا پھر بھی تم نے مجھ سے اتنی امیدیں رکھی ہیں۔“  
 سکرٹ الٹ کرے میں بھانسنے ہوئے بغیر اس کی  
 طرف دیکھے کہا گیا۔

”تو پھر میں کس سے امید رکھتی عارفین؟ مگر میں  
 بیٹھتی تھی۔ ہر اتنی وہی کبھی تمہیں بیٹھنے کی کوشش نہ  
 کی۔“

”اب کیا کرنے آئی ہو؟“ مجھے ہر اتنے پابھی تھے۔  
 ”ہارنے آئی ہوں۔ اتنی کوشش ضرور کروں گی کہ  
 سبھا کے مابھی کو بھول کر اپنے عارفین کو خوش  
 رکھوں۔“

”سبھا کا مابھی تو کب کا مر گیا ہے اور عارفین  
 ہارنے کے لیے تیار۔“  
 ”زندگی اتنی بڑی بھی نہیں ہوتی عارفین! بیٹھا ہم  
 اسے بتا رہے ہیں۔“

”اب تمہیں اور سکرٹ! ہنسنا گزر چکی ہے۔“  
 ”زندگی ہارنے سے عارفین! چھٹی بھی تھی۔ مگر ہے تو  
 کسی کا کچھ ہے۔“

”کیا کر لیں گے ان لٹھوں کو؟“ مگن کا لہجہ ابھی تک  
 خشک تھا۔

”مسکراتے کی کوشش کریں گے۔“ وہ مسکرائی  
 تجھ سے۔  
 ”بہن! مسکراہٹ ہانسنے کی بھی کوشش کیا کرو۔“  
 ”مجھے مسکراہٹ ہانسنے کی کوشش کی۔“

”میرے ساتھ میرے دیکس چلو۔“ میرے گاؤں  
 جہاں میں کی خوشبو مجھے ہلاتی ہے۔ میں اپنی اپنی زندگی  
 وہاں گزارنا چاہتا ہوں۔ بھیتوں، درختوں، نسوں،  
 پھولوں، ٹیلوں کے درمیان۔ میں خوش رہنا چاہتا ہوں  
 سب سے۔ اگر تم چلو تو ورنہ میں یہاں اب نہیں نک  
 سکتی۔“

”تمہارا گاؤں کوئی خوب صورت جزیرہ ہے؟“ اس  
 نے اسے آواز میں کے سے انداز میں پوچھا۔

# سوتیلی ہیر آئل

SOHNI HAIR OIL



- گرتے ہوئے ہاتھوں کو روکتا ہے
- بے پانی آہٹ ہے
- ہاتھوں کو خشک ہونے سے روکتا ہے
- سرور اور ہاتھوں کو بھلا کرنے کے
- کیلورین ہے
- ہر قسم میں استعمال کیا جا سکتا ہے

قیمت = 100 روپے

سوتیلی ہیر آئل 127 بی بی لیل کا سرگرمی ہے اس کی چاروں  
 کے اور اسے خشک اور زیادہ تیزی سے خشک ہونے سے روکتا ہے اور اس  
 کی کئی اور قسمیں شہاب نہیں، مگر اس کی شہاب کا سب سے پہلا  
 لگائی قیمت صرف = 100 روپے ہے۔ ہر قسم کے خرابی اور کج  
 کر دینا اور دل سے جھوٹے بی بی لیل سے سبھا کے لیے اس کی  
 حساب ہے لگا کر۔

- 2 بیکوں کے لیے = 250 روپے
- 3 بیکوں کے لیے = 350 روپے

نوٹ: اس نمبر پر آکر اور ہر جگہ پر دستیاب ہے۔

ملی آہ بھانسنے کے لیے ہر سال ہفتہ  
 پہلی بیکوں، 53 اور چھ بیکوں، 100 روپے کے ساتھ ساتھ ہر سال ہفتہ  
 بعض خریدنے والے حضرات سوتیلی ہیر آئل ان جگہوں  
 سے حاصل کریں  
 پہلی بیکوں، 53 اور چھ بیکوں، 100 روپے کے ساتھ ساتھ ہر سال ہفتہ  
 کتبہ، عمران ڈاگھٹ، 37-111-111 ڈاگھٹ۔  
 فون نمبر: 32735021

ہاں۔ تم سے بھی زیادہ۔ انہوں نے اس انداز میں جواب دیا۔

”پھر تو نہیں تمہارا جا کر مجھے گھاس ہی نہیں ڈالو گے“ اس نے منہ کیا۔

”ہو سکتا ہے تمہیں ان گلیوں سے پرانا غار فن مل جائے۔“

”وہ ابھی تک وہاں ہے؟“

”نہیں۔ اس کا دل ان گلیوں میں ہے۔ سچا کے پاس۔“

”تم سچا کو بھول نہیں سکتے؟“

”تم سچا سے کیوں جلتی ہو؟ عارفین تو تمہارے پاس ہے نا!“

”مگر اس کا دل تو نہیں نا!“

”وہ دھوکہ لانا تمہارا کام ہے۔“ انہوں نے دوسرا سگریٹ جلا لیا تھا۔

”اور دل جانا جیسے تمہارا کام ہے۔ پھوڑو یہ سگریٹ“

”مگر کیا ہے نا؟ اکثر نے پھر بھی سگریٹ پتے ہو اتنے۔“ اس نے منہ ہی غصہ دھکتے ہوئے ان کے ہاتھ سے سگریٹ چھین لیا۔

”یہ دھوکہ سگریٹ نہیں پھوڑ سکتا۔“ انہوں نے دلچسپی لیا تھا۔

”عارفین تو سگریٹ پھوڑ سکتا ہے نا۔ جب چاہے پروفیسر ہی جلا سکتی ہے۔“

”ابھی تو سچا سے یہ سب روپ اور ڈھ رگے ہیں تم نے۔ تمہارے اب یہ سب براہ راست نہیں ہو گا۔“

”تم پھر اصلیت پر آگے۔“ وہ اسے آنکھیں دکھانے لگے۔

”تم اسی طرح سیدھے ہوئے ہو۔“ وہ بڑے گلی پھول کی طرح۔

”میں سیدھا ہی نہیں سکتا۔“

”میں تمہیں سیدھا کر کے ہی دم لوں گی بڑے میاں!“ وہ ان کے پیچھے لگی۔ ”دل جوان ہے۔“

گئی۔ کل کے سگریٹ پیاری باقی تھی۔

”تمہیں پتہ ہے نہیں تم لوگوں سے بہت جلد ہوں پوچھو کیوں؟“

”تھکائے کیوں؟“ وہ سوسوں سے انصاف کرتے ہوئے بولا۔

”مجھے حسد ہوتا ہے تم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ہوتے ہو تو کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ میں کل بلاؤج ہی میرا کی طرف دیکھنے لگا اور سوچا کہ کسی کی طرف بھی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھوں گا۔“

”وہ ہندی خوش فہمی میں مبتلا ہو گئی۔“

”تو اچھا ہے نا۔ سچی تو ان کو بھی خوش کر لیا کریں نا!“

”مجھے کون سا کسی نے خوش کیا ہے کہ میں اسے خوش کر دوں۔ سچا تو میری طرف دیکھتی ہی نہ تھی۔“

”یہ سادگی ہی وہ نام ان کے منہ سے نکل گیا۔“

”ابھی تک وہ نہیں بھولیں آپ کو؟“ اسے دیکھ کر ہنسنے لگا۔

”وہ جاو گئی ہے پتھل! اس کا سہرا ہی کے کہنے گہلے میں ہے۔“

”دو تھلے میں۔“ وہ تھلے دیکھنے لگا۔

”شام کو پھر وہ اس کی یاد ہے۔“

”اب یہاں میرا اور عارفین پھر آگے ہیں۔“ اس نے ان کا ہونڈا تھلے لیا۔

”اور پروفیسر پروفیسر کہاں گیا؟“ وہ خود ہی سوچنے لگے۔

”ہو گا سچا پروفیسر شہی کے کسی گھاس میں لٹھے پر سوچنا۔“

”ہاں یا۔“ پروفیسر کو تو وہیں پھوڑا گیا ہوں جیسے۔۔۔“

”میں بتاؤں آپ کے ساتھ کیا مسئلہ ہے؟“

”میں نے اپنا کھوایا ہوا دل پالیا تھا۔ پتھل خواب تو حقیقت کا روپ دھار کر اس کی زندگی میں رنگ بھرنے کے لیے آ گیا تھا۔ وہ دونوں مل کر خوشحال کے

اس کی قدر نہیں ہوتی۔ ماضی میں رہتے ہیں۔ اگر پروفیسروں ہونا تو یہاں کھیلوں گے اور گاڑوں میں اس کا دل اٹکا ہوا لگے۔“

”میں کا پروفیسر پروفیسر کا عشق کھانے کی چیزوں تک محدود نہیں۔“

”پروفیسر کا دل تو کھانے میں اٹکا ہوا ہے۔“

”ابنہ عارفین کا دل نہیں ہے۔“

”نہیں۔“

”نہیں۔“

”نہیں۔“

”نہیں۔“

”نہیں۔“

”نہیں۔“

”نہیں۔“

”نہیں۔“

”نہیں۔“

”نہیں۔“

”نہیں۔“

”نہیں۔“

”نہیں۔“

خواب دیکھتے تھے اور ان کے ساتھ محبت تھی اور یقین بھی۔

اس نے سر کنارے اٹھاتے ہوئے لوہوری لقمہ آج کھل کی۔

”نہیں۔“

”نہیں۔“

”نہیں۔“

”نہیں۔“

”نہیں۔“

”نہیں۔“

”نہیں۔“

”نہیں۔“

”نہیں۔“

”نہیں۔“

”نہیں۔“

”نہیں۔“

”نہیں۔“

”نہیں۔“

”نہیں۔“



جام جمست میرا جام سفال اچھا ہے

ان میں شخص ارتقا کے ابتدائی ادوار میں "کلی مٹی" کی بائیں ہوتے ہیں۔ جنہیں معاشرے کا "کھار" قرار دینے کے "چھاک" پر دھرتا ہے اور بااوار حیات کی "تالک" کو بد نظر رکھ کر اپنی نیت اور چاہت کے پانچوں سے ایک خاص سانچے میں ڈھالنا ہے اس قالب سازی کے دوران اس کی "انگلیاں" پیر "چرتن" سے بدلنا پر مشغول رہا جنوں کو سب نیاست "نڈیوں" ڈھائیوں اور "سراوں" کی ان گنت پیچیدہ تحریریں رقم کھلی ہیں۔

کلی مٹی کے یہ "سانچے" حالات کے "کوئے" میں ڈھلتے ہیں۔ ان مراحل سے گزرتے ہوئے چرتن کا "عزف" اور "غیب" اس کی صورت کا تعین کرتا ہے۔ "سفال" کر کے "کلی" سے تو کئی کاٹکار ہو جاتے ہیں۔ مگر اس کے اتار ڈی پنا کی نذر ہوتے ہیں۔ کچھ "آوے" کی "لوک" برداشت نہیں کہاتے اور ترقی جاتے ہیں۔ کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو بازار تک نہ جتتے ہیں مگر انہیں کوئی "تھیوار" "میسر نہیں" انسان کا نصیب اور بازار کا اسلوب ہر "مظرف" کا مقام ملے کرتا ہے۔ گل دان اور بیک دان میں ساخت کا فرق بھلے نہ ہو مگر نصیب کا فرق شدید ہوتا ہے۔

یہ بھی میرے ناول کی قہوم ہے۔

شخص چند واقعات کو اپنے انداز میں آپ کے سامنے پیش کر رہی ہوں۔ کرواروں کے ساتھ انصاف کرنے کی زحمت میں نے نہیں اٹھائی کیونکہ میرا ضمیر اور اک ناصص اور نامممل ہے۔ میں یہ کلام آپ پر چھوڑ رہی ہوں۔ مگر آپ کو خود سب بہت منصف پائی ہوں۔ میرا ہی رائے بھی نہیں ہے۔ صرف آپ کی رائے کا تکرار ہوں۔

آپ اس ناول کو جس بھی تاثر میں دیکھیں، مگر اس مٹی کے بے جان پر خوں کی گمانی مت سمجھیے گا۔

یہ سبیتے جاتے دھور تھے والے اور جھد کرنے والے انسانوں کی داستان ہے۔

بشیر علی سعید

بشیر علی سعید

قالیگر



صوفیہ عقیدت میں سے ناسلامہ حالات سے گزر رہی ہے۔ اسے نہیں معلوم کہ اس کا باپ کون ہے، بلکہ اس کی ماں کا نام  
گرانٹ کے عشق میں لگا کر۔ ماں کے انتقال کے بعد گرانٹ نے اس کی پرورش کی ہے۔ صوفیہ کوئی ایسا عقیدہ نہیں ہے  
کوئی دلچسپی ہے اور اس کی مذہب سے۔ وہ پابندیوں سے سزاؤ زندگی گزارنا چاہتی ہے۔ کلاس میں جیسے اور کیا  
مستقبل کے حوالے سے وہ بتاتی ہے کہ وہ لفظ راستے پر چلنا چاہتی ہے۔ مہل صوفیہ کے پیوس میں رہتا ہے۔ وہ صوفیہ  
خیال رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ گرانٹ صوفیہ کو پوسٹ آفس قلم ڈالنے کو بتاتا ہے۔ جسے وہ ہر مرتبہ کی طرح لاپرواہی سے  
ہوا ہونے کو کہتی ہے۔ کابل میکار بھی کئی کسب سے بیوقوف اور لکھت لڑکا ہے۔ لیکن صوفیہ اس پر فوج نہیں دیتی۔ وہ کابل  
کے لیے نیرنگی مگر ثابت ہو رہی ہے۔

مگر کی پرورش حکیم بیگم کے ہاتھوں ہوئی ہے جن کا تیرہت اور چھ مہینے سے اٹھا ہے۔ انہوں نے عمر کی کتنی میں  
"اللہ سے محبت بھری ہے۔ حکیم بیگم کو اللہ سے محبت ہے۔ عمر کی خواہش ہے کہ بی بی حکیم بیگم کو اس کی ذات سے  
دکھ نہ دیکھیں۔ لیکن ہر مرتبہ بیگم کو غلط ہونی جاتا ہے۔ عمر کو حکیم بیگم نے ایک سال کی عورت سے گویا تھا۔ عمر کو اپنے بیان  
کے بارے میں جانتے کا تجسس سے صاحب کا حکم اٹھانے پر حکیم بیگم عمر پر صورتہ الناس اور صورتہ القلیق بیگم کر  
پھونکتی ہیں تاکہ وہ آخر کوئی غلط حرکت نہ کرے۔ ان کی ایک بی بی امیرہ میں رہتی ہے۔ شادی کے بارہ برس گزرتے  
کے باوجود وہ بے اولاد ہے۔ حکیم بیگم ہر وقت اس کے لیے اولاد کی دعا لاتی ہیں۔ عمر کو بی بی کی لگن تھوڑی رہتی ہے۔  
پریاں آڈرک کو بارک میں ایک گیٹ گلوشینا گلوشینا گلوشینا کے پیر پوز کرتا ہے تو وہ ششدر رہ جاتی ہے جس سے وہ  
صرف اتنی شہاسا اتنی سے ملنے پارک جاتی ہے اس ملاقات میں پریاں پر کھٹا ہے۔ جیسی گرانٹ گلوکار کی کا جین  
سے ہوا ہے آپ کو مستقبل کا حکیم اداکار سمجھتا ہے۔ وہ اپنے گلوکار کی سہرا مل کے لیے پارک میں موجود لڑکیوں کو پر پوز  
کرنے کی اداکاری کرتا ہے۔ یہ جان کر پریاں کو دھکا لگتا ہے۔

گرانٹ اس سے ملاقات کا وعدہ کر کے اپنی دوست اللہ ریلوے کے ساتھ چلا جاتا ہے۔  
ابراہیم چائیس کی دہلی میں اپنے تایا کے پاس امریکہ چلا گیا۔ جو وہاں فریجھر کاروبار کرتے تھے۔ تایا کی بی بی مارینے  
شادی کر کے اس کی لادائی نکل گئی ہے۔ وہ ان کی جائیداد کا وارث بھی بن جاتا ہے۔ مارینے کی رفاقت ہر مل سے اتنی خوش  
تھی کہ اس نے اپنا نام بدل کر اپنی اس وقت ابراہیم کے دورہ اتنے پر دستہ بندی سے کیا۔ اسے ایک بچے کا شہنا  
کرتے رہے۔ جانشین ہے۔ اسپتال جلدی کی کچھ کے لیے وہ اسپتال کی پیش خدمت کار ہوا کرتا ہے۔ خواہ اس کی پرستاری  
سے بچا جاتا ہے۔ اس وقت میں اس کی پرستاری کی ایک کی ذمہ دہانی ہے۔ اس کی طبیعت اسے اپنی تمام جائیداد اور  
انگلیاں اسٹون کے ہاتھوں لگا کر رکھنا پڑی ہے۔ وہ لکھتے ہیں احمد سیت سڑک پر آ جاتا ہے۔  
احمد کی وجہ سے اسے کئی جگہ ٹوری سے ہاتھ دھونے پڑتے ہیں۔ ہر مرتبہ اس کا دل احمد کو ختم کرنے کا چاہتا ہے۔ آج کل  
وہ کتا بیل کی اپنی دکان کھول کر تندی کی گاڑی کھینے لگتا ہے۔ اس کا دھان دھب کی جانب بڑھ جاتا ہے۔ جبکہ احمد  
دل تمام تر کوششوں کے باوجود اللہ کی جانب مائل ہونے سے انکاری ہے۔

احمد جتنا اللہ سے بھاگتا ہے۔ ابراہیم زور دیتی ہے اس دن کی جانب لے کر کوشش کرتا ہے۔ ہالی ڈائمنڈ نے کا خواب  
کو بے چین رکھتا ہے۔ باپ کی فتح اور مارینے سے اور شہرت سے شوق کی کھیل کے لیے آسانی ہیں۔ اسکول میں  
لڑکیوں کی "پینڈیو" بہتی ہے۔ ایک مینی شو کے عوض وہ کسی بھی لڑکی کو اپنا بیٹی وقت دے سکتا ہے۔ وہ اداکاروں کا  
زبردست مثال ہے۔ کیری گرانٹ اس کا پینڈیو اداکار ہے۔ اپنے خواب کی کھیل کے لیے گھر سے بھاگنے کا فیصلہ کرتا  
ہے۔ لیکن اس وقت جب وہ اپنے سے ابراہیم کو رکھ رہا تھا۔ ابراہیم کو فغان ہوجاتا ہے اور اس کا جسمنا کارہ ہو کر رہ جاتا ہے۔  
رات کی خدمت سے تنگ آگرو ابراہیم کو مارا لگتا ہے۔ احمد کو یقین ہے کہ اب قسمت اس پر اپنی مہربانی شہید کرے گی۔  
اس کے خواب اس وقت چمکانا ہو جاتے ہیں جب وہ یو ایس ایٹا گلوکار فرار کر کے اسے اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔

دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر پریاں گرانٹ کو فون کرتی ہے تو اس کا خیر مقدم کرتا ہے۔ دونوں کے درمیان دو تہی پروان  
چڑھنے لگتی ہے۔ گرانٹ کی ساری انگٹو اداکاری کے گرد گھومتی ہے جو کہ اس کا چھل حلق بھی ہے۔ پریاں گرانٹ کو تاز  
کرنے کے لیے کیری گرانٹ کے متعلق معلومات مانگی کرتی ہے۔ وہ اسے ان مشکوک سرگرمیوں پر بتاتا ہے۔ کوری

ان میں گرانٹ کے سامنے تمام اسلیٹ آتی ہے۔ وہ پریاں کے جذبے کی پذیرائی کرتا ہے۔ ہوں میں دعوت پر  
گرانٹ اپنی دوست الباکو لانا ہے تو ابراہیم پانڈی زبان میں اسے "کھینا" کہتی ہے۔ پریاں کو الباکو کی حرکتیں ایک آنکھ نہیں  
بھال۔

صوفیہ پر دم تاش پر کابل میکار تھی کی ساتھی بننے کی پیش کش قبول کر سکتا ہے۔ شو کے لیے ڈریس تک وہ کابل کے  
جیل سے خریدتی ہے۔ کابل اس پر حملائے کے علاوہ کچھ نہیں کر پاتا۔ کابل صوفیہ کے ساتھ چند لمبات قیمت میں مانا  
چاہتا ہے جس کے لیے وہ صوفیہ کو اصرار کرتا ہے۔ صوفیہ اس میں پیش کش کا جواب بھی مثبت دیتی ہے۔ کابل اپنے دوست  
کے ساتھ لڑکھو صوفیہ کی تازین اور پریاں چاہتا ہے۔ آگ صوفیہ کو ایک میل کر کے  
عمر کو اس کی ماں حکیم بیگم سے والدین مانگتے انھارہ سال بعد آجاتی ہے۔

ہاں (آپا) یہاں سے اور ایک مقامی اسکول میں کچھ ہے۔ وہ شہادت عمر کو بی بی کے لئے کو شش کرتی ہے لیکن عمر  
اس سے اپنا قلم حلق ختم نہیں کرتا۔ وہ صوفیہ کو ادا کر رہا ہے۔ آج احمد کو اس کے حال پر بخوبی واقف ہے۔ آپا  
کے لیے شوکت صاحب کا انعامت عمر کو باغوار کرتا ہے جو ان کے اسکول کا پرنسپل بھی ہے۔ پاپا سے غیر ضروری پھیل دیتی  
ہیں جو عمر کو گراں گزرتی ہے۔ لیکن وہاں سے اس کا اظہار نہیں کرتا۔  
آپا تازینا قلمیں خریدتے عمر کے ساتھ مارکٹ جاتی ہے تو عمر شرم سے گزر کر ہوتا ہے۔ اس کی رائے ہاں کے گیارہ کے  
معلق اور بھی خراب ہو جاتی ہے۔

پروم تاش پر ورس کے دوران اچانک گرانٹ پنج گراں کا منصب خاک میں ملا رہتا ہے۔ گرانٹ صوفیہ کو مار لپٹنے  
ہوتے گھر لے جاتا ہے۔ اس سے ترقی پر وہ کسی سے نظریں ملا نہیں پاتی۔  
ذنی کریک حرف شیل کوشش کی ہے جس پر عمر کو فرار کر لیا جاتا ہے تو وہ خوف کے مارے کچھ گھٹے کو تار ہو جاتا ہے جسے سن  
کر اچانک کے گھر سے بھاگتے ہو جاتے ہیں۔

احمد پرنسپل کے تو اسے پریس کیلنگی سے وہ سمجھتا ہے کہ اسے ابراہیم کے قتل پر پولیس نے پکڑا ہے۔ لیکر اسے سسر  
مرد کی شکایت پر پکڑا گیا ہے۔ جگتے جگتے اپنے پاپا کے لئے کو شش کرتا ہے۔ اس کا شیل کو مل گویا ہے کہ اس کی پرستاری  
سات سال قبل ساتھی ہے اس دوران اسے خدا کوٹ گیار آتا ہے۔ ساتھ ہی ابراہیم کے خاتمہ کیے سلسلے پر پکڑا جاتا ہے۔  
پریاں گرانٹ کے عشق میں ڈوب چکی ہے۔ اسی اٹھ ماہ میں اس پر انکشاف ہو تا ہے کہ گرانٹ شہنا ڈانگ کر کے ہے۔ یہ  
بات اسے ہلا کر دیتی ہے۔ جب بھی وہ گرانٹ سے بے اعتدالی میں برتی۔ گرانٹ اس سے محبت کا اظہار کرتے ہوئے  
پروم کو دیتا ہے۔ ساتھ ہی انکشاف بھی کرتا ہے کہ احمد گرانٹ اس کا سکرین نیم ہے اس کا اصل نام احمد ابراہیم ہے۔ وہ  
نسلان ہے یہ پتہ پریاں کو سارے کرتی ہے۔ وہ احمد کو تار دیتی ہے کہ وہ اپنا مذہب تبدیل نہیں کرے گی اس لیے احمد اس  
سے شادی کا ارادہ مل سے نکال دیتا۔

پائل ڈریس حالات احمد کو بری طرح پچھا کرتے ہیں۔ اسے تھوڑا سا جگہ پر رہنا پیش اختیار کرنا پڑتی ہے۔ تمام بڑی ایجنٹ  
کیپٹان اسے بری طرح رو جب کھت کرتے ہوئے mocking bird مثال پر مدعا قرار دیتی ہیں۔ وہ اپنے مالک مکان  
سے کسی جانب کی بات کرتا ہے۔ سب اور اسے احمد کو ایک سڑاکار اور قبول کرنے کا مشورہ دیتے ہیں جو اسے قبول نہیں ہے۔  
حکیم بیگم کا اصرار زیادہ کرنا احمد کو یقین دہینے جاتا ہے۔

شہادت صرف حکیم بیگم کی مستقل لگن قرار دیتا ہے۔ حکیم بیگم کے داماد صوفیہ عمر کو پڑھائی کے لیے امریکہ بلوانے کا فیصلہ  
کرتا ہے۔ انہیں اپنی رہنمائی دیتا ہے۔  
پریاں کو اطلاع ملتی ہے کہ پاپا گرانٹ کی طبیعت بے حد ناساز ہے اور اسے جلد پاکستان جانا ہو گا۔  
پریاں اور وہ آؤڈ کار شہٹ لے کر گیا جاتا ہے۔ جس پر پریاں کم مضمون ہوتی ہے۔ وہ وہاں سے کہہ رہے تھے سے  
لگاؤ نہیں ہے۔ وہ اس سے وجہ پوچھتا ہے تو وہ اسے بتا دیتی ہے۔ وہ پریاں کی بات سامنے سے انکار کرتا ہے۔ پریاں دل

کے ہاتھوں بھجور ہو کر سلطان ہونے کے بعد وہ احمد اسے شادی کا فیصلہ کر گئی ہے اور کہہ دیا ہے کہ "وہ شادی ہونے میں زیادہ طبع سزا دیکھا جاتا ہے اسے ایک ماہ میں ذات آجی نوکری کرتا رہتی ہے۔ راتوں کے کھانوں میں رہا میں اس کے لئے بڑا دست بڑا دست ہے۔ ایک جاوڑا احمد کی ملاقات الیاس سے کروا آئے۔ جو اس کے ایک طرف حش میں جھلا ہے۔ ناپسندیدہ اور دور الیاس سے قطع تعلق نہیں کرتا اسے الیاس کی حرکتیں بعض مرتبہ مشکوک بھی لگتی ہیں۔ الیاس احمد کی ایک نظر سے اس کے لیے اپنی ہاتھی صرف کو کر چھوڑ کر گئی ہے۔ ایک ہی گھاس لہم میں احمد کو ایک لائن کا گورا دکھاتا ہے تو اسے دوستی سے متفرق سمجھتا ہے۔ وہ اس اعلیٰ جیل کے سسر کے لیے پارک میں ہر ڈرکی گلورینیا کا پھول چین کرتا ہے وہ یہاں کی پر نیالی آڑے سے ملاقات ہوتی ہے اس کی خوب صورتی احمد کو متاثر کرتی ہے۔

راتن اپنے سامان سمیت دفتر تیارے پارٹمنٹ سے غائب ہو جاتا ہے ساتھ ہی احمد گرانٹ کی حرکت کی بھی رقبہ میں سے جاتا ہے۔ مالک مکان سے اسے سنے کو ملتا ہے کہ پھر میں سے اس نے کرایہ نہیں دیا۔ یہ صورت حال اسے پتہ لگتا ہے کہ الیاس نے ایک غیر معروف بیگزین کے نوکر کو اپنے ملاقاتی ہے جو اسے تیار ملائف کی پیشکش کرتا ہے۔ وہ اسے پیشکش کو مسترد کرتے ہوئے الیاس سے بھی شہر پر نادر اصرار ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ وہ ہے ناپسندیدہ اور پار سے نوکری ہونے سے اسے ناچاہے ہوئے بھی یہ پیشکش قبول کرنا پڑتی ہے۔ اس دوران پر نیالی اس سے دوبارہ رابطہ کرتی ہے تو اس کی دل کی کلی کھل اٹھتی ہے۔ الیاس کو کسی کا بھی گرانٹ کے قریب تو اپنے نہیں ہے۔ راتن اپنی کرل فریڈ کی سے وطن کے ساتھ دوبارہ پارٹمنٹ لوٹ آتا ہے اور کہتا ہے کہ جلد ہی وہ سالوں میں مر رہی کی ظلم میں ایک مشرا کے گوارا سے اور الیاس کو دوبارے کا ظلم میں چھوڑا سا گوارا سے اسے بہت اہم محسوس ہو گیا ہے۔ راتن سب کے سامنے یہ اکتشاف کرنا ہے کہ الیاس کو وہاں سے کس پر اسے قلم سے نکال دیا جاتا ہے۔ سو رہی اپنی قسمت میں کسی بدنام اداکار کو رکھنا تو ہیں سمجھتا ہے۔ اس کے ہم دنوں بعد ہی راتن کا ایک ہیڈ ٹائٹ ہو جاتا ہے وہ ایک مہینوں کے لیے اسپتال میں رہنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ ایک چھوٹے سے واسطے سے احمد گرانٹ سالوں میں کی ظلم میں سب آتا ہے اور اسے ایک ٹائل پر پتی ظلم میں اہم کو مارا جاتا ہے اور گرانٹ کو اپنی خوش بختی کا یقین نہیں آتا۔

پر نیالی اور احمد غوری طور پر شادی کر لیتے ہیں۔ پر نیالی اس وقت بہت کے علاوہ کچھ نہیں سوچتا ہے۔ اس کے لیے احمد کے ساتھ کرنا اسے نکاح وقت کی کا حاصل ہیں۔ وہ گرانٹ کو اپنا پاکستان کا مکمل ہے اور فون میں بھی ہے۔ احمد نے اسے اسے اس کی خرابی صحت کا بیج غور سے چاہتا ہے۔ وہ مرنے سے بچے رہا ہے اور اسے بنا کر رکھنا چاہتا ہے۔ یہ وہ حالات کی پیشکش کا اسے اسے اور وہ احمد گرانٹ سے رابطہ کسی کو کوشش کر لیتا ہے۔ لیکن وہ اسے ملاقاتی ہوئی ہے وہ آسٹریلگ مسکن بر اس کے ہمارے پیغام بھی چھوڑتی ہے اور اسے رابطہ کے لیے وہ اس کی مسلت کرتی ہے۔

۶  
چھٹی قسط

محبت کرنے ہو۔ تم نے مجھے اسی کیفیت کہاں دی۔ ایک ٹیلی فون۔ صرف ایک فون کرنے کی بھی فرصت نہ نکال سکے تم میرے لیے میں تو تمہاری روٹی ہوں۔ میں تمہاری اچھی قسمت ہوں مجھے کسے معلوم گئے تم؟ آسٹریلگ کے بیگانہ سے اس کی آواز بلند متوازن ہو رہی تھی۔

تم نے بھی یہ ہی کیا۔ ایک بار بھی رابطہ نہیں کیا۔ گرانٹ کی ناراضی تو آواز سن کر اسے جھٹکا لگا تھا۔

اور تم کیا کہ رہے ہو؟ میں نے تمہیں اتنے فون کیے کہ مجھے قحی بھلا دلو نہیں۔ تم نے کسی ایک کا بھی جواب نہیں دیا۔

لیکن اگر میں پارٹمنٹ میں نہیں تھا تو تم سٹرنگ مسکن پر پیغام تو چھوڑ سکتی تھیں۔ اس نے بے یقینی سے گرانٹ کا شکوہ سنا۔ تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ میں نے کوئی پیغام نہیں چھوڑا۔ میں نے جب بھی فون کیا تم سے تمہارے لیے بات کی میں نے تمہیں اپنے ہاتھوں کے گھر کا پتہ اور ٹیلی فون نمبر بھی دیا۔

کیونکہ ان دونوں ہم دونوں لا رہے ہیں۔ میں نے اسپتال کا نمبر بھی چھوڑا۔ تم نے کسی بھی جگہ پر رابطہ نہیں کیا۔

تمہارے پاس تو پتہ تھا کہ میں نے آسٹریلگ مسکن کے پیغامات کی پڑھ لی کہ تمہارا اور مجھے تمہارا ایک بھی پیغام نہیں ملا۔ یہ کیسے ممکن ہے ان دونوں دوران میں بھی پارٹمنٹ میں نہیں ہے۔ دور میں سمجھتا کہ اس نے اپنا پتہ بتا دیا۔

گرانٹ! تمہارا پاکستان آج کل میں تمہاری وقت کرتی ہوں۔ میرے پاس بالکل مسلت نہیں رہی۔ شادی کی سب تقاریب مکمل ہیں۔ چند روز میں ہم لوگ ایک کو لے کر گھر چلے جائیں گے۔ اب اسپتال میں رہنے پر بالکل راضی نہیں ہیں۔ سب ان کو سمجھا کر عاجز آئے ہیں لیکن ان کی بس ایک ہی عہد ہے کہ ان کی

میں تمہارا ہاتھ ان سے نہ کھینچا۔ ابھی میرے پاس آگے میں نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ تمہیں چھوڑنا چاہتی ہوں۔ ابھی آج کل گرانٹ ابھی۔

تمہارے شادی شدہ ہو پر نیالی! تمہاری کسلی اور شادی ہو جائے گی یہ تو ممکن ہی نہیں ہے۔ ہم یہاں بیوی ہیں۔ کسی کے چاہنے سے حقیقت بدل تو نہیں جائے گی تمہارے سے کام لو اور بالکل مت ڈرو۔ جن لوگوں کو وہ دکھ پہنچانے سے تم بچھڑا رہی ہو وہ تو تمہاری خوشیوں میں جھٹکتے ہوئے رہا میں سوچ رہا ہے۔

یہ پاکستان ہے گرانٹ! میں تمہیں کیسے سمجھاؤں یہاں رہا یا نہیں ہوگا۔

”وہاں کا کوئی بھی خطہ ہو محبت کے اصول ایک جیسے ہی ہوتے ہیں۔ اس میں سب جانتے ہیں۔ مہربانی اور ماریا بھی۔ اس سے بڑھ کر خود غرض جذبہ کوئی نہیں ہوتا۔ تم بھول جاؤ کہ تم خانوادہ کی دولت کی اسیر کوئی نہیں ہو۔ اور مجبور ہو کر ہو۔ تم اگر اپنی نہیں ہو۔ تمہارے ساتھ اب میں ہوں۔ میری محبت میں اتنی طاقت ہے کہ اس کے آگے سے تمہاری کسی سے بھی گرا سکتی ہو۔

کسی کی مخالفت اور ناراضی تمہیں اس محبت سے دور نہیں ہزار ہوں پر مجبور نہیں کر سکتی۔ میرے کہنے سے تمہیں ہر حال میں سب کو تیار ہو گا کہ میرے اور تمہارے ساتھ کیا رہتا ہے۔ اگر تمہارے کچھ بھی ظاہر نہ کیا اور میں اچانک تمہارے گھر پہنچ گیا تو ان لوگوں کا رد عمل بہت زیادہ شدید ہو گا۔ ان کے ذہنوں کو اس بات کے لیے تیار کر لو اور ہرگز نہ کہو۔ جتنی جلدی ممکن ہو اس کام کو کو گزرو۔ تم ایک انٹریٹیشن سلسلہ بندی کی بیوی ہو۔ تمہاری سوچ اور ارادے تو خود بخود ملنے ہو جائے چاہیں گے۔ مگر انٹ کا لہجہ اور انداز بیکر بدل گیا تھا۔ لائن میں اتنا شور تھا کہ اس کی آواز وضاحت سے سننے کے لیے پر نیالی سانس بھی آہستہ سے لے رہی تھی۔

”میری ظلم کے طریقے ہونے کے بعد تمہیں لاس انجلس نامزد ہوئے تھے تاہم جیسے اخباروں کے نامعلوم کے



PAKISTAN

Bread is life



میں تاکہ شوز میں شرکت کرنا ہوگی۔ ایسے ہی کجبرائی روٹی تو کام کیسے چلے گا۔ اپنا تمہاری واپسی پر میں تمہیں شادی کی شاپنگ Rodeo Drive سے کرواؤں گا۔ مجھے یاد ہے تم کو ایک Armani اسکارف کس قدر پسند کیا تھا۔ ہم اپنے نئی سون کے لیے کہاں۔

”تم نے ابھی کیا کہا تھا۔“ چائیکہ پر نیال نے اس کی بات کٹ کر اونچی آواز میں پوچھا۔  
 ”کیا آواز صاف نہیں سنائی دے رہی ہے؟ میں Rodeo Drive سے شاپنگ کی۔“  
 ”تم آرہے ہو گرانٹ؟ تم نے کہا کہ تمہارے آنے سے پہلے میں اپنے گھر والوں کو بتاؤں کچھ دیر پہلے تم نے یہ ہی کہا تھا کہ آ رہے ہو۔“  
 ”میں نے سلاو میں سے بات کی تھی۔ وہ یقیناً رضامند ہو جائے گا۔ پر شیل فونڈ کرانی شروع ہونے سے قبل مجھے کچھ دنوں کے لیے پاکستان آنے کی اجازت مل جائے گی۔ تم انتظار کرو۔ میں اگلے فون پر تمہیں اپنی آمد کی تاریخ بتاؤں گا۔ اور ہلدا۔ تمہارا دیا ہوا پراجیکٹ سے تم کو کیا تازہ لکھو۔“

وہ ایک مسکراہٹ کے ساتھ اسے جانتے لگی تھی۔ سلاو ایجنٹس سے اس کے بعد یہ سلا موع تھا جب مسکراہٹ سے پر نیال کے ہونٹوں کو پھوٹا تھا۔

دھند کی مہین چلاو کے پارڈ ہم لوو الا سورج جلتا تھا اور اس کی لالچی زرد انگلیاں سفید چونے سے تانہ جی ہوئی دیواروں کے کورے بدلوں پر شہری تحریریں رقم کر رہی تھیں۔

وہ برآمدے میں اونچے پیالوں والے پنگ پر دیوار سے پشت ٹکائے بیٹھی تھی۔  
 دیوار کی رودت اپنی شال میں سے گزر کر اس کے کندھوں اور ریزہ کی ہڈی میں اتڑتی تھی۔ اسے وہ

میں تاکہ شوز میں شرکت کرنا ہوگی۔ ایسے ہی کجبرائی روٹی تو کام کیسے چلے گا۔ اپنا تمہاری واپسی پر میں تمہیں شادی کی شاپنگ Rodeo Drive سے کرواؤں گا۔ مجھے یاد ہے تم کو ایک Armani اسکارف کس قدر پسند کیا تھا۔ ہم اپنے نئی سون کے لیے کہاں۔

”تم نے ابھی کیا کہا تھا۔“ چائیکہ پر نیال نے اس کی بات کٹ کر اونچی آواز میں پوچھا۔  
 ”کیا آواز صاف نہیں سنائی دے رہی ہے؟ میں Rodeo Drive سے شاپنگ کی۔“  
 ”تم آرہے ہو گرانٹ؟ تم نے کہا کہ تمہارے آنے سے پہلے میں اپنے گھر والوں کو بتاؤں کچھ دیر پہلے تم نے یہ ہی کہا تھا کہ آ رہے ہو۔“  
 ”میں نے سلاو میں سے بات کی تھی۔ وہ یقیناً رضامند ہو جائے گا۔ پر شیل فونڈ کرانی شروع ہونے سے قبل مجھے کچھ دنوں کے لیے پاکستان آنے کی اجازت مل جائے گی۔ تم انتظار کرو۔ میں اگلے فون پر تمہیں اپنی آمد کی تاریخ بتاؤں گا۔ اور ہلدا۔ تمہارا دیا ہوا پراجیکٹ سے تم کو کیا تازہ لکھو۔“

اس کی طرف سے کوئی جواب نہ پا کر وہ بیڑا ماتی ہوئی باورچی خانے میں چلی گئی تھی۔ پر نیال اسے بتائیں پانی کدو جس کھون میں تھری تھی اس کی مدد سے باہر جانا اس کے انتظار میں نہیں تھا۔ اس کھون کا ایک سرا لکڑی کا پھانک تھا۔ جس کا ایک کواڑ نیم وا تھا۔  
 ہوا کے جھوکوں سے ملتے ہوئے بھید بھری آہٹیاں جگانا تھا وہ سرا سرا پر کدے کے ستر کی کوشے میں کی جافزی کے پاس دکھا میلی فون میٹ تھا جو صبح سے بالکل چپ تھا۔ اور تیرا سرا اس دیوار کی کیر کڑی سے

بندھا تھا جس کے بھروسے خلیج پر پھینکے کی ہتھیاس  
 تھیں اور جس کا اعلان دھند سے پیشے کے جو کوڑھ گھڑنے  
 میں سے چھوٹا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ مختصر حکم اس کی  
 کل کارنامت تھی اس سے ہر نکل گروہ کماں جانی۔  
 اس نے بے شمار دلچسپ اس انتہاس سے جہاز کی  
 روانگی کے وقت سے لے کر اب تک کی مدت کو گنا  
 تھا۔ انھیں کی پوروں پر پنگ کی اندازن کے آئوں پر؟  
 چلی پھا تک پر گدی ڈالوں پر پخت کی کڑیوں پر  
 وقت شمار کرتے کے اس نے کئی تانے آئے۔ اس  
 نے وہوں میں کتنی کی پہلوں میں اور کتنوں میں۔ ہر  
 پارہ اس کے حساب نے یہ ہی بتایا کہ گرانٹ کو کورسے  
 ہونے بدھ کی دیہر اور نہ ہر کے درمیان کسی وقت  
 پہنچ جانا چاہیے تھا تو پھر نہ کیسے آیا تھا؟ گرانٹ کی  
 آمد والا بدھ نکال رہا تھا؟ اگر تیسے وہ پتھوں کے لیے  
 پاکستان آنے کی اجازت مل گئی تھی اور وہ پریناں کو اپنی  
 روانگی کا حتمی وقت بھی بتا چکا تھا تو پھر کس شے نے  
 اسے روک لیا تھا۔ فلائٹ کے معمول میں تبدیلی  
 ہوئی تھی یا کوئی مصروفیت آئے تھی؟ اس نے اس کے  
 اطلاق کیوں نہیں دی تھی؟

پر پھیل اس تمام ہرے میں ایک بل کے لیے بھی  
 نکل فون کی جانب سے عامل نہیں ہوئی تھی خود اس  
 نے جب بھی کوشش کی گرانٹ کے لیے رشتہ والا  
 نہیں فون بند ملا تھا۔ شاید وہ خراب ہو گیا تھا۔ لیکن  
 گرانٹ کہاں تھا؟ نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے  
 باقاعدگی سے اختیار کا مطالعہ کیا تھا۔ ریل پور پر خبریں سننے  
 رہی تھی اور کسی بھی طیارے کو پیش آنے والے کسی  
 حادثے کا ذکر نہیں تھا۔ تو کیا وہ پاکستان آیا تھا اور امیر  
 پورٹ سے یہاں تک آتے ہوئے راستہ بھول بیٹھا  
 تھا۔ اگر ایسا بھی ہوا تھا تو وہ فون کر کے بتا سکتا تھا۔ شاید  
 فلم کے شیڈول میں کسی رد پھل کی بنا پر اسے اچانک  
 کسی پورے جگہ جانا پڑا تھا۔ لیکن یہاں اسے قتلے پر اگر  
 رکھی تھی۔ اس نے رابطہ کیوں توڑ ڈالا تھا۔ یادہ یادہ  
 تھا امیر پورٹ جانے کے لیے جلت میں بھاگتے ہوئے

اس کا تیسرا ٹھکانہ تھا اور وہ کسی اسپتال میں ہے  
 ہوش بڑا تھا۔ گھروہ جہاں بھی تھا اور جس کی چار دیواری  
 تھا ایک بات میں کوئی شے نہیں تھا۔ وہ زندہ تھا لیکن وہ  
 پریناں کی بیسیں چاری تھیں۔  
 وہیں چائے لے کر آئی۔ "ساتھ کچھ کھائے کہ  
 دن؟" وہ بے باتی بھی تقریباً "سیار ہے۔" آئزک وہ  
 آواز آواز میں اسے پکار رہا تھا۔ آواز سے ہونے گھٹیوں کو  
 یہ وقت سیدھا کرتے ہوئے اس نے پنگ سے ناگھیں  
 نکالیں اور کچھ درج بہت قریش کی ٹھنڈک کو کھوس  
 میں اترتے ہوئے عموں کوئی رہی۔ آئزک نے  
 اسے اپنے ہنسر بیٹھے کو کہا تھا ہر کی تم کو انھیں سے  
 آئی تھی کہ حدت والی لٹھیاں آنے سے اسے چند چھٹکیں  
 آئی تھیں۔

"بہن شادی کے روز بہن ناک والی دلہن کیا خوب  
 لگے گی۔" اچھی ہنسنے کا اڑھا بیوہ نہ ناک سے وہاں  
 جدا نہیں ہونے لگے۔ ہر شادی سے ایک دن پہلے  
 تمہاری ماں کے منہ پر پہلے ہنسنے نے کٹ لیا تھا۔  
 جاسن کر اسے کوچ پر پھرا پھرا تھا اور وہ ہنسنوں کے جھٹے  
 پر چاٹک بچنے پر پھوساری اور سول میں اس کا سوچا ہوا  
 منہ لوگوں سے چھپانے کے لیے کیا کیا تھیں۔ وہ جوتے  
 اسی لیے تو جاسن اس کا بیٹا نہ یہ پھیل ہے۔" وہ بولتے  
 ہوئے کر کہ رہا تھا اور اس کی سانس میں غیر ہموار تھیں۔  
 "کتنے روز دور رہا ہے۔ ہنسی بھلن ہے اور کچھ سے  
 برداشت نہیں ہو رہا۔ ذرا دکھو تو۔" اس نے ناک کی  
 طرف اشارہ کیا تو پریناں نے اندازے سے اس کا ہنڈکا  
 دھیرے سے چھوا۔  
 "کہا یہاں؟"  
 "نہیں۔ اس سے نیچے۔"  
 "اس جگہ پر؟" اس کا ہاتھ سرکاک  
 "نہیں گورو کے۔"  
 "یہاں دور ہے؟" وہ اس کی چٹنی کو انگلیوں سے  
 تھل کر بولی۔  
 "نہیں۔ اس جگہ نہیں۔ اس سے نیچے تمہیں

مجھ کیوں نہیں آ رہا۔" پریناں کا ہاتھ پھٹلے کے لیے  
 ہونے مرے سے اسے رنگ کر ہوا میں تیر گیا۔ جس  
 جگہ کچھ عرصہ قبل آئزک کا باپوں تھا اب وہاں خلا  
 تھا۔ اس کئی ہوئی ناک سے اس کے کچھ نہیں تھا اور  
 آئزک کے روز کا بھی اچھی تھکنہ مل سکا تھا۔  
 "تھوڑا دور نیچے دکھو نا قتل برداشت درد سے  
 چوڑوں کو روکنے کے لیے میں نے ہونٹ کو کات کر لیا  
 نکال لیا ہے۔ سو گروہ دور ہو رہا ہے۔"  
 آئزک غیر موجود عضو کی تکلیف سے دہرا ہوا جانا  
 تھا۔

وہ بیٹری چار پر ہاتھ رکھے تھا موٹی سے آئزک کا  
 درد سے سخت چور کی تھی رہی۔  
 کئی فون کی کھنٹی بجنے لگی تھی۔ وہ سمیٹ اور تلی  
 ہوئی برآمدے میں آئی۔ جاسن کی کے سوراخوں میں  
 سے اس نے داؤد کو برسیور اٹھانے دیکھا۔ اس نے  
 ہنسنے لگے ہوئے قدموں کو روکا تھا۔ "ہیلو۔ کون  
 بات کر رہا ہے۔" ہیلو آواز نہیں آئی۔ "ہیلو۔ کون  
 نے اٹھ کھڑا ہے۔" ہونے برسیور کر گیا۔

وہ ہنسنے لگے کہ وہ بارہ بجنے کا انتظار کرتی  
 پریناں چاروں ہونے پنگ پر سہانہ وجہ سے بیٹھ گئی  
 تھی۔ چائے کا کپ ایک ہرے پر دھرا تھا۔  
 "چائے کی اور۔" اسے تو ٹھنڈی ہوئی ہوئی۔ "وہیں  
 سے بلا رہی تھی کی کھنٹی میں سے جھانک کر کہا تھا۔  
 اس نے کپ قریب کھڑا لیا اور چائے کی سطح پر  
 سینے والی یاریک کھنٹی کو انگلی سے ہٹانے لگی۔ اس کی  
 کھنٹی سائز پاس آئی تھی اور کئے کا ڈبہ اس کے ہاتھوں  
 میں تھماتے ہوئے بولی۔

"کھنٹی کر دکھو۔ یہ میری طرف سے تمہاری  
 شادی کا تھا سن تجھے ہے۔" اس نے خود ہی بڑھکن ہٹا کر  
 اندر موجود جوتے نکالے اور پنگ پر اس کے پھول کے  
 قریب رکھ دیے۔ "یہ میں نے تھنہ گنگ سے منگوائی  
 ہیں۔ سو نے چاندی کے کارگے ہیں۔ سن کر دکھاؤ تو۔  
 ٹاپ کی بڑی بائیک تھی تمہارے ساموں کو۔"

وہ گلابی گر گھبیاں تھیں جن پر کتا تھی پھول بیٹے  
 تھے۔  
 پریناں نے غیر عموں طریقے سے پاؤں سپٹ  
 لیے تھے۔

"انہیں نہیں کافرٹی ہوتو ہو میں نے وہ جوتیاں  
 منگوائی ہیں۔ ایک سیمہ کے لیے یہ پوری نہ آئے تو  
 تم سہاوتی لے لو نا اس کھلاؤں تم سے ذرا ہلکا سا لاؤ  
 میں پینا دوں۔" کھنٹے پر اس کی نگہ دا میں سمت آئی تھی  
 اور کئی کو کئی فون سپٹ سے کھیلنے یا گروہ ہاتھ کے  
 اشارے سے اسے منع کرنے لگی۔ کئی گوشوں پر بھی  
 کوئی متوجہ نہ ہوا تو پھنڈا کر پنگ سے اترنے کے لیے  
 اٹھی اور اس کا ہاتھ لگنے سے چائے کا کپ الٹ گیا۔  
 کچھ چائے اس کے ہاتھ پر چھلکی تھی اور کچھ گر گھبیاں  
 پر بہنے لگی تھی۔

ساتھ کی آنکھ لگی۔ "ہاتھ میں سر نہیں۔" لہی رہی  
 جوتی چائے نے غاس مار دیا۔ لوکا لگے۔ نظر ان کو  
 وہ وہ بچے سے گر گھبیاں کو پچھے ہونے لگتے سے  
 کہہ رہی تھی۔ "پہنیں ہار پھی گھٹانے سے یا ہر کس آئی  
 اور سامنے سے پچھے لگیا کہ کیا ہوا تھا۔ پریناں کے  
 روئے پر وہ لوں فرم دیا میں۔  
 "کہا ہوا اور کھیل رہی ہو؟" وہیں نے اس کا کھڑا  
 بلایا۔

اس نے آنسوؤں سے بھیگا چہرہ اٹھایا اور اپنا ہاتھ  
 دکھاتے ہوئے رندھی آواز میں بولی۔  
 "میرے ہاتھ پر چائے گر گئی میں جل گئی ہوں۔"  
 وہیں نے اچھے سے اس کے ہتے ہوئے  
 آنسوؤں کو دکھا تھا۔

اسے چائے کا کپ وہاں رکھے ہوئے کو جھانکتے  
 بیت چکا تھا۔ ٹھنڈی چائے نے پریناں کا ہاتھ کیسے جا  
 دیا تھا؟  
 ✨ ✨ ✨  
 بھورے سے بارش ہو رہی تھی۔ نرم پھوساریں



میں سے وہ بھی لوی چھوٹی کی آہیں سکوت کو توڑتی تھی۔  
مٹک نام رانی رات اپنے مہمانوں سے اتر  
آئی تھی اور اس کی قیادت میں کئی لوگوں سے بھیج کر  
پہل ہو چکی تھی۔ اس بارش میں آگاہیے والا آواز  
تھا۔

چاند کے بارش کی ہوا میں لڑکی جیسی ہوتی ہے  
جس کی تباہی کی عمر لگی جاتی ہو اور وہ نہ مٹتا ہو۔  
آنکھوں والی اندر رہی اندر نہیں نکلتی ہوتی نہ گل کر  
برے کہ جل تھل ہو جائے نہ تھمنے کا نام ہی ہے۔  
برآمدے کی دیوار پر بے گل جاموں میں چلنے بہتی  
قصموں کی روشنی میں پھریاں دم بھر کر جھلکتی تھیں  
اور زمین کو جو کچھ چھیں مل جاتیں۔  
باہل سے کچھ بڑے کاسٹریس ایک لے لے لے لے لے لے لے  
پر نیل سے زیادہ مہتر بات کون سمجھ سکتا تھا۔  
اس نے گلی کی شیل سے خود کو ڈھانپ کر کچھ  
روکنے کی کوشش کی تھی۔ سردی اور بڑھی تھی  
کیکڑا ہت میں ہونے اور انسان ہوا تھا۔ جو بارانی فاشوں  
سے تکی لگیوں سے اس کا تپن ٹوٹی تھی۔  
اندر بیٹے گھر کے چلے آتے دو دروازے سے

انفغان تھی بی بی پر سوز توڑ اس کے کانوں میں اتر رہی  
تھی۔ گرامو فون کے مہلوے سے گارسی غزل کے اشعار  
رت کے ساتھ بیٹے سے تھپ تھپا ہوا ریکارڈ گونیا  
بجایا تھا۔ فارسی شاعری ٹوکی گونیا بھی آواز سننے کے  
قابل نہیں تھا۔ وہ دن کے بیٹے سے بڑا تھا اور جیسا  
پیدا تھی بہوں کے ساتھ ہوتا ہے وہ گونگا بھی تھا۔  
اسے بس گرامو فون کی چکر آتی ہوئی سوتی بھلی لگتی تھی  
اور سوتی کے پکڑوں کے ساتھ گھومتا ہوا خوش ہوتا  
تھا۔ وہ پر نیل سے وہ برس چھوٹا تھا لیکن اس کا دل  
کسی سات سالہ بچے کی شعوری حسیل پر پہنچ کر ٹھم گیا  
تھا۔

فارسی اور اردو غزلوں کے ونا مل ریکارڈ پر نیل اور  
آزک کی مشترکہ پسند کا شہادت تھے۔  
خیرم رسیدا مشبکہ نگار خوانی آمد۔ (مژدہ سنا ہے  
کہ آن رات تو آئے نگ۔)

سرمں قدمے راستے کے سوار خوانی آمد۔ (مژدہ سنا ہے  
کہ وہوں میں قربان ہو جن سے تیری سولہوی گز رہے  
گی۔)

گندھرب فریق کے درویش ڈوبا ہوا گارہ تھا۔  
جا فری کے پار برآمدے کے آخری کونے میں گئے  
ہوئے دروازے کے پیچھے اس وقت کیا ہو رہا تھا؟ وہ  
سوچتا نہیں چاہتی تھی اس کے چلنے سے کیا فریق  
پڑا تھا۔ وہیں شاید داؤد کی منت کر رہی ہوگی اس کے  
ساتھ گزرا رہی ہوگی۔ اس کو راستی کرنے کے لیے  
واپس ہوتی ہوگی۔

جو کچھ اس نے تھوڑی دیر قبل وضو کو جلیا تھا  
اسے سننے کے بعد کئی ہی ماں بی بی کر سکتی تھی۔ وہ خود  
داؤد سمیت بنیاد کے کسی بھی ایسے آدمی کے بیروں میں  
گزر کر تاک رہ کر سکتی تھی جو اس شادی کو روکنے پر اختیار  
رکھتا ہو۔ وہیں بھی ناکسی رٹوڑ رہی ہوگی۔ اس دن کئی  
بھی حال میں اس شادی کو کرانا چاہتی تھی۔

اس کے چہرے کی انگلیاں سردی اور ٹھنکن سے آگے  
گردو کرنے لگی تھیں۔ برآمدے کے ستون کا سلسلا  
لے کر اس کے خود کو گھر سے رستہ پر بھجور گیا۔  
بیٹھنا ہے زیادہ رات آج بزرگ رات تھا۔ قدموں کی چلے  
پر آمد کے فرش پر گونے گلی۔ وضو داؤد کے  
گھر سے نکل کر اس کے پاس آ رہی تھی۔ اس کا  
ساتھ گئے کرنا چاہے تھا۔ مڑھا کر گیا گردن جھکا کر  
بعض باتوں کو کہنے کے لیے کوئی بھی انداز اپنایا جائے کہ  
ایک جیسی ہی شرمناک راتی ہیں۔ گرامو فون تپن  
کر رہا تھا۔

بہنم رسیدہ جاہم تو کیا کہ زندہ نام (میری جان ہوں پر  
آگنی ہے تو آگے میں زندہ ہو جاؤں۔)  
پس ازاں کہ من لہا نم۔ یہ کار خواہی آمد۔  
(میرے مرنے کے بعد تو آیا تو تیرا آنا اس کا ہر کلمہ)  
اسے اپنی پالیوں میں لٹسو پھیلتی گھوس  
ہوئیں۔

برآمدے کی آخری سلوں پر گرتے قطرے اچھل  
کر ٹھہر رہے تھے۔ خود کو گیلا ہونے سے بچانے کے

لے وہ ستون کے ساتھ گھوم کر چھینٹوں کی بڑھتی تھی  
دار اور ہو گئی۔ قدموں کی آہٹ اس کے قریب آ کر  
رگ گئی تھی۔ اس نے فرش کی یاد ہی بھرتی سلوں پر  
کھلی چلیوں میں وہ گد گدے کورسے بیروں کو دکھا۔  
وضو بھی بڑا ہی اور گھر جو ہے نہیں ہوتی تھی۔  
اس کے پاؤں چلنے لگتے تھے۔ بائیں پیر کے گتے کے  
نزدیک زخم کا مہوم سا نشان تھا۔ چپل کی تپنی سے  
ہلکی کے ذرات چلنے تھے جو شاید پاؤں کی خالے میں کام  
کرتے ہوئے کرتے ہوں گے۔ گل جاموں کے کلچ  
سے پھوٹنے والی روشنی تیز تھی اور ہر منظر کو وضاحت  
سے دکھاتی تھی۔ وہ مل بیروں پر سر رکھ کر انہیں چومنا  
چاہتی تھی۔ اس خواہش پر عمل کرنا ممکن نہ تھا۔

پڑتیاں میں کبھی بھی تم نے داؤد کو اپنی شادی کا  
بتا دیا ہے۔ کیس اس کے سامنے میرے منہ سے نکل  
جاتا تو کیا ہوتا ہے جس تمہارے اس مسلمان لڑکے  
سے چلنے چلنے کی خبر ہے۔ وہ اس بات کو بھولنے پر قادر  
ہے۔ وہ شادی کے بعد تمہیں دعوت نہیں دے گا۔ وہ  
مختصاً ہے۔ یہ تو فتنہ ہے۔

وضو کی امید اب تک نہ لپٹی تھی۔ وہ اب بھی  
راستہ پر نہ سنے کی کوشش کر رہی تھی۔  
"وہ بھول جائے گا میں نہیں بھول سکتی۔ میرا انداز  
ہوا ہے میں اس کی تہی ہوں خیر اور خیر آ رہا ہے۔ وہ  
آگے نہ لے گا۔"

"یار من بیلا۔ یار من بیلا۔" (میرے یار آ۔ تو  
آج)

تھی کے دل کی رگیں اور گلے کی رگیں باہم مل گئی  
تھیں۔ اس کے الحان میں اس کا دل بھر رہا تھا۔  
"تم جی ہو۔ وہ یسوع کا دشمن ہے۔ تمہارا اس  
سے نکاح کیسے ہو سکتا ہے۔ اس بات کی کوئی اہمیت  
نہیں۔"

"اس بات سے زیادہ کوئی بات اہم نہیں۔"  
"تمہاری شادی میں دو دن رہ گئے ہیں پر نیل اچھے  
چوراہے میں بھاگ کر میرے سرم میں ہونے مار لو۔  
میرے ساتھ یہ نہ کر۔ میں نے کون سی برائی کی

تھمارے ساتھ جس کا تہہ لے رہی ہو۔"  
وضو کا گلا بیٹھا ہوا تھا۔ اسے بولنے میں دقت  
ہو رہی تھی۔ اگر اس میں مزید روکنے کی ہمت نہ ہوتی تو وہ  
اب بھی اس کے سامنے روٹی مگر شاید وہ تھک چکی  
تھی۔

پر نیل خاموش رہی اور اسی طرح سر جھکائے  
ہوئے مڑ کر چلے گئی۔ قدم اٹھانے پر اسے احساس ہوا  
کہ بیروں کے ساتھ اس کی پنداریاں بھی آ کر گئی  
تھیں۔

وضو اس کے پیچھے آتے ہوئے منت بھرنے لپے  
میں اسے سمجھا رہی تھی۔ جب کبھی لوگ فقیروں کا  
دست سوال جنگ دیتے ہیں تو فقیر اسی طرح پوچھا  
کر کے فریادیں دہراتے ہیں۔ کسی کے من لینے کے  
خوف سے وہ سر کو شیوں میں گلیا کرتی تھی۔  
"یار من بیلا۔ یار من بیلا۔"

گرامو فون کی آواز وضو کی آواز پر تکی تھی۔  
اپنے گھر میں مگر اس نے الماری کھلی اور چلے  
چلے میں رکنے بیک کی زپ کھل کر کچھ چیزیں  
نکلیں۔

شہت گریہ سے سب آکھوں والی بھکانا وضو  
دروازے کے ساتھ جلتی آگ لکھی کے قریب کھڑی  
اسے بی بی سے کچھ رہی تھی۔

"میری بات کیوں نہیں سنتی ہو؟ مجھ سے بولا نہیں  
جاریا شاید مجھے بخار دہ رہا ہے میرے گلے میں درد  
ہے۔"

بھکانا نے کنگول پھیلا کر اچھائی۔  
اس نے بیک سے نکالے ہوئے کانڈے کے پر زے  
لا کر وضو کے ہاتھ میں دے دیے۔ کچھ دیر اس کی  
چند حسیاتی ہوئی نظر میں ان پر گڑی اور پھر اس نے  
ان سب کو جلتی ہوئی آگ لکھی میں پھینک دیا۔

وہ پورا ایڈیٹور سے پہنچی ہوئی ان کی شادی کی  
تصاویر تھیں۔ ایک لمحے میں کانڈے نے آگ پکڑ لی  
تھی۔ پر نیل کو امید نہیں تھی کہ ایسا کرے گی۔ وہ اپنی  
جگہ سے ہل نہیں سکتی تھی۔ پہنچی پہنچی آکھوں سے



head & shoulders

سدر کی جلد کو رکھے خم  
100% تک خشکی ختم

head & shoulders  
100% Moisture  
100% Moisture  
100% Moisture



یاد رکھیں کہ خوپیاں لے

\*Revised up to 100% of water content loss.  
\*Claim based on the ability of the product to restore moisture to the skin.

Dr. Saurabh A. Jambhale

سوجھ بوجھ کو اس کی جسمانی عمر سے گنتا یا بنا تھا اس کا محبوب مشغلہ dumpster diving (کوڑا دان میں گھس کر قابل استعمال چیزیں اکٹھی کرنا) تھا۔ دن کا سب سے اچھا وقت وہ تھا جو شام کوڑے دان میں گزارتا تھا۔ کتنی ہی بار وہ اشیاء ہاتھ آتی تھیں۔ بس ذرا ہتھوڑی پڑتی تھی۔ پیر اسٹور زور دے کر سری والے خوراک جو ابھی باقی نہیں رہی تھی، کوڑے دان میں پھرتے پھرتے وہ بھی لے جاتی تھیں جیسے وہاں کے کنوے کا کافی ٹیٹی پوٹس استعمال شدہ کپڑے، ٹاکارہ گھڑیاں اور برائے کپیوں کے حصے۔ کبھی دن وہ زیادہ محنت کرنا تو اسی طرح کی بیسیوں چیزوں کو فروخت کر کے دس ڈالر تک کمالات تھا۔ اس نے نو پیری اور کئی دھاریوں والا langdon پر رکھا تھا۔ وہ بھی اس نے ایک ایسی ہی مہم کے دوران پایا تھا۔ وہ langdon کو اتنا پیسہ تھا کہ کبھی کبھار سخت دھوپ میں بھی اسے پہنایا کرتا تھا۔

اس کی ماں سلویا۔ اس کی اس عادت سے سخت نفرت تھی۔ اور کئی بار اسے بہت چلی تھی۔ اس کے کپڑوں سے پھوٹتی ہوئی کپڑے ہاتھ لگتی تھیں کہ اس کا دماغ بیکہ گھبرا تھا۔ لہذا اس نے ختم سے شام لاتی بیٹھا بیٹھا اٹھا۔ گھر سے پورے پورے غائب ہو گئی جیسے اس کا وجود ہی نہ ہو۔ سلویا کی تنگی سے گھبرا کر کچھ عرصے کے لیے اس نے اپنا شوق تباہ کر دیا تھا اور کچھ مہم عمر لڑی اور کئی سالوں کے ساتھ شہر سے باہر کالٹ گراؤنڈز میں جانے لگا تھا۔ وہ لوگ کھولتی ہوئی گیندیں ڈھونڈتے اور انہی رقمیں سے مگر ایک نوکالٹ کورس بہت دور تھا۔ آنے جانے میں بڑا وقت خرچ ہوتا تھا۔ وہ عرصے گیندیں تلاش کرنے کا ہم مشقت طلب اور آتاہٹ پھرا تھا۔ بدلے میں ملنے والی رقم بھی نہایت قلیل تھی۔ وہ جلد ہی ادب کیا اور دوبارہ سابقہ مدین کو لوٹ گیا تھا۔ لیکن اب وہ محکماً ہو گیا تھا۔ کسی dumpster میں گھسنے سے پہلے وہ ایک بوسیدہ برساتی، جو اسے کوڑے میں سے ہی لٹی تھی۔ پن

مٹھی میں لے کر ہاتھ کر کے پیچھے پھیرا یا تھا کہ کسی  
 خطرے کی صورت میں اپنا دفاع کر سکے وہ لڑکا کسی  
 ایٹمیائی ملک کا یا کسی قتلہ اس کے ساتھ بات کرتے  
 ہوئے شامل کو احساس ہوا کہ ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں  
 تھی۔ وہ خاصا بے خوف اور عجیب سا لڑکا ہوا تھا۔ شامل  
 نے اپنی فٹنی ہوئی انگلیوں میں پکڑا کر پونے کے حوالے  
 سے ایک جھولی کھائی خالی تھی جسے سن کر خدا جانے اس  
 اجنبی کو کیا ہوا کہ اس نے پچاس ڈالر کا bill (نوٹ)  
 اس سے والا تھا وہ ششدر رہ گیا تھا اسے میں ہی  
 نہیں ہوا کہ اس رقم کے عوض وہ کچھ بھی نہیں چاہتا  
 تھا۔

شامل نے آہٹ من کر ایک قدم پیچھے لیا اور گلی میں  
 بھاگ کر دم کھلا۔ وہ تو جوان dumpster سے کافی  
 آگے گلی کے دو میدان میں خاموش کھڑا تھا شامل کو عجیب  
 محسوس ہوا۔ وہ اب تک کیوں سمجھتا تھا۔ چلا کیوں  
 نہیں کیا تھا۔ تو جوان نے شاید دیوار سے نظر ہوا اس کا  
 سرو پھیر لیا تھا اور وہ چلتے دکھاتا۔ اسی سمت میں جس میں  
 شامل جا رہا تھا وہ مڑا اور تیز قدموں سے آگے بڑھنے  
 لگا۔ کچھ لڑکا اس کے پیچھے آ رہا تھا لیکن کوئی اتنی  
 نہیں تھی۔ ہو سکتا ہے اس کو اپنی گلی سے گزر کر نہیں  
 جاتا ہو تو یہ وہ خود لڑکیوں نہیں کیا تھا۔ اب تک اس  
 لیے ششدر تھا؟ قدموں کی رفتار بڑھاتے ہوئے اس نے  
 مڑ کر دیکھا تو وہ لڑکا لپے ڈگ بھرا اس کے تعاقب میں  
 آ رہا تھا اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی اس کا پیچھا  
 کہ بھاگنے کے عزم خود کو زور ہوا ظاہر نہیں کرنا چاہتا  
 تھا۔

”شامل! لڑکو۔“ اس لڑکے کی پکار سن کر شامل کے  
 بدترین شکوک کی تصدیق ہو گئی۔  
 کیا وہ کوئی بیمار ذہن والا آدمی تھا اور اس کے ساتھ  
 کوئی ٹھیل ٹھیل رہا تھا۔ لیکن دن کی روشنی میں وہ  
 اسے کوئی نقصان پہنچانے کی جرات نہیں کرے گا۔  
 گھبرانے والی کوئی بات نہیں تھی۔

”Si mano“ (ہاں بھائی) اس نے رکے بغیر  
 جواب دیا۔

موجودت مجھے واپس جسے وہ۔ میری بات سنو۔“  
 اس کا تھوڑا کھل ہونے سے پہلے شامل بھاگ پڑا  
 تھا۔ اس کا ایک ہاتھ سینے پر جب والی جگہ تھی سے جا  
 تھا۔ وہ لڑکا اسے آواز دے رہا تھا لیکن ان بھی کر کے  
 وہ تاک کی سیدھ میں دوڑا رہا۔ وہ خود کا پی کرنا چاہتا  
 تھا۔ جب وہ بہت گھبرایا ہوا تھا تو خود سے باتیں کرنے  
 لگا تھا۔

Te tumbaste es (کیا تم نے چڑیا ہے؟)  
 اس نے اپنے آپ سے سوال کیا اور دایمیا ہانچا  
 سوار سے لگا۔

”No te Paniques“ (ہونے کی ضرورت  
 نہیں)۔  
 اس لڑکے کے دوڑتے قدموں کی گونج اسے عقب  
 میں سنائی دے رہی تھی۔

que bruto (کیسا جلد ہے)۔ اس کی سانس  
 پھولنے لگی تھی۔ وہ ایک ٹھک گلی میں مڑ گیا۔ اور  
 آخری حد تک قوت لگا کر رفتار بڑھائی۔ وہ نوٹ  
 لوٹنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوا تھا۔ اگر وہ بہت  
 آڑی سے کوئی بے ہوش کر سکتا تھا تو اس کی کوشش کرنا  
 تھا تو اسے ایسی ہونے والی تھی۔ شامل کے بارے میں  
 پورا ان دکھانے میں اسے طغی ہوئی تھی۔ وہ کوئی لڑکا  
 نہیں تھا۔

اس لڑکے نے اب تک اس کا پتھا نہیں چھوڑا تھا  
 اور وہ زور زور سے کچھ بول رہا تھا۔ لیکن شامل اس کی  
 آواز پر کان ہی نہ دھرتا تھا۔ موڑ کٹ کر وہ باہر آیا تو  
 سامنے دو گھریں تھیں۔ یوں تو وہ علاقہ اس کا کچھ بھلا  
 تھا لیکن رہا جی علاقوں کی ان گلیوں کے بارے میں اس  
 کی معلومات ناقص تھیں۔ وہ ایک پل کے لیے  
 پچھلی ہٹ کا شکار ہوا اور پھر نزدیک نظر آنے والی گلی میں  
 گھر گرید گردن گھما کر دیکھنے پر وہ ڈھیل آڑی کالی  
 قریب دھکیلی دیوار سے لے بھاگتا۔ گھر کے کونے کا  
 دوڑنے کی خاصی مشق تھی۔ وہ لڑکا دراز قدم تھا اور اس  
 کے قدم بھی بڑے تھے لیکن رفتار میں شامل کا مقابلہ  
 نہیں کر سکتا تھا۔ گلی واپس رخ گھوم رہی تھی اور اس

کے بعد شاید شاہراہ آسنے والی تھی۔ لوگوں کی بھیر میں  
 وہ لڑکا اس کا تعاقب چھوڑنے پر مجبور ہو جائے گا۔ اس  
 امید نے شامل کے جی میں جلی کی بھری۔ لیکن گلی  
 کے تنگ کے بعد اس نے خود بخود اس کو ہراس کم کرنے والا  
 منظر تھا۔

گلی کا آخری سراہہ تھا۔

وہ ایک ویران رتہ گلی میں گھر گیا تھا۔ مزید بھاگنے کا  
 کوئی فائدہ نہیں تھا۔ وہ لڑکا اس کے سر پر چڑھ گیا تھا۔  
 ایک دم طیش نے شامل کا خون کھولنا شروع کر دیا۔  
 اسے اپنی خوش کام گھونٹنے والے اس آدمی سے نفرت  
 محسوس ہوئی۔ اس نے جھکنے سے جب میں ہاتھیں  
 گھسا کر وہ نوٹ یا ہر کچھ اور اس کی آنکھوں میں دیکھتے  
 ہوئے نوٹ کو درمیان سے پھاڑ ڈالا۔

”Sanamagan“  
 نوٹ کے ٹکڑوں کو ہوا میں اچھالتے ہوئے اس  
 نے غصے سے چلا کر کہا۔

وہ لڑکا رگ کر اپنی سانسیں بھال کر باقی گلی سے  
 باہر نکلنے کے لیے شامل کو اس کے قریب سے گزر کر جانا  
 تھا۔ اس کے سوا کوئی صورت نہ تھی۔ وہ محض اس  
 کے ہاتھ کیسا سلوک کرنے والا تھا؟ یا بالکل شہا تھا۔  
 اس کے پاس کوئی ایسی چیز نہ تھی جس سے وہ اپنا بچاؤ  
 کر سکتے۔ شور مچانے پر شاید کوئی اس کی مدد کو آجائے  
 لیکن یہ ایک قیاس تھا۔

بے قابو شخص کے دوران وہ بھلا یا۔  
 peldon (مجھے افسوس ہے)

حکیم بیگم نے کندھی ہوتی سنی کالو تو ہوا جا کہ پر  
 دکھا اور منزل کو بھاگ کر بیٹھ کر قریب چلائے رکھا۔  
 اس کے ہاتھ میں اور جلی مٹی چھڑی تھی جو اس نے  
 تھپتھپتے ہوئے چلنے میں سے نکالی تھی۔ اس کی بال ہلاک  
 ہاتھ والے گاؤں میں ہونے والی ایک شادی کی  
 تقریب میں شریک ہونے کی تھی اور منزل اپنی عمر کے  
 انصوں کے مطابق کمروں اور محن میں نکلے پاداش

بھاگتا پھر اہل تھا۔  
 اس نے چھڑی اپنے سر سے اور اٹھائی اور پوری  
 قوت سے پھینک کر دکھائی گئی ہوئی۔ پھر کئی بیٹے بر پارے۔  
 پھر بڑک کر اٹھی اور گھونٹنے سے بھر جانے کے لیے  
 بے چین ہو گئی۔

پھر تھیں بیگم بیگم نے ہاتھ دی۔  
 ”نما سے پتر با پھیر لوں نامہ۔ تیری میری ملن میں  
 ہے وی جان ہے تیری ما تیل اس قول پتر ہو سکی  
 ہے پھر پھر پتر۔ ما ستا چاری تیل میرے کول  
 کے بیٹے میں تھے مٹی سے دوستانے کے ہونے شادی  
 ان میں سول اس مریل کو اتل پاک سے دی کنہ پر  
 ہائی کے (جلا کے) رکھیں گے۔ بانگ کوڑی ٹانے  
 (چکن) در گے جھک کریں گے۔ اے سونی چھتر  
 دے۔“

”اس میں پتر نہیں۔ پھر کو تہا۔ تیری میری ملن یہ  
 بھی جان دار ہے۔ تھپتھپتے اس کا کھٹ  
 ہوتی ہے اس سے چاری کو نہ ستا۔ آ میرے اس آگے  
 بیٹھے میں پتر مٹی سے بوند لپٹا کر دیا۔ ایک کلمہ کو ان  
 میں سرسوں کا تیل والی کر منڈی پر رکھیں گے تو پاگل  
 بیگنوں کی جھلک کریں گے۔ یہ چھڑی چھو تو سب  
 منزل اس کے سلاؤں میں تھپتھپتے گیا اور چھڑی کو پھیلے  
 سے زیادہ بلیو اٹھا کر پھینکی بیچلی ناگلوں پر ضرب لگائی۔  
 ”اسے پتر لپٹا کر کیا کرے۔ پھر زور سے کرا اٹھی ہے۔  
 فہر میں تھپتھپتے نیا پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی گل سنائی  
 ہوں جو اک اٹھ (نوٹ) در پتر ہے۔ اس دو مالک ظالم  
 تھا۔“

منزل نے زور اور کو ان مشغلہ ترک کیا۔  
 انہما سے گھر میں اٹھ گیا۔ فیض ہے کہ وہ گھٹے بتنا  
 لو چھا ہوتا ہے۔ وہ و حرم کے سارے سے بھا جانے  
 گا۔ وہ پھر سے گھونٹنے کے گرو چکر کا پی ہوئی پھر کے  
 پیچھے چھڑی لہرانے لگا۔  
 حکیم بیگم نے قاتلوں کے پالی میں ہاتھ دبو کر چارہ  
 سے پوچھے اور ہاتھ کر منزل کے ہاتھ سے پھیرنے والے

لی۔ وہ روئے گا تھا۔ میرے پاس کچھ عظیم حکیم کو کھانے کی کوشش کرتے ہوئے بدن کا سارا زور لگا رہا تھا۔ وہ بہت غصہ اور زبردستی قلم حکیم بیگم نے چھری کو دور اچھالتے ہوئے اسے اپنے ساتھ لے لیا۔

”مجھ پر غصہ نہ ہو۔ مجھ پر بھی روٹی ہے جب تو اس کو مارتا ہے۔“

”بھوت نہ مار۔“ منزل نے خود کو چمرا کر اپنے نئے ہاتھوں سے اسے ایک اور دھکا دیا۔ وہ کوئی نہیں روٹی اس کے آسودہ سر پر۔“

حکیم بیگم نے لمبا ہوا کلمہ کہا۔ ”تجھے کس نے کہا کہ کوئی روئے تو آسودہ بھی ہمارے کی ضرورت ہوتی ہے؟ کئی روئے ایسے ہیں جو آسودوں کے محتاج نہیں۔“

منزل کو اس پر اعتبار نہ آیا۔ وہ اپنے رخساروں کو چھو کر بولا۔

”بھئی مجھ کو میرے آسودے سے ہے۔ روٹی تو میں ہوں۔“ اس نے اپنی انگلیاں حکیم بیگم کی گھائی سے لگاتے ہوئے ثابت کر دی۔ ”مجھ پر بھی روٹی اس کی آسودوں تک ہے۔“

حکیم بیگم اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر بولی۔

”آکھیں تو میری بھی موٹی ہیں۔“

منزل کی سمجھ میں نہ آیا۔ وہ دانت پیرتا ہوا بھیلو کی طرف بھاگا۔ بھیلو کا کان مٹھی میں جکڑ کر اس نے سر جھکا لیا اور منہ کھولا۔ شاید وہ اس کے کان میں دانت گاڑنا چاہتا تھا۔ حکیم بیگم نے جگت میں آگے بڑھ کر بمشکل اسے قابو کیا تھا۔ اب وہ حکیم بیگم کی کلائی پر کانٹے کے لیے پھٹنے لگا۔

”کھنڈے سوئے۔“ تانکوں کی جوتوں اور ہاسی دھنوں کے عوض مٹھی مٹھی سناٹیں بیٹھے مجھے کھا لو۔“

بھیلو والے کی حد اکثر میں پڑنے ہی منزل نے جدوجہد موقوف کر دی اور حکیم بیگم سے یہے مانگنے لگا۔ اسے پچھا خرید کر دینے کے بعد وہ چاک کے سامنے آ بیٹھی۔ کچھ دیر تو امن رہا پھر منزل نے کورتوں کی

دھالی پر دھوا بول لیا۔ سفید کھیارے کی گھیر کر کورتوں ہاتھوں میں سختی سے دوپٹے وہ ایک پاؤں پر اٹھانے ہوئے منہ سے بے معنی آوازیں نکالتے لگا۔ حکیم بیگم کی التجاؤں کو جب اس نے قابلِ غور نہ جانا تو اسے دوبارہ اٹھ کر قہار تھا۔

”میرا کڑا سونا پتھر ہے۔ کیو تری سدا (سار) نہ بد ہو جائے۔“ ملو گڑی چند سے (نازک جان ہے) کہ مات (پتھر) ٹٹ جائے گی۔ تخت ہاتھ نہ لایا۔“

حکیم بیگم چند کھری کے تعاقب سے پاپنے مٹی تھی۔ اسے آسن کی نو سو دو مٹی کا خیال آیا۔ آسن کے بل بوتے کی پیدا آسن بل اذقت ہوئی تھی اور پتی سخت بنا رہی تھی۔ اس کے پیدا ہونے ہی ڈاکٹروں نے اسے شیشے کے ڈبے میں بند کر کے رکھا تھا۔ وہ تو اس کیو تڑ سے بھی زیادہ نازک تھی۔

”میرے اللہ! اس نون سختی چل دے۔ اس نون حیاتی دے۔ میرے مالک! آسودہ فضل چاہی والے۔“

ذرا لب نہ لگاتے گئے۔

منزل کو دروازے کی طرف بھاگتے دیکھ کر وہ سخت الجھن تیزی سے اس کے تعاقب میں گئی۔ جب تک کہ کورتو آزاد کرانے میں کامیاب ہو سکی اس کی سانس و سوتھ کی طرف چلنے لگی تھی۔ منزل کا دھیان بنانے کو نہ کئے گئے۔

”جل میں تیرے مال کھیلتی ہوں۔ میں تیری گردن پر گل چید نہ بانہ کے تیرے چہروں میں پامی پوسا کے کچے باو بنا دیتی ہوں۔“ خیر تو آسودہ اور مجھ پر وہ بڈال کے کہتا۔ ان پڑھ بڈھی عورت نے سر والا کوئی سلیقہ نہیں۔ میں لاہور سے آیا ہوں میں ہوں یا جو جنٹو میں (جنتل میں) اے بڑا مزے دار کھیل۔“

منزل کو یہ تجویز پسند لگی تھی۔ اس نے چہرے سوچنے کے بعد آدھی نگاہ کر دی تھی۔

حکیم بیگم نے منظر کی تندی والا بڑا سفید رول منزل کے گلے میں لپیٹ کر مخصوص ڈھب کی کھانسی

اور نکلے بوٹ اس کے جھولنا س پہناتے ہوئے بول۔

”وہاں گلے میں ڈال کے پورا شہر دیا لو لگ رہا ہے میرا عمومی سونا لگا تھا۔ جب وہ لگا تھا تو یہ کھیل اس نون بڑا دل پسند تھا۔ پر اب وہ پتھر میں رہا۔ کوئی بھی کھیل اس کو جہاز پر چڑھنے سے نہیں روک سکتا۔“

اس کے دل کو کسی نے کھاری پائی والے آسن میں نہیں بڑو دیا۔ اس کی کواز گلے میں گھٹ کر رہ گئی تھی۔ خبر بھی کہ عہدوں سے امریکہ جانا نہیں چاہتا تھا۔ بس یہاں سے دور بھاگ رہا تھا۔ وہ بوٹ ترک کر کے آئے گا؟ اس کے جانے سے پہلے ہی حکیم بیگم نے اس کے دلہن کے کان فقار شروع کر دیا تھا۔

”اگر وہ مڑ کر نہ آیا۔ جس طرح آسن اور یوسف دیں بس گلے ہیں۔ اگر میرا عمر بھی اس بے گانے ملک کا ہو گیا تو میں۔“

رہا مجھے حوصلہ دے۔ میں بہی کمزور ہوں۔

چاک حکوم رہا تھا۔ حکیم بیگم بڑو لہانے کے ارادے سے اپنے ہاتھوں کو حرکت دینے لگی۔ منزل چھری کی اوتھتی سے کھل کر کسی اسکل مشکی طرح اسے منسوب ہوا تھا۔ بھارا تھا اور بولا۔ ”وہ یوں سر پائی جارہی تھی جیسے سب سمجھ رہی ہوں۔ وہ شہادت کی انھی لورا اٹھنے کے ساتھ ہی کیوں کیو اور کولو پورا ہری سست پھیلا رہی تھی۔ پھر اس نے منزل کو وہاں گردن سے نکال کر پھینکتے ہوئے وہ کھیل شاید نہ آتا تھا۔ وہ بھانکا ہوا اتار کے بوٹے کے نیچے پینچا اور ایک کرا ایک ذلی تمام لی۔ وہ اس کے ساتھ لنگ کر بھولے گی کوشش کر رہا تھا۔“

”وہ منزل! سودا ہی نہیں۔ کئی ڈنڈی سے ٹٹ ہانکے کچھے چوٹ لگ جائے گی۔ نہ میرا سونا شہری ہوا۔ آتنہ سے وہ سبق من سے جو تو نے پڑھا ہے۔“

منزل کو پچھلکارتے ہوئے اس کی توجہ حکیم بیگم کی گرا۔ اسے یہ بھی نہ چلا۔ جب اس نے برتن کی لنگری

انگوٹھے رکھے اور دونوں ہاتھوں کی چاروں انگلیوں کو ملا کر اندر کی جانب دیا۔ اس کا دھیان چاک پر لونا تو ایک بیڑھے کنارے والی بدو منگلی اس کے سامنے تھی۔ وہ بے یقینی سے اپنے ہاتھوں کو محورنے لگی۔

وہ تو بڑا بنا رہی تھی۔ پھر یہ بنا کیسے من مٹی اس کی نیت تو کچھ اور تھی۔ جو اس نے بنانا چاہا تھا وہ کیوں نہیں بنانا تھا۔ وہ بے ہنر تھی مگر بے دھیان تو نہ تھی۔ اس نے سوچا کہ منزل کی بھاگ دوڑ سے اس کا ذہن بنا تھا۔ اس لیے یہ چوک ہوئی تھی لیکن پھر اس نے یہ خیال چھٹک دیا۔ کسی اور کو الزام دینے سے اس کا قصور کم نہیں ہوا تھا۔

”میرے اللہ! میری ہر عقیم قیوں معاف کر دے۔ مجھ پر پکڑ نہ کر۔ میرے سب قصوروں سے دور کر۔“

کئی سرگرمی سے ٹھہرنے سے منع کیا تھا کہ وہ کبھی جا رہی تھی۔ اس کی سے چھری اور دیا ہوش گواہ تھا کہ وہ کوئی وقت ضائع کیے جا نہیں سکتا ہونے کا ارادہ کر چکی تھی۔ اور شاید یہ ارادہ چاک ہی بنا دیا گیا تھا۔ رات کے کھانے پر اور صبح ناشتے کے دوران بھی آپا نے اس قسم کا کوئی اشارہ نہ دیا تھا۔ وہ صحت مند تھی اسے ایک فون موصول ہوا تھا جسے من گراس کے اندر ایک تو اتالی ہی بھرنی تھی اور وہ جگت میں اپنے کام نمٹانے کی کوشش کر رہی تھی۔

عمر بے غلٹے میں استعمال ہونے والے برتن دھوئے کھن میں بھاڑو دی اور اسے ان دھلے کپڑے صرف کے تھیل میں بھگو کر رکھنے کے بعد کمرے کے دروازے کے قریب کر دی۔ پچھا کہ اختیار پڑھنے لگا۔ وہ شکر تھا کہ آپا اسے اپنی منزل کے بارے میں بتائے گی۔ اچانک جانے کی وجہ بیان کرے گی اور شاید اسے بھی ساتھ چلنے کو کہے گی۔ لیکن یہ آخری بات قرین اذقیان نہ لگتی تھی۔ اگر وہ اسے ساتھ لے جائے گا

ارادہ رکھتی تو آپ تک اسے تیار ہونے کی ہدایت کر چکی ہوتی۔ اس کی نیکت ذہن حرکات سے صاف ظاہر تھا کہ وہ ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرنا چاہتی تھی۔ عمر نے وہ چار پارے سے غائب کرنے کی کوشش بھی کر دی تھی۔ مگر وہ اتنی مہن تھی کہ ہاں اچھا نہیں جیسے ایک لفظی ہوا میں سے زیادہ بگھ نہ ہوئی اور شاید وہ بیس اور چارہ تھی۔ اسے پرانے سفری بیگ پر سے گرد بھاڑتے اور کیلے کپڑے سے صاف کرتے دیکھ کر ایسا ہی آڑھتا تھا۔

عمر نے اختیار نہ کر کے قریب بڑی سیانی پر بیٹھا اور پیوں کو پیوں سے نکالتے ہوئے تاخیر پھیلا کر انگڑائی لی۔ اسے بے چینی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کے جی میں آئی کہ آپ اسے اپنے امریکہ جانے کے بارے میں بات پھیرتے، حالانکہ اس موضوع پر بات کرنے کا یہ کوئی موزوں وقت نہیں تھا، لیکن یہ بھی حقیقت تھی کہ کوئی اور وقت بھی موزوں نہیں تھا۔ اس نے جتنی بار بھی اس مسئلے میں بات کرنے کی کوشش کی تھی، تاکہ کسی کام نہ لے کر اٹھا۔ آپ کسی اور بات یا کسی ایسا نیک یاد جواب دہانے کا امر لے کر اس میں دھڑکتے ہی کڑا پانی تھی۔

اس نے اتنا نہیں تو پوچھا تھا کہ عمر کا بڑا بڑا کتنی وقت کا قہار سے امید نہیں تھی کہ آپ کو اس معاملے سے کوئی دلچسپی تھی مگر جانے کیوں وہ اس کی رائے چنانچہ پتا تھا۔ چاہے وہ مخالفت ہی کر لی یا تاثر ماضی انگہار گئی کہ اسے یہ فیصلہ کرنے سے پہلے مشورہ تو کرنا چاہیے تھا۔ اتنے اہم معاملات کیا اپنی مرضی سے ہی طے کر لیے جاتے ہیں۔ بلکہ وہ اتنا ہی کہہ دیتی کہ "میں تمہارے والوں سے ان کے انتظار کروں گی۔" لیکن وہ تو یوں خاموش تھی جیسے کچھ ہوا نہ ہو اور یہ وہ خاموشی نہیں تھی جو لوگ ناراض ہونے پر اپنا بنا کرتے ہیں۔

کی بار عمر کو لگا کہ آپ اس کے جانے کے خیال سے مطمئن تھی۔ شاید وہ بے بسی کے گھر سے اسے لے کر آنے کے فیصلے پر بچھڑے ہوئے کا شکار تھا اور اپنی زبان

سے اسے واپس جانے کا کہہ نہیں پاتی تھی۔ اگر ایسا ہی تو قسمت نے یاد دہانی کی تھی۔ اس کی متوجہ امریکہ جانے کے لیے یہ مشد خود ہی عمل کرنا تھا۔ پھلے آپ کی رائے اور محسوسات عمر کے ارادوں پر کوئی اثر نہ رکھتے ہوں۔ لیکن وہ حیران تھا کہ وہ آپ کی زبان سے انگہار سننے کا اس قدر خواہش مند کیوں تھا؟

"آپ! اس نے گلا کھنکراتے ہوئے کہا۔ "میرے امریکہ جانے کے تمام انتظامات مکمل ہو گئے ہیں۔" "پچھلے تو؟"

کیسا لائق انداز تھا۔ اگر اس نے بازار میں کسی شے کے نرخ دیکھنے کا ذکر کیا ہوتا تو بھی یقیناً "پچھلے تو؟" سے زیادہ کچھ سننے کو نہ دیتا۔

آپ اس پر چند لمحوں پھیلائے شاید ان میں سے انتخاب کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

عمر کو کچھ اور نہ سوچا جب کوئی اپنی ماں پر دنیا کے دوسرے کونے میں جانے کا ارادہ ظاہر کرے اور جواب میں "پچھلے تو؟" سے تو آگے کیا کہا جاتا ہے۔

"کچھ نہیں میں سمجھتی تھی کہ کوئی اور جگہ ہے۔"

"تھیک ہے۔" آپ نے ایک سوٹ اٹھا کر نظر میں ڈھکی اور واپس رہنے بیچہ کر عمر کی نظر اسے اوستل ہو گئی۔

اس نے اسے کی الماری کے پٹ بھلے اور چھ لمحوں بعد بند ہونے کی آواز سنی۔ وہ جس جگہ بیٹھا تھا وہاں سے اٹھ کر گھر کے کچھ حصہ دکھائی دیتا تھا۔ آپ کے الماری سے پلٹ کر دوبارہ بستر کے پاس آگے کے وقتے میں وہ خاموش رہا۔ آپ وہاں پہنچے ہوئے کچھ لمحوں کو الٹ پلٹ کر جانچ رہی تھی۔ اس کے انداز میں ہم اطمینان اور پائیداری تھی۔

"موصوف بھائی اور آفہ بھائی آپ کی غیریت دریافت کر رہے تھے۔ اگر ہو سکے تو آپ ان سے بات کر لیجئے گا۔ میں نے بتایا تھا کہ ان کی بیٹی بڑی نیچے رہی ہوئی ہے۔ اس کی حالت بہت تشویش ناک ہے۔ شادی کے میں صل بعد اولاد ہوئی ہے۔"

"میں کر لوں گی بات۔" آپ نے ایک اور سوٹ کا گولہ بنا کر اسے بستر کی پائنتی کی جانب اچھال دیا۔ وہ چھتالی ہوئی لگتی تھی۔

عمر کھلی اور قہر کھڑنے کی سر توڑ وجہ پوچھ کر رہا تھا۔ خاموشی اس کی بے چینی میں اضافہ کر رہی تھی۔

"میں سوچ رہا تھا کہ مجھے وہاں جانے کے لیے کپڑے بچھڑے اور خود میری خریداری کر لیں تو ایک دو دن میں خرید لیاؤں۔ مجھے خود سے خریداری کرنے میں پیشہ و شواہن ہوتی ہے۔ آپ کے پاس جب وقت ہو مجھے بتا دیجیے گا۔ میں آپ کو ساتھ لے کر بازار جاؤں گی۔"

آپ نے آخری لباس کو بھی ہاتھ سے پرے بنایا اور گویا خود کھائی کی۔

"معلوم نہیں اسلام آباد کا موسم کیسا ہو گا۔ میں تو کبھی وہاں نہیں گئی۔" مری انتہائی دلچسپی سے وہاں سے جاننے کی خواہش میں اور ان علاقوں میں برف پڑی کا آثار ہو چکا ہے۔ میں مکان سے اسلام آباد میں بھی سڑکی باندھ گئی ہوں۔ میں سڑکی باندھ لیاں براشت نہیں کر سکتی۔ میرے ہاتھوں اور سوجھ بوجھ کی انھیال سن ہو جاتی ہیں۔ پچھلے موسم کے گرم پہاڑوں میں سے کوئی ایک بھی اس قدر تھکن نہیں کہ اسے پن کر گھر سے نکلا جائے۔ عمر اتم اس طرح کہہ کر راتہ دو دن کے گھر جا کر میرے سوٹ کھینا کہ وہ اس نے آج دسیر کھنکھایا تھا۔ لیکن شاید ہی یہ ہو۔ اسے گمان کہ ایک گھنٹے تک تیار کر سکتی ہے تو بڑی مہربانی ہوگی۔ تم نے اس کا گھر تو دیکھ رکھا ہے تا! ساتھ دلی گلی میں ہے۔ دروازے کے سامنے کھلی کا کھمبہ لگا ہے۔ اگر نہ ملے تو کسی سے پوچھ لیا۔ جلدی ہے جاؤ۔"

عمر کسی سے اٹھ گیا، لیکن اس کے قدم وہیں تھے۔ "آپ اسلام آباد جا رہی ہیں؟"

"ہاں۔ میں کل رات یا زیادہ سے زیادہ پرسوں صبح نسلو اپنی آجواں کی۔"

"لیکن آپ ایسا کیوں جا رہی ہیں۔ میں فارغ

# عمران ڈائجسٹ

Email: id@khawateendigest.com



بہن دیہا کے نچھارے

2011

اسٹیجی صورتی

آخری بازی

2019

ہوں۔ میں بھی آپ کے ساتھ چلا ہوں۔  
"میں نے کب نمازیں اکیلا جاری ہوں؟"

"شوکت صاحب کے ساتھ جاؤں گی۔"  
عمر کی پیشہ پر کسی نے خادو دار کو زاپچی تھا۔ جسم کو کاٹتی ہوئی چلن اس کے دم دم میں گھرنی۔  
"کس سلسلے میں؟" اس نے اتنی اونچی آواز میں پوچھنے کا راہ ہرگز نہیں کیا تھا۔  
"کسے جو تک کراں کا چوہہ کھلا۔"

"کیا اسکول کا کوئی کام ہے؟ کوئی تقریبی ٹرپ ڈیوٹی؟" اپنے بچے کا ڈرائنگ کرنے کے لیے اس نے اضاقتہ کیا تھا۔  
"نہیں۔ ایک خالعتا" نئی نوعیت کا کام ہے۔ میں آکر تمہیں تفصیل بتاؤں گی۔" اسے لگا کہ ایسا کہتے ہوئے کیا سکرانی تھی۔

"بہنیں بالکل وقت نہیں ہے۔ شوکت صاحب جتنی ہی والے ہوں گے تم ماٹھی کی طرف چلے جاؤ۔" اسے چھوڑنے والا ممکن ہے اور دوڑانے پر بڑی سی تھی اس لیے عزم اتنی بے کامی اور وہ سنانی کے لیے بھی ایسے جان۔

عمر اپنی جگہ سے ایک قدم نہیں سرکا۔ "آپ اور شوکت صاحب کبے جا رہے ہیں؟"  
اس بار آیا کی مسکراہٹ واضح تھی۔ "جب ہم دونوں اٹھے جا رہے ہیں تو اکیلے کیسے ہوں؟" وہ ذرا بھی کر سکتی تھی۔ عمر کو وہی مرتبہ معلوم ہوا تھا۔  
"میں یہاں اکیلا کیا کروں گا؟" میں بھی آپ کے ساتھ چلا ہوں۔"

"نہیں۔ تم ساتھ نہیں جاؤ گے۔ میں کب بھی مدت کے لیے جاری ہوں، صرف ایک رات کی ہی تو بات ہے۔" آپ کا انداز طبیعت بھر تھا۔  
"تم اب چلے بھی جاؤ۔ وہ عانتہ کبیں گھر سے نہ نکل جائے اور تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا مجھے سوئے اور دستانے ساتھ لے جانے چاہئیں؟ کیا خبر وہاں ٹھہرے۔"

زادہ ہو مجھے سروی سے فرت ہے۔

بچے پگھلون والے راج انس جیسا دن تھا۔ اہلا سفید اور سیلا سلہ رات بھر صبح کا جہر کا لگا رہا تھا۔ صبح کے قریب آسمان پر سے بادلوں کے آخری ٹکڑے تک غائب ہو گئے تھے اور تھرا تھرا آسمان کسی تازہ دھلے ہوئے پارے کی مانند پھیلا تھا۔ یہ بارش جانے کے آگے کا بیٹھ ثابت ہوئی تھی۔ ایک رات میں ہی موسم کے تیور بدل گئے تھے۔

خٹک ہوا کا جھونکا عمر کے ترن سے لپٹ کر زرا تو اسے احساس ہوا کہ وہ آدھی آسمتوں والی قیاس موسم کے نئے چلن کے لیے موزوں نہیں رہی تھی۔ اس نے اپنے ماتھے اور پوتوں پر انگلیاں پھرا لیں۔ اسے اپنی جلد غیر معمولی حد تک گرم لگی تھی۔ اسے بخار ہو رہا تھا۔ حلق کی تڑپ اور سروی کا بڑھا ہوا احساس اس بات کی نشاندہی کرتے تھے۔

وہ سکلندی سے اٹھ کر لپٹے کمرے میں تو اور ایک طرف کی دراز میں رہتی ہوئی پھونکی ڈانٹتی کھول کر وہ پیرا صوفے لگا جو پوچھتے ہوئے کسی دور پر لپٹ گیا تھی۔

حضرت چوہدری نام کے بچے اسلام آباد کے ڈاکٹر کوڑے کے ساتھ لگا ہوا امیر اسے تھوڑی سی تلاش کے بعد مل گیا تھا۔ وہ شوکت صاحب کے بھائی کی رالیش کا لائی فون نمبر تھا جو آپارہ ٹاؤن میں واقع گریڈ کیا ایک اور رات وہاں رہنے کا ارادہ نہیں دھتی تھی تو اب تک اسے لوٹ آنا چاہیے تھا۔ کم از کم وہاں ہی کے چاہتا تھا، لیکن مزید انتظار اس کے بس کی بات نہ تھی۔ فون کی لڑکی نے اٹھایا تھا۔

"یہ حضرت چوہدری صاحب کا گھر ہے؟" عمر نے تصدیق کی خاطر پوچھا۔  
"جی۔ آپ کون؟"

شوکت صاحب اور میری آئی آپ کے گھر آئی ہوئی ہیں۔ کیونکہ ابھی اور میری موجود ہیں۔

"شوکت صاحب اور ان کے ساتھ آنے والی اتنی تو کل شام کوئی جے گئے تھے۔"  
"کل شام کو؟" عمر نے تھوک لگی کر کہا۔  
"نہیں۔ وہ میرے گئے ہیں۔"

"سروی کھل گئے ہیں۔ وہاں تو بہت سروی ہوتی ہے؟" عمر کو یہ بھی نہ چلا اور اس کی زبان سے پھسل گیا۔

"انہی مطلب؟" عمر کی کے انداز میں الجھن تھی۔  
"جو کس نے مری گئے ہیں؟"  
"آگر آپ میرے ابو سے بات کرنا چاہتے ہیں تو میں انہیں بارہی آؤں۔ آپ کا نام کیا ہے؟"

عمر نے بچے کے ہاتھوں بند کر دیا تھا۔ اس کے بدن میں ہونے والا خفیف درد اپنا تک شدت پکڑ گیا تھا۔ اس کے حلق میں ایسا کھولن تھا جیسے اس نے دستوں کی پٹیاں تھل لی ہو۔ کپٹوں میں دھرنی تھی۔

شام چھٹنے تک اس کا بخار اتنا تیز ہو چکا تھا کہ منتھوں میں سے گزرتی ہوئی سانس کھونٹ چلی رہی تھی۔ شہ پر اس کے بدن کو اس نے پانی کا ایک کھونٹ بھی نہیں پیا۔ اس لیے تھیں کہ بخار کی دی ہوئی نگاہت نے اس سے پلٹے پلٹے کی سکت چھین لی تھی۔ بلکہ اس لیے کہ وہ پانی پینا نہیں چاہتا تھا۔ جب بھی وہ حکیم حکیم سے روٹھ جاتا تھا تو کھانا پینا چھوڑ دیا کرتا تھا۔ اب تو وہ زندگی سے ہی روٹھ ہوا تھا۔

رات جانے لگی تھی اور وہ سوئی کھیں میں غصہ رہا تھا کہ فون کی کھنٹی بجی۔ وہ پھٹل خود کو کھینٹنا ہوا کیا کے کمرے تک آیا اور وہ پیرا اٹھا کر کان سے لگا لگا رہی اور اتنے ٹھٹھا تھا کہ اسے چھوٹے ہوئے عمر کو گھر چھری تھی۔

تھمرا میں کل شام تک آجائیں گی۔ میں اس وقت نماز میں ہوں۔ یہاں مسلسل برف پاری ہو رہی ہے۔

جسے میں نے نویسے والے خربتے میں ستا ہے کہ لاہور میں بھی بارشوں کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ کیا وہاں بھی ٹھنڈ ہو گئی ہے؟

"ہاں ہو گئی ہے۔" عمر نے بدقت خود کو جواب دینے پر تامل کیا۔ "آپ کو تو ٹھنڈ سے لذت ہے۔"  
اگر آپ نے ساتھ تو ہمیں اس نے کوئی شہر نہیں کیا تھا۔

"مجھے تمہاری فکر ہو رہی ہے۔ سرویوں کا کوئی بھی بیڑا ابھی تک نہیں نکلا۔ مجھے کیا خبر تھی کہ ایک ہی دن میں وہ موسم یک دم تبدیل ہو جائے گا۔ اچھا تم ایسا کہ اسٹور میں چینی کے اور جو بیڑا نکلا ہے اسے اس میں ایک گرم چادور رکھی ہے۔ تم وہ نکال لو تو تک کے نالے کی چالی سالی مشین کے ٹکڑے شس ہوگی۔"

اگر آپ نے کوئی بھی خواب لیے بار رابطہ متعلق کر دیا تھا۔

"میں سرویوں کا کل رہا اشت نہیں کر سکتی۔ میرے ہاتھوں اور سرویوں کی انگلیاں میں برف چلائی ہے۔ ایسا کی آواز ملنے لگتی ہے۔ میں کی سکتے ہوں۔" عمر نے گماندہ نظر سے اسے دیکھا۔ اسے سروی سے لذت تھی تو وہ برف پاری کے دوران مری کیسے چلی گئی؟ وہ تو سوئے اور وہ سوتے ہی ساتھ نہیں لے گئی تھی۔ پھر ایسی ٹھنڈ کو برداشت کرنے کی ہمت اس کے اندر کہاں سے آئی؟

کھلے دوڑانے سے اتنی سرو ہوائے عمر کے تھہرت نندہ چھلے ہوئے بدن میں پھرتی دوڑاوی۔ وہ اتنی ہی طرح کاتب رہا تھا کہ اسے بیواھا کھڑا ہونے میں دشواری ہو رہی تھی۔

اس کی پسیوں میں ہونے والے درد کی شدت بڑھتی جا رہی تھی۔ سروی لوہی اس سے مزید مزاجم ہونا اس کے بس کی بات نہ رہی تھی۔ وہ بلور جی خالے میں گیا اور عمل کھول کر پانی کا کھونٹ بھرا۔ اسے لگا کسی نے اس کی چھاتی میں لوہے کی سلاخ سے ضرب لگائی ہو۔ اس نے گل کے بچے سے مزید بنا کر سینے پر اتار رکھا لیا۔ پگھلی ہوئی برف جیسے پانی نے اس کی سانس لٹا دی۔

# Doctor toothpaste

ٹاپ سیلڈ، جراثیم سے محفوظ!

Top Sealed  
For Total Germs Protection



Doctor  
toothpaste

ڈاکٹر ڈیوڈ

ہیلتھ کیئر، جراثیم سے محفوظ! ٹاپ سیلڈ، جراثیم سے محفوظ!

ڈاکٹر ڈیوڈ، ہیلتھ کیئر، جراثیم سے محفوظ! ٹاپ سیلڈ، جراثیم سے محفوظ!

ڈاکٹر ڈیوڈ، ہیلتھ کیئر، جراثیم سے محفوظ! ٹاپ سیلڈ، جراثیم سے محفوظ!

ڈاکٹر ڈیوڈ، ہیلتھ کیئر، جراثیم سے محفوظ! ٹاپ سیلڈ، جراثیم سے محفوظ!

ڈاکٹر ڈیوڈ، ہیلتھ کیئر، جراثیم سے محفوظ! ٹاپ سیلڈ، جراثیم سے محفوظ!

ڈاکٹر ڈیوڈ، ہیلتھ کیئر، جراثیم سے محفوظ! ٹاپ سیلڈ، جراثیم سے محفوظ!

ڈاکٹر ڈیوڈ، ہیلتھ کیئر، جراثیم سے محفوظ! ٹاپ سیلڈ، جراثیم سے محفوظ!

ڈاکٹر ڈیوڈ، ہیلتھ کیئر، جراثیم سے محفوظ! ٹاپ سیلڈ، جراثیم سے محفوظ!

ڈاکٹر ڈیوڈ، ہیلتھ کیئر، جراثیم سے محفوظ! ٹاپ سیلڈ، جراثیم سے محفوظ!

ڈاکٹر ڈیوڈ، ہیلتھ کیئر، جراثیم سے محفوظ! ٹاپ سیلڈ، جراثیم سے محفوظ!

ڈاکٹر ڈیوڈ، ہیلتھ کیئر، جراثیم سے محفوظ! ٹاپ سیلڈ، جراثیم سے محفوظ!

ڈاکٹر ڈیوڈ، ہیلتھ کیئر، جراثیم سے محفوظ! ٹاپ سیلڈ، جراثیم سے محفوظ!

ڈاکٹر ڈیوڈ، ہیلتھ کیئر، جراثیم سے محفوظ! ٹاپ سیلڈ، جراثیم سے محفوظ!

ڈاکٹر ڈیوڈ، ہیلتھ کیئر، جراثیم سے محفوظ! ٹاپ سیلڈ، جراثیم سے محفوظ!

ڈاکٹر ڈیوڈ، ہیلتھ کیئر، جراثیم سے محفوظ! ٹاپ سیلڈ، جراثیم سے محفوظ!

ڈاکٹر ڈیوڈ، ہیلتھ کیئر، جراثیم سے محفوظ! ٹاپ سیلڈ، جراثیم سے محفوظ!

ڈاکٹر ڈیوڈ، ہیلتھ کیئر، جراثیم سے محفوظ! ٹاپ سیلڈ، جراثیم سے محفوظ!

ڈاکٹر ڈیوڈ، ہیلتھ کیئر، جراثیم سے محفوظ! ٹاپ سیلڈ، جراثیم سے محفوظ!

ڈاکٹر ڈیوڈ، ہیلتھ کیئر، جراثیم سے محفوظ! ٹاپ سیلڈ، جراثیم سے محفوظ!

ڈاکٹر ڈیوڈ، ہیلتھ کیئر، جراثیم سے محفوظ! ٹاپ سیلڈ، جراثیم سے محفوظ!

ڈاکٹر ڈیوڈ، ہیلتھ کیئر، جراثیم سے محفوظ! ٹاپ سیلڈ، جراثیم سے محفوظ!

ڈاکٹر ڈیوڈ، ہیلتھ کیئر، جراثیم سے محفوظ! ٹاپ سیلڈ، جراثیم سے محفوظ!

ڈاکٹر ڈیوڈ، ہیلتھ کیئر، جراثیم سے محفوظ! ٹاپ سیلڈ، جراثیم سے محفوظ!

ڈاکٹر ڈیوڈ، ہیلتھ کیئر، جراثیم سے محفوظ! ٹاپ سیلڈ، جراثیم سے محفوظ!

ڈاکٹر ڈیوڈ، ہیلتھ کیئر، جراثیم سے محفوظ! ٹاپ سیلڈ، جراثیم سے محفوظ!

ڈاکٹر ڈیوڈ، ہیلتھ کیئر، جراثیم سے محفوظ! ٹاپ سیلڈ، جراثیم سے محفوظ!

ڈاکٹر ڈیوڈ، ہیلتھ کیئر، جراثیم سے محفوظ! ٹاپ سیلڈ، جراثیم سے محفوظ!

ڈاکٹر ڈیوڈ، ہیلتھ کیئر، جراثیم سے محفوظ! ٹاپ سیلڈ، جراثیم سے محفوظ!

ڈاکٹر ڈیوڈ، ہیلتھ کیئر، جراثیم سے محفوظ! ٹاپ سیلڈ، جراثیم سے محفوظ!

ڈاکٹر ڈیوڈ، ہیلتھ کیئر، جراثیم سے محفوظ! ٹاپ سیلڈ، جراثیم سے محفوظ!

ڈاکٹر ڈیوڈ، ہیلتھ کیئر، جراثیم سے محفوظ! ٹاپ سیلڈ، جراثیم سے محفوظ!

ڈاکٹر ڈیوڈ، ہیلتھ کیئر، جراثیم سے محفوظ! ٹاپ سیلڈ، جراثیم سے محفوظ!

کر رہا ہے۔

کچھ عرصہ پہلے تباہی کے اسکول کے فی سبیل اسٹریٹ روم میں دو عورتوں کے درمیان ہونے والی گفتگو یہ اس نے کمرے کے کھلے دروازے کے پاس بیٹھے ہوئے سنی تھی اسے یاد آنے لگی تو اسے بھولنا ہی کتب تھا۔ وہ تو بس بھرے زبور تھے جو بروم اس کے کانوں میں بھینکتے تھے۔ بونوں سے بچنے کے لیے اس نے تیزی سے اٹھا قدم اٹھایا۔ شاید بارش سے بچانے ضروری نہیں تھا۔ بچکانوں آوازوں سے بھاگنا۔

”بھولوں آفس میں مجھے کھڑکیوں دروازے بند کر کے کھنوں کیا کر رہے ہیں۔“

بھولوں کے زہرے پڑوں کی فکر تو ہٹ اس کے کانوں میں تھی جاتی تھی۔ اس نے تیسرے ذریعے پر پاؤں دھرنا۔

”تجھ سے جب ماسی منڈیاں پوچھتی سے باقی تھا سفالی ٹھیک ہوتی ہے تو میں کہتی ہوں کیا خاک ٹھیک ہوتی ہے اور سے تو اسکول بھرا رہا ہے۔“

جو تھا زہرے اس کے پاس سے گیا۔

”ایک بار وہ شرکت سے ملنے اسکول آئی اور شہر دستک دے آفس کا دروازہ کھول دیا۔ جلنے اور کچھ دیکھا کہ اسے قدموں لوٹ گئی۔ یہ موٹے موٹے آفس اسکول سے بچ رہے تھے۔“

اس کا بیباک بھڑکی کو چھو رہا تھا۔

”میں قسم کھا کر کہتی ہوں، کھفتے نے اسی وجہ سے زہر پھانک لیا۔“

تمرا جی سی مشقت سے بیخبر حال ہو گیا تھا۔ اس نے منوں کو ذی قدم ٹھیک کر چھنے زینے پر رکھا۔

”یہ عجیب ہے۔ اس کی بل نے منہ کالا کیا ہے اس کا منہ تو گورا ہے۔“

اس کا اسکول ماسٹر نوار کا بیڑا گل میں دبانے سمجھتی ہوئی تھی کے ساتھ جماعت کے سب لوگوں کو دبا دیا تھا۔

ساتویں نے زینے پر پاؤں دھرے بنا اس نے آفری قدم پر چڑھنے کی کوشش کی اسے زہر دار ٹھہر کر تھی

تھی۔ کچھ ہیرو ہوں ہی کھڑا تھا سے سینے کو مسلاتا ہوا پھر جی کڑا کر کہتے ہوئے کھالی پر چڑھ چکا تھا۔

”تمہاری ماں جب لوہر آئی تو وہ بیٹ کرنا چاہتی تھی۔“

ماسی بچوں کے ہونٹوں سے اٹنے والے تمباکو ملے تو کھ کے چھینے عمر کے منہ پر گرسے۔

اس کے کھلے ہونٹوں اور دانتوں سے ٹکرا کر اچھلتی ہوئی پالی کی پانڈیں نکل کر اس کی مانند اس کے چہرے پر گر رہی تھیں۔ پالی پینے کے بعد اس کی کھلیوں میں کچھ اور اضافہ ہو گیا تھا۔ باہر آسمان سے پھر بھرا برسنے لگی تھی۔

”کیا سہی میں اس وقت بھی برف پاری ہو رہی ہوگی؟“

”خدا جانتا، سہی تو میری کا کام ہے۔ جب ہم دونوں جا رہے ہیں تو اکیلے کیسے ہوئے۔“

”کیا کھکھلا کر نہیں رہی تھی۔“

اس نے کبھی کیا کو کھل کر بچنے نہیں دیکھا تھا۔ لیکن تصویر میں اس کی گونجی ہوئی آہیں اسی وضاحت سے در آئی تھی۔ بچوں کے ہونٹوں بار اس منظر کو دیکھ چکا ہو۔ خود کو بارش سے بچانے ہوئے حتی المقدور تیزی کے ساتھ وہ بیڑوں کی طرف بھاگا۔ اسٹور ہالی منزل پر تھا اور پخت پرلے جانے والی بیڑی کے آٹھ قدم تھے۔

بیڑھیوں پخت سے ڈھکی ہوئی نہیں تھیں اور یہاں بھی بارش کی دسترس سے محفوظ نہیں تھا۔

”تاکسی کمرے کی کھڑکی سے برف پاری کو دیکھتی ہوگی یا کھلے آسمان سے ہوتے ہوئے اس تجربے سے گزر رہی ہوگی۔ برف گرتی کیسے ہے؟“ اس نے خود سے پوچھا۔

”تو کھلی ہوئی روٹی کے گالوں کی صورت یا بھر بھرے سفوف کی طرح ج کیا تپا کے باتوں اور بیڑوں کی انکھیاں من ہو گئی ہوں گی؟“

اس نے برف پاری کے مناظر صرف ٹیلی ویژن پر دیکھ رکھے تھے۔ ٹھہرنے کی بیڑی پر قدم رکھا۔

”شوکت کی تو اسے دیکھ کر رول جھکی ہے۔ گھٹا جاتا



تھی۔ مشکل اس نے خود کو کرنے سے بچایا۔  
ہاکی اور حلوں کے پیچھے کون آتا ہے۔ عاشق چار  
دن دن خوش کر کے چھوڑ جاتے ہیں اور وارث احوال  
لیں تو گانا گانا دیتے ہیں۔

ماہی چھو میں گے مئے کی چٹم الٹ گئی تھی اور  
سارے کوئے اس پر آن گئے تھے۔ نہ چاہتے ہوئے  
بھی اس کے حلق سے کر لہ نکل گئی۔

استور میں گھپ اندر اقتدار اس نے اندازے سے  
دیوار کو ٹٹلتے ہوئے سوچ تلاش کر کے بلب جلا یا۔  
سلطان حسین بیٹی کے اور نرنک کے ساتھ ہی رہی  
تھی۔ کچھ ترس کے بعد نرنک کی چالی دستیاب ہو گئی  
تھی۔ تالا کھول کر وہ چادر تلاش کرنے لگا۔ وہ نے  
رائے کیڑوں کے ساتھ ایک گوشے میں لہنسی ہوئی  
نل گئی تھی۔

چادر نکالتے پر اس کی نظران ویڈیو کیسٹوں پر پڑی  
جو چادر کے نیچے ہونے کے باعث پہلے پوشیدہ تھے۔  
اس نے ایک کیسٹ کے ہاٹل پر نظر دوڑائی۔ وہ ایک  
العش غلم تھی اور عنان سے ہی ظاہر تھا کہ وہ کس  
نومیت کی تھی۔ اس نے ایک ایک کر کے سب  
کیسٹوں کے نام دیکھے تھے۔ ان میں سے اکثریت  
ایکس روڈ (کم سٹوں کے دیکھنے کے لیے ناموں) کی  
فصلوں کی تھی۔

اسے وہ پھر یاد آئی جب ایسی ہی ایک فلم  
دیکھنے والے کی خاطر کیا شام تک لاہور کی سڑکوں پر خوار  
ہوئی پھری تھی۔ آنکھوں میں ہوتی جان نمی بن کر اس  
کی بیٹالی کو دھندلا رہی تھی۔ پٹلیں جھپک کر اس نے  
آنکھوں میں مچ ہونے والے پانی کو مہر جانیے دیا۔

ویڈیو کیسٹیں ہٹاتے ہوئے اس کا ہاتھ کسی سرو  
اور محسوس دھلت سے نکل آیا۔ انگلیوں سے محسوس  
کرتے ہوئے عمر نے اس شے کو باہر نکال لیا۔ وہ کالج  
سے بنی ہوئی ایک شش پلو سندھو تھی جس میں  
کچھ سلمان تھا۔ سندھو تھی کے اوپر ایک خط کا لفظ نہ رکھا  
تھا جو سندھو تھی کے ساتھ ہی اس کے ہاتھ میں آ گیا  
تھا۔ اس نے وہ لفظ سندھو تھی کی ہمت سے علیحدہ کیا

تو کالج پر لکھے ہوئے حروف اس کی نظموں کی  
آگے۔

”سندھو تھی جو ایک سا شہلا کی بیٹی تھی۔“  
عمر نے بلور میں ڈیے ایک طرف دکھ دی اور لفظ  
کو الٹ لٹ کر دیکھنے لگا۔ لفظ پر ایک ہلکا سا اشارہ  
اسے بند نہیں کیا یا تھا۔ اس نے اندر ہاتھ ڈال کر تھوڑا  
کھنڈا باہر نکال لیا۔ کھنڈ کی ٹہنیوں میں کھول کر وہ  
نظر دوڑانے لگا۔ وہ کیا تحریر کہہ خط تھا، لیکن عمر کو  
اسید دکھائی دی تھی کہ وہ اس کے باپ کے نام لکھا گیا  
ہو گا یا اٹل ثابت ہوئی تھی۔ خط کا مخاطب تھی اور  
شخص تھا اور آیا اس سے گہرا یہ تعلق خط کا مضمون  
اس بات کا کوا تھا۔

”مجھے بات کس طرح شروع کرنی چاہیے۔ میں  
نہیں جانتی اپنے کمرہ جرموں کا حال بیان کرنے کے  
لیے مناسب الفاظ کے چناؤ میں تھوڑی بہت وقت ہو  
تو قدرتی ہی بات ہے۔“

میں تم سے یا کسی اور سے معلق نہیں ہوں گی۔  
معلق میرا علاج ہرگز نہیں ہے میرا مرض جس تو  
کا ہے اس میں دستخبر کا پتلا اور پتلا اس سے  
راحت حتی ہے اگر تمہارے پاس پتلا وقت ہو  
میرے لیے بد دعا کرنا مجھے ہر اس برے نام سے بھرا  
جو تمہارے علم میں ہو اور میری ماں سے گہرا ہو گیا  
ہے۔

اگر تمہیں یہ جان کر کچھ تسکین محسوس ہو تو میں  
دینی ہوں کہ جس شخص کے لیے میں نے تم کو لوگوں کے  
ساتھ یہ سلوک کیا تھا اس نے میرے مزہ پر ہنوک  
دیا، تمہیں تھوکا نہیں تھا مجھے ایسا لگا تھا کہ میرے مزہ پر  
تھوکا گیا ہے۔ مجھے تو بھر بھی اس کا ساتھ نہیں ملا۔  
مجھے یہ تو معلوم ہو گیا تھا کہ میرا باپ مر چکا ہے۔ ظاہر  
سے میں ہی تو اس کی موت ہوں۔ مجھے کیا معلوم  
نہیں ہو گا۔

جس رات میں نے گھر چھوڑا شاید مجھے کدہ  
چاہیے کہ گھر سے بھاگی، لیکن میں ابھی تک اپنے  
بہرہ داری رکھتی ہوں۔ کیا کول برے لفظ خود سے

بڑے ہوئے شرم آئی ہے تم میری اس روانداری کو  
بڑا شکر کرنے کی کوشش کر رہے ہو تو اس رات میں  
اپنے ہاتھوں سے اسے باپ کا گلا گھونٹ کر رکھی تھی پھر  
مجھے تھوڑی سی خاطر میں کچھ عرصہ بعد اپنے حلقے میں  
کئی تھی اور میں منہ چھپا کر گئی تھی۔

کیا تم مجھے ہو کہ میری شکل اب بھی اس لائق ہے  
کہ وہ کسی کو کھلی جاسکے؟ تم ہمیشہ کہتے تھے کہ میں  
بڑی خوب صورت ہوں۔ میری آنکھیں ابھی ہیں  
میرے ہونٹ ابھی ہیں میری رنگت ابھی تازہ ہے،  
میرے بال ابھی گہرا ہیں، تم تعریف کرنے لگتے تو  
تمہیں رکن ہی بھول جاتا تھا۔

تمہیں سن کر مجھے لگتا کہ تم مرنا شروع کر رہے ہو لیکن  
مجھے ایسا لگتا تھا۔ میرا دل چاہتا تھا کہ تم ہی جانا۔ مجھے  
سراستہ ہی رہو۔

میں تم کو گھرا کر کہتی ہوں اب آئینہ دیکھتی ہوں تو  
تعمیر آئی ہے، میں نے اتنا بھی یاد نہیں کیا  
دیکھا۔ میں بتا رہی تھی کہ میں جڑو حلقہ کر رہی تھی  
میں آئی کہ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ میرا باپ کئی عرصے  
کے لیے اور میری ماں وہ گھر چھوڑ گیا ہے۔  
وہ شاید وانیال بھول کے گھر آئی ہو گی یا پھر تیار ابو  
کے گاؤں وہ جہاں بھی ہیں نہیں جانتی ان کے سامنے  
نہیں آتا جانتی۔ اگر ہو سکے تو مجھے اتنا بتا دینا کہ کیا وہ  
زندہ ہیں اور مجھے حضور نے کی غلطی کبھی نہ کرنا گندگی  
ہو رہی ہے تو اچھا ہے اسے کرید کر دکھائیں تو تعفن کے  
بہاؤ کیا ہے؟

میں یہ خط تمہیں کسی اور سے شہر سے پوسٹ  
کول کی اور جیسے پوسٹ کول کی بھی یا نہیں۔ اگر  
میں یہ خط تمہیں پہنچاؤ تو بعد میں کئی فون کول کی۔  
پہلے خط اس لیے لکھ رہی ہوں کہ فون پر لاؤں میں  
سے کئی بھی بات میری زبان سے ادا نہ ہو سکے گی۔ میں  
کچھ اور بھی لکھنا چاہتی ہوں لیکن کیا؟ مجھے سمجھ نہیں  
آتا۔

ان چند سطروں کے بعد ہائی ورق خالی تھا۔ ایک  
کونے میں لکھی ہوئی آٹھ دس سال پہلے کی تھی۔ عمر

بڑے ہوئے شرم آئی ہے تم میری اس روانداری کو  
بڑا شکر کرنے کی کوشش کر رہے ہو تو اس رات میں  
اپنے ہاتھوں سے اسے باپ کا گلا گھونٹ کر رکھی تھی پھر  
مجھے تھوڑی سی خاطر میں کچھ عرصہ بعد اپنے حلقے میں  
کئی تھی اور میں منہ چھپا کر گئی تھی۔

سے لکھا کہ وہ بارہ تہہ لگائی اور کچھ سوچ کر لفظ نے  
صحت اس خط کو پڑھ کر زور کی جیب میں ڈال لیا۔  
پھر وہ اس کالج کے ڈیپ کی طرف متوجہ ہوا اس کا  
ڈھکن کھولنے پر ایک ماٹوں پر ناک سے ٹکرائی۔ ایسی  
بو جھسی مزاول پر یا قبرستانوں میں کیا کرتی ہے پاسی  
پھولوں کی بو جس میں مرنے والوں کی موت کا غم اور  
یا سیت رہتی ہوتی ہے۔ ایک بھولا ہوا زور لفظ جس کی  
لسبلی ڈیپ کی یا شکر بھر طوالت سے زبان تھی تو وہ  
موز کر اندر صبر کیا تھا۔ عمر نے وہ لپٹہ کھینچے ہوئے  
ڈیپ سے جدا کیا تو اسے زور لفظ نے کے نیچے ایک  
رنگین پارے میں لکھی کچھ پتال اور تھوڑے کھلی لپٹے جو  
چھوٹے پر راکھ کی طرح پھرنے تھے۔ یہ قید ”ان ہی کی  
موجودگی سے نہ ڈیپ کو اس پاس سے ممنوع کر رکھا تھا۔

اس نے زور لفظ کے اندر بھرے ہوئے کاغذات  
باہر نکال لیے۔ کچھ لحوں کے لیے اسے اختیار ہی نہ کیا  
کہ وہ کیا دیکھ رہا تھا۔ وہ پٹلیں جھپکے ہوا تھا۔ اسے  
کی بات کی یاد آ رہی تھی۔ اس نے زور لفظ  
اس جگہ سے الٹ دیا تاکہ باہر سے اسے نہ لگے۔ اس نے لپٹے  
کی تھوڑا بہت اسے چھو نکال کر ڈیپ میں ڈال لیا۔ اس  
میں لڑتی تھی اور ان کے ہاتھ لگانے کی کواڑے  
غز کو ڈیرا لیا تھا۔ جسم کو لگنے والے خفیف جھکے کو وہ  
روک نہیں پاتا تھا۔ دیواروں پر سرسری تم لاد ہوا  
کے ساتھ اسے اپنے سانس لینے کی اونچی کواڑ سنائی  
دیتی تھی۔

اس نے وہ پور تو کر لکھ رہا۔ وہ ایس لفظ میں  
۱۱۱ اور لفظ کو شے کی مستندہ میں بند کرنے کے  
بعد نرنک میں اس کی سبقت چکے پر رکھ دیا۔ اس کی  
پٹلیوں کو جیسے کسی کیل رتی سے کس کر لیا گیا  
تھا۔ ہر سانس کے ساتھ وہ کسی شہلا تھی تھی۔ مزید  
کھڑے رہنا ناممکن ہو گیا تھا۔ وہ سوچنے پہنے کی طرح  
کا پتلا ہوا قرش پر بیٹھ گیا۔

کیا یہ ہی وہ قیامت تھی جس کا اللہ نے وعدہ کیا تھا۔  
پر کسی کی اپنی اپنی قیامت ہوتی ہے۔ جب گھاس کے  
تھکے پر ہارن کی ایک بو بند کرتی ہے تو تھکے پر بیٹھی ہوتی

بیچو تھی یہ ہیں سمجھتی ہو گی کہ کائنات بنا ہونے لگی ہے۔  
 وہ ایک بدتر اس بیچو تھی کی تیا مست ہوتی ہے۔  
 ہفتوں سے پیچھے رہا میں جتنے والی ہوا اسے  
 ناگہانی لگ رہی تھی۔ وہ نہ کھول کر لے ہے سہا س  
 بھرنے لگا۔

”تو نے مجھے میرا ہی کیوں کیا۔ جب میرے ہونے  
 سے اس دنیا میں کسی کو کوئی فرق نہیں پڑتا تو میرے نہ  
 ہونے سے کیا فرق پڑا جاتا۔ جب میری ماں۔“  
 اس صورت کے لیے وہ لفظ استعمال کرتے ہوئے  
 عمر کے دل میں ایسی کراہت پیدا ہوئی کہ وہ خود بھی اس  
 کی شدت پر حیران رہ گیا۔

”جب وہ میری پیدائش سے پہلے مجھے مارا اور تاجا تھی  
 تھی تو تو نے بے نی کے دل میں یہ بات کیوں نہ ڈالی کہ  
 وہ اس کی مرضی مان جاتی۔ تو نے میرے لیے اتنی  
 تکیف بھری زندگی کیوں مقب کی؟ اس نے کیا خطا کی  
 جس پر تو اتنا ناراض ہے۔ میں نے تیری رضا کے لیے  
 تیری خوشی کی خاطر وہ سب کیا جو میرے دل میں تھا  
 جی رہا تھی سے بچنے کی سعی کرتا اور وہ تو کراہتا  
 پھر میری کس غلطی پر تو روٹ گیا ہے؟ تو نے میرے  
 لیے ایسی دولت لاکھوں چھوڑنے اس عورت کو میری  
 ماں کا روجہ دیا جو اپنے منہ زور نفس کے ہاتھوں پاگل  
 ہو رہی ہے اور اپنے پاگل پن میں مجھے اپنی چوٹ پہنچا  
 رہی ہے جو میری برداشت سے باہر ہے تو مجھے یہ سہم پیدا  
 کر دینا تو دنیا میں بے عزت نہ کرنا۔ تو نے مجھے کو تو سے  
 کا ڈھیر بنا دیا جس پر غلاحت پھینکنا سب کا حق ہوتا  
 ہے۔“

”سناں لینے میں وقت کے باعث اس کے تلو اور  
 زبان میں اترن پیدا ہوئی تھی۔“  
 ”تیری رضا کیا ہے؟ تیری چاہت مجھے سمجھ میں  
 کیوں نہیں آتی۔ تو مجھ سے کیا چاہتا ہے؟ میرے لہذا  
 یہ جو اس چین لینے والا درد ہے۔ مجھے بول کتنا ہے  
 جیسے کسی دستے ہونے زخم میں کینرے پڑ گئے ہوں۔  
 اس کو سہ جانے کی ہمت میں کہاں سے لاقوں؟ مجھ پر  
 رحم کر میں اس درد سے عاجز ہوں مجھے نجات

دے۔“

اس کی آنکھوں سے آنسو ایک ٹواڑ سے نہ  
 لگے اس نے بازو لپکا کر کے پھینکی کے کنارے سے لگیا  
 ہوئی اپنی چادر کھینٹ کر خود کو اس سے ڈھانپ لیا اور  
 دہن فرش پر بیٹھے ہوئے آنکھیں بند کر کے گھنٹوں تک  
 سر کر لیا۔

کسی کے قدموں کی چاپ سے اس کی آنکھ کھلی  
 تھی۔ شاید آپاؤ لپس آئی تھی۔ اس نے چہرے پر سے  
 چادر ہٹا کر دروازے کی سمت دیکھا۔ دل کی روشنی درد  
 و غم اور قابض ہو چکی تھی۔ اتنا وقت اس نے غم  
 بے ہوشی کی حالت میں گزارا تھا۔ آنے والی سسڑ سوزین  
 تھی اور دروازے کے چچ کھڑی آنکھوں میں جمالی  
 سوئے اسے دیکھ رہی تھی۔

”عمر آج کب سے یہاں ہو گیا؟ کیا وہ تمہاری طبیعت  
 تو ٹھیک ہے تم یہاں ایسے کیوں بیٹھے ہو؟“  
 وہ خاموش رہا اور فرش پر جھپٹیں جھلنے ہوئے  
 اٹھ کر اپنے کپڑوں اور چادر پر لگی گرد جھاڑنے لگا۔ اس  
 کا جسم اب بھی دیر سے دیر سے لڑ رہا تھا اور ساری  
 سسڑ سوزین نے بھی یہ بات محسوس کر لی تھی۔  
 تیزی سے آگے آئے ہوئے تشویش بھرا لہجہ میں  
 بولی۔

”تمہاری آنٹی کہاں ہیں؟ میں ان سے ملنے آئی  
 تھی۔ دروازہ کھلا تھا اور دستک کا کوئی جواب بھی نہیں  
 ملا تھا۔ اس لیے میں پریشان ہو کر خود ہی اندر آئی۔  
 سارا گھر خالی اور سب دروازے چوڑے کر دیے اور  
 چکرانے لگا تھا۔ اب اس ہو کر میں لوٹنے ہی والی تھی کہ  
 مجھے میڑھیوں کے اوپر اسٹور کا دروازہ کھلا ہوا نظر  
 آیا۔ تم نے دروازہ کیوں کھلا چھوڑا بیٹا یہ خطرناک  
 ہو سکتا ہے۔“

”میرے پاس ایسا کیا ہے جس کے کھولنے کا زور  
 ہو۔“  
 اس کی تلخ برہمہٹ پر سسڑ سوزین نے چونک کر  
 اسے دیکھا تھا۔  
 ”تمہاری طبیعت مجھے ٹھیک نہیں لگتی۔ کیا انرا

ہوا چھو ہے۔ تو تو جب اگر اس نے عمر کی پہلی ہی تصویر  
 اور پریشان ہوئی۔ مگر تیرے چہرے سے نہیں لگتا جسم جل  
 رہا ہے۔ تم کیوں اس طرح فرش پر بیٹھے تھے۔ پکارنا تو  
 سہی۔“

”کوئی جانتے کے لائق بات نہیں ہے۔“  
 ”کیا مطلب؟“ سسڑ سوزین اسے سارا دیکھے  
 ہوئے میڑھیوں کی بات بے لے جانے لگی۔  
 ”میں رات کو مجھے ٹھنڈ لگی تو میں گرم بستر  
 زحونہ نے کی خاطر اسٹور میں آیا اور میں مجھے چکر آیا  
 یا شاید توں پھسل گیا تھا“ ٹھیک سے یاد نہیں۔“  
 ”اور تمہاری آنٹی کہاں ہیں؟“

عمر نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ اپنے کمرے میں  
 بیچ کر وہ چار پالی برست گیا اور بازو آنکھوں پر رکھ لیا۔  
 ”جانتے ہوئے یہ درداوند کر کے جائیے گا۔ مجھے  
 دل شنی اچھی نہیں لگ رہی۔“

”اگر تم خود بھی کر کیٹنگ تک نہیں جاسکتے تو میں  
 یا اگر تم یہاں بلائی ہوں۔ اور تم نے میں کیا اور کسے جو  
 شی کی پھار رہا؟“ مجھے تیرا وہ نہیں بتاؤ لیگی۔  
 ”مجھے اس میں کھٹاں اور کوئی ہل دی۔  
 مجھے ڈاکٹر کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تمہارا سہرا کچھ  
 نہیں بگاڑ سکتا۔ آپ جلی جائیں میں ٹھیک ہوں۔“  
 اور وہ سچ کہہ رہا تھا وہ بخار نہیں تھا جو اسے  
 تکیف پہنچا رہا تھا۔

اس کے لاکھ انکار کرنے پر بھی سسڑ سوزین ڈاکٹر کو  
 بلائی تھی اور اس کے لیے ہسپتال تیار کرنے کے بعد بھی  
 اس کے جملے جانے کے بعد عمر ہسپتال سے اٹھا  
 اور چار پالی سے ٹانگیں لٹکا کر بیٹھے گیا۔ کچھ دیر وہ خالی  
 فوجی کی کیفیت میں بیٹھا تھا میں گھور رہا اور پھر وہ  
 سب باتیں اسے پوری شدت سے یاد آنے لگیں  
 وہ سون سون سا حیرت تھا جسے چھوٹ کر ان سب باتوں کو  
 دلچسپ سا تھکا کاش سنگسار ہونے والے کو معلوم ہوتا  
 کہ اس کو روکنے سے پھر مارنے والے ہاتھ ترک  
 کھانے کے پھر سنگسار ہونے والے کی زبان میں بیٹے

کی طاقت ہی کہاں ہوتی ہے۔  
 کچھ جذبے اس کے دل میں سجدہ لگا کر دو آئے  
 تھے اور سجدہ لگا کر آنے والے کی نیت کبھی اچھی  
 نہیں ہوتی۔ وہ دیکھتے ہوئے عمر کے ساتھ بیٹھا سوچتا رہا  
 پھر اٹھ کر کھڑی کچھ تلاش کرنے لگا۔

ہاں میری خانے سے اسے ایک استعمال شدہ پلاسٹک  
 کا ٹیکٹا مل گیا تھا۔ وہ تھکے ہوئے قدموں سے چل کر  
 بازار گیا اور ٹیکٹا میں بیٹھول بھردا کروا لیں آیا۔ اب  
 اسے کپا کے لوٹنے کا انتظار تھا۔

(باقی آئندہ)

**دل کے موسم**

250 =

مریم عزیز

---

**ٹنگے پاؤں**

250 =

نگرت سبیا

مکتبہ اے قاریہ

مکتبہ عمران ڈائمنسٹ 37، 14 مارچ 2017

# دلکشا

” فرحت جب مجھے عمر کی پہلی شادی کا معلوم ہوا اور بتا چلا اس کی پہلی پوی سے ایک بیٹی بھی ہے۔ تو میں حیران رہی تھی۔ کہ تم اپنی زندگی کا ایسا فیصلہ کرتی ہو۔ کیونکہ ایک بیٹی کی ماں تم بھی نہیں۔ مگر تم نے سمجھ داری ہے فیصلہ کیا۔ سن ماں کی بیٹی کو اپنی بیٹی مان لیا۔ اور اپنی بیٹی کی زندگی میں بھی باپ کی جی نہ ہونے دی۔“

## کافور لہجہ



فرحت کی دوست مومنہ نے سنجیدگی سے کہا تھا۔ مومنہ کی ازدواجی زندگی ناخوشگوار رہی تھی۔ وہ راجہ کی دو سہری بیوی تھی۔ اس کے شوہر کے ہاں اپنی پہلی بیٹی جنم سے اولاد نہ ہوئی۔ تو راجہ کے والدین نے بیٹی کی خواہش میں راجہ کی دو سہری شادی کر دی تھی۔ مومنہ کو یہ بات ہی ناگوار نہیں ہو رہی تھی لیکن قدرت کے کام نزلے ہوتے ہیں کہ راجہ کو راجہ کے گوتراں رہا تھا۔ اب اسے یہ خوشی اپنی دونوں بیویوں سے ملی۔ مومنہ حصلہ سے باہل ہوئی اور اس نے غلطی نہ کر کے معاملہ کو دیا۔ راجہ کا اور بڑا سدا تھا۔ اس نے مومنہ سے وعدہ کیا کہ وہ جلد اس کی خواہش پوری کرے گا۔ مومنہ نے ایک نہ سنی۔ اور اس سے غلطی کر کے ایک اور راجہ سے بیٹے آیا تو اس نے صاف انکار کر دیا۔ ایک دو بار کے بعد راجہ نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔ مومنہ وقت گزرنے کے ساتھ مومنہ کو احساس ہوا کہ وہ کتنی بڑی غلطی کر چکی تھی۔ اس نے صاف کہا کہ اس کی بیٹی کی بیٹی جب اس سے اپنے باپ کے بارے میں پوچھتی تو اس سے جواب نہ دینا۔ مومنہ کھلی ہاری آفس سے گھر پہنچی تو وہ رو رہی تھی۔

”مجھے پاپا کے پاس جانا ہے۔ وہ مومنہ کو دیکھنے ہی بولی۔“

”مجھے یہاں نہیں رہنا۔“ وہ مزید بولی۔

”کیا ہوا؟ ایسا کیوں کہہ رہی ہو؟“ مومنہ کے لیے مریم کا یہ دعو عمل بنا تھا۔

”کیا باپ کہہ رہی تھی۔ کہ یہ گھر اس کا ہے۔ اس نے روئے ہوئے کہا تو اس نے

مریم کو سولہ کی کوٹھالی کی۔ مگر اس نے ایک ہی  
خند پکڑی تھی۔ مجبوراً وہ مریم کو فرحت کے گھر لے  
آئی تھی کہ سونیا سہارے کے ساتھ کھیلنے کی توہل بہل  
چائے گا۔

فرحت کے فیصلہ کو وہ لگا بکھی تھی مگر آنے سے  
احساس ہو رہا تھا کہ فرحت نے صحیح فیصلہ کیا تھا، غلطی  
پر وہ خود تھی۔

”میرے لیے سہارے اور سونیا ہی میری کل ناکات  
ہیں۔ بس کبھی کبھی سہارے پر زیادہ توجہ دلو تو سونیا پتہ  
جالے۔“ فرحت نے آدھ بھر کر کہا تھا۔

ابھی فرحت نے بات ختم کر کے تھرموس سے  
چائے کپ میں انڈلی پی تھی کہ سہارے اور سونیا کی  
لڑائی کی آوازیں ڈراٹنگ روم سے پاہر گئے تھیں۔

”اوہ۔۔۔ یہ لڑکیاں بھی ہیں۔ لیکن نہیں لینے  
دیتیں۔“ فرحت نے مسکرا کر اٹھے ہوئے کہا تھا۔  
”موند خن کر رہی۔“ جیہ جلدی جاو کسی کسی کو  
چوٹ نہ لگ جائے۔“ موند بھی چائے کا کپ پکڑتے  
ہوئے مسکرائی تھی۔

”مما۔۔۔ زارہ اس ہو گئی تھی۔ چوہو ماما کو سوری کر  
کے آئے ہیں۔“ سہارے نے پیار سے سونیا سے کہا تھا۔  
سونیا بے زاری سے بولی۔ ”تم چاہو۔ تمہاری ماما  
ہیں میری تھوڑی ہیں۔“

”مما نے تمہیں اس لیے مارا ہے کہ تم چھپ کر  
ان کی باتیں سن رہی تھیں۔ وہ صرف میری ماما ہیں  
تمہاری بھی ماما ہیں۔“ وہ سونیا کو کھاتے ہوئے بولی  
تھی۔

”اگر میں باتیں سن رہی تھی تو تم سے کس نے کہا  
تھا کہ ماما سے میری شکایت لگاؤ۔“ وہ آنکھیں دکھا  
کر پوچھنے لگی۔

”یہ تم نے پہلے کو الگ کہاں کر دیا۔“ سہارے نے  
حیرت سے بیڈ کو الگ دیکھا۔ اکثر سونیا اس کے بیڈ  
کے ساتھ بیڈ جوڑ دیا کرتی تھی۔

”سونیا! مجھے مخالف کر دو۔“ اس نے سولہ سے  
لاہجی کرنے کے لیے اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔  
سونیا نے غصے سے اس کو ہاتھ دے مارا۔  
فرحت جو سونیا کا گھانا گھر کے میں لے کر آ رہی تھی۔  
اس نے یہ منظر دیکھ لیا تھا۔ سہارے چھوٹ پھوٹ کر  
روئے گئی۔

فرحت نے نپھل پر کھانا پچھا۔  
”کیوں مارا ہے، بن کو؟“ وہ غصے سے پوچھنے لگی۔  
سونیا نے فرحت کو غرت بھری نظروں سے دیکھا۔  
فرحت نے لہجے میں کہا۔ ”ابھی وہ سونیا کی اس زد عمل  
کچھ کہنے ہی دانی تھی۔ کہ عمر کی کار کا بارن سیکھے گا  
۔ سونیا روئے روئے گھر سے باہر نکل گئی۔ اور  
فرحت سہارے کو چپ کرانے لگی۔ مگر اس کو سونیا کی  
غرت بھری نگاہوں میں عجیب سا احساس ہوا تھا۔  
اس کی وجہ سے وہ سو نہیں رہی تھی۔ عمر لپ لپ  
پر اپنے اٹس کی ناکوں کو دیکھ رہا تھا۔ حیرت سے  
بولی۔

”اکیس بات ہے۔ کوئی پریشانی ہے؟“ اس نے  
ناپ کو ہڈ کر کے پوچھا۔  
فرحت نے شکل بھرا جاپا اور سہارے سے بولی۔  
”سونیا کا وہ عجیب تر ہونا چاہا ہے۔ کن تو اس  
نے جس طرح غصے سے وہ کھاتا۔ میں خود رانی  
تھی۔“

”اوہ ہونا سمجھو ہے اسے اتنا سچھا مت کہ ایسے  
تھیں اس پر ہاتھ نہیں اٹھانا ہے۔ تھا وہ ہنسی دور ہی  
ہے۔“ عمر نے فرحت کا ہاتھ تھام کر رمان سے کہا۔  
”بڑی اور دنی ہے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ کچھ  
آنکھیں دکھائے گی۔ اور آپ نے بھی اس کو اپنے  
کے بجائے اس کی سائیڈ لی۔ یہ آپ نے اچھا نہیں  
کیا۔“

”اچھا اب سو جاؤ۔“ جیہ جلدی اٹھا ہے۔ پھر فرحت  
سو گیا اور وہ ہماری رات بے چین رہی۔

”سہارے کہہ رہے۔“ سونیا کو اپنے گھر میں  
لے کر فرحت سے پوچھا۔  
”سہارے نے؟“ سہارے ہنسی میں جھوٹی  
”جیہ جلدی اٹھا ہے۔“ سہارے نے پوچھا۔  
”سہارے نے؟“ سہارے نے پوچھا۔

”سہارے! سونیا تمہاری بہن نہیں ہے کیا؟“ مریم  
نے حیرت سے پوچھا۔  
”سہارے نے؟“ سہارے ہنسی میں جھوٹی  
”جیہ جلدی اٹھا ہے۔“ سہارے نے پوچھا۔  
”سہارے نے؟“ سہارے نے پوچھا۔

”سہارے! سونیا تمہاری بہن نہیں ہے کیا؟“ مریم  
نے حیرت سے پوچھا۔  
”سہارے نے؟“ سہارے ہنسی میں جھوٹی  
”جیہ جلدی اٹھا ہے۔“ سہارے نے پوچھا۔  
”سہارے نے؟“ سہارے نے پوچھا۔

”سہارے! سونیا تمہاری بہن نہیں ہے کیا؟“ مریم  
نے حیرت سے پوچھا۔  
”سہارے نے؟“ سہارے ہنسی میں جھوٹی  
”جیہ جلدی اٹھا ہے۔“ سہارے نے پوچھا۔  
”سہارے نے؟“ سہارے نے پوچھا۔

”سہارے! سونیا تمہاری بہن نہیں ہے کیا؟“ مریم  
نے حیرت سے پوچھا۔  
”سہارے نے؟“ سہارے ہنسی میں جھوٹی  
”جیہ جلدی اٹھا ہے۔“ سہارے نے پوچھا۔  
”سہارے نے؟“ سہارے نے پوچھا۔

”سہارے! سونیا تمہاری بہن نہیں ہے کیا؟“ مریم  
نے حیرت سے پوچھا۔  
”سہارے نے؟“ سہارے ہنسی میں جھوٹی  
”جیہ جلدی اٹھا ہے۔“ سہارے نے پوچھا۔  
”سہارے نے؟“ سہارے نے پوچھا۔

داخل ہوتے دیکھا تو فرحت نے گہرا زور پچھا۔  
”مجھے نہیں ہنسنا۔“ وہ منہ سورا کر بولی۔  
”کیا مطلب۔۔۔“ سہارے کے ساتھ اسکول سے  
لگی نہیں تھی؟“  
”مجھے نہیں ہنسنا۔“ اس نے پھر بے زاری سے کہا۔  
”سونیا! تمہیں کیا ہو گیا ہے؟“ فرحت نے اس  
کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر بے بسی سے سنا تھا۔  
وہ پری طرح پریشان ہو گئی تھی کہ آخر اس سے  
ایسی کیا غلطی سرزد ہو گئی ہے۔ جس سے سونیا کا وہ  
یکدم ایسا ہو گیا۔

”مما۔۔۔ ماما۔۔۔“ سہارے نے لڑائی ہوئی اندر داخل  
ہوئی اور سونیا کے گلے لگ گئی۔  
”سونیا تم کو ضرور کئی شمس۔ میں نے اسکول کا  
ایک کونہ نہیں چھوڑا۔ تمہیں وہ سوتے دھوتے تھے۔“  
اس نے اپنے ہاتھوں سے کہا تھا۔  
”شمس کئی نہیں ہوں۔ اکیس آگے ہی ہوں۔“ وہ مت  
سور کر بولی۔

”کیا مطلب ہے تمہارا؟“ فرحت نے حیرت سے  
پوچھا۔  
”میں اپنا خیال خود رکھ سکتی ہوں۔“ وہ اور ہی آواز  
سور بولی۔  
”آواز پتہ رکھو۔“ فرحت نے ڈینا تو سونیا اپنے  
گھر کے میں جا گئی۔  
”ماما! سونیا ہر وقت خفا کیوں رہتی ہے؟“ سہارے  
نے پر غم سے سہارے سے پوچھا۔ فرحت کا ذہن الجھا ہوا  
تھا۔ سونیا کا ہر نام وہی اسے کئی پریشان کر رہا تھا۔

”سہارے! سونیا تمہاری بہن نہیں ہے کیا؟“ مریم  
نے حیرت سے پوچھا۔  
”سہارے نے؟“ سہارے ہنسی میں جھوٹی  
”جیہ جلدی اٹھا ہے۔“ سہارے نے پوچھا۔  
”سہارے نے؟“ سہارے نے پوچھا۔

”سہارے! سونیا تمہاری بہن نہیں ہے کیا؟“ مریم  
نے حیرت سے پوچھا۔  
”سہارے نے؟“ سہارے ہنسی میں جھوٹی  
”جیہ جلدی اٹھا ہے۔“ سہارے نے پوچھا۔  
”سہارے نے؟“ سہارے نے پوچھا۔

”سہارے! سونیا تمہاری بہن نہیں ہے کیا؟“ مریم  
نے حیرت سے پوچھا۔  
”سہارے نے؟“ سہارے ہنسی میں جھوٹی  
”جیہ جلدی اٹھا ہے۔“ سہارے نے پوچھا۔  
”سہارے نے؟“ سہارے نے پوچھا۔

”سہارے! سونیا تمہاری بہن نہیں ہے کیا؟“ مریم  
نے حیرت سے پوچھا۔  
”سہارے نے؟“ سہارے ہنسی میں جھوٹی  
”جیہ جلدی اٹھا ہے۔“ سہارے نے پوچھا۔  
”سہارے نے؟“ سہارے نے پوچھا۔

”سہارے! سونیا تمہاری بہن نہیں ہے کیا؟“ مریم  
نے حیرت سے پوچھا۔  
”سہارے نے؟“ سہارے ہنسی میں جھوٹی  
”جیہ جلدی اٹھا ہے۔“ سہارے نے پوچھا۔  
”سہارے نے؟“ سہارے نے پوچھا۔

”سہارے! سونیا تمہاری بہن نہیں ہے کیا؟“ مریم  
نے حیرت سے پوچھا۔  
”سہارے نے؟“ سہارے ہنسی میں جھوٹی  
”جیہ جلدی اٹھا ہے۔“ سہارے نے پوچھا۔  
”سہارے نے؟“ سہارے نے پوچھا۔

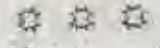
”سہارے! سونیا تمہاری بہن نہیں ہے کیا؟“ مریم  
نے حیرت سے پوچھا۔  
”سہارے نے؟“ سہارے ہنسی میں جھوٹی  
”جیہ جلدی اٹھا ہے۔“ سہارے نے پوچھا۔  
”سہارے نے؟“ سہارے نے پوچھا۔

”سہارے! سونیا تمہاری بہن نہیں ہے کیا؟“ مریم  
نے حیرت سے پوچھا۔  
”سہارے نے؟“ سہارے ہنسی میں جھوٹی  
”جیہ جلدی اٹھا ہے۔“ سہارے نے پوچھا۔  
”سہارے نے؟“ سہارے نے پوچھا۔

تعمیر کے پاس ہے کمال سے آگے آگیا ایک  
 سامیہ کو یاد آیا تھا۔  
 "تمہاری سے نکالے تھے" سوئیا اکر کر لیا۔  
 "ہم کو پتہ ہے؟" سامیہ نے حیرت سے پوچھا۔  
 "ہمیں۔" وہ غصے سے بولی۔  
 "تم نے چوری کی ہے؟" سامیہ حیرانی سے پوچھنے  
 لگی۔

"میں نے چوری نہیں کی۔ یہ میرے ہاتھ کے پیسے  
 ہیں۔ اس لیے میں نے تمہاری سے نکالے ہیں۔" اس  
 نے فخریہ انداز سے کہا تھا۔  
 "سوئیا۔! یہ تمہارے پیسے تھے۔ اور یہ پیسے  
 انہوں نے منی لینے کے لیے رکھے تھے۔"  
 "بابا! اس میں مارا دن چاہ کر رہے ہیں۔ پھر  
 پیسے ان کے لیے ہوتے؟" وہ مترا سو کر بولی۔  
 "سوئیا! میں تمہیں یہ پیسے خرچ کرنے نہیں دوں  
 گی۔" سامیہ نے اس سے پیسے چھیننے کے لیے اپنا  
 ہاتھ بڑھایا۔

تو سوئیا نے بھانسا شروع کر دیا۔ سامیہ بھی اس  
 کے پیچھے پیچھے بھاگنے لگی پھر سوئیا نے ایک گھٹی میں جا  
 بیٹھی اور سامیہ اسے دھڑکتے ہوئے گلے لگی۔  
 "گب منہ آئے گا۔" وہ مسکراتے ہوئے گھر کی  
 طرف چل پڑی۔ راستے میں اس کو مریم نے جاتے  
 دیکھ لیا تھا۔ وہ حیران تھی کہ سوئیا اس روز پیر آجی گمان  
 سے واپس آ رہی ہے۔ پھر اس نے ذہن پر زیادہ زور  
 نہ دیا۔ کیونکہ اس کی کام والی ماسی زینت کو گھر جانے  
 کی جلدی تھی اور وہ مریم کو تیز قدم بڑھانے کو کہہ رہی  
 تھی۔



"عمر! سامیہ۔ سامیہ کھو گئی ہے۔" فرحت  
 نے روتے روتے عمر کو آٹس فون کیا۔ جب سوئیا نے  
 گھر آکر اطلاع دی کہ سامیہ اسکول میں اسے کہیں بھی  
 نہیں ملی تو یہ سن کر فرحت کے چہرے تلے سے ڈھن  
 نکل گئی تھی۔

"کیا۔۔۔؟" عمر گھبرا گیا پھر اس نے فرحت کو رکتی  
 دیکھا۔ اور جلدی گھر چلے گا کہہ کر فون بند کر دیا۔  
 فرحت رو رہی تھی اور سوئیا خوش تھی۔ فرحت  
 نے سوئیا کے چہرے پر عجیب سا مسکون دیکھا تو اسے  
 شک ہوا۔ سامیہ کدھر ہے؟ "اس نے سختی سے  
 پوچھا۔  
 وہ اکر کر بولی۔  
 "مجھے نہیں پتا۔"

"سوئیا! تمہاری بہن ایک کھٹے سے لاپتہ ہے۔  
 اور تمہیں احساس تک نہیں۔" اس نے جب آئی وہی  
 سن کر تو فرحت نے اسے جھجھوڑ کر کہا۔  
 "اوتوہ۔ مجھے تو چھوڑو۔" وہ غصے سے بولی۔  
 "بابا۔ بابا! ایک تو تمہارے مار رہی ہیں۔ مجھے  
 نہیں پتا کہ سامیہ کدھر ہے۔" وہ عمر کو گھر میں  
 داخل ہوتے دیکھ کر اس سے پلٹ گئی۔  
 "تم انہوں سے ہو کر آئی ہو؟" عمر نے گھر میں  
 سے پوچھا۔

"ہاں۔ اسکول سے چیک کر آئی ہوں۔" عمر  
 اگر بلا ہے نہ لی تو تمہیں مرگ جاتی۔" وہ ڈرپہ کو  
 بولی۔  
 "میں پولیس کو فون کرنا ہوں۔" عمر پریشان سے عام  
 میں پولیس اسٹیشن میر طرانے لگا۔ تب ہی سامیہ کی  
 آواز گئی۔  
 "سامیہ۔ میری بیٹی! فرحت اس پر چینی  
 اور بے ساختہ اسے جو سننے لگا نکلی۔  
 عمر فون دکھ کر پڑا۔  
 "سامیہ ہمارے گھر کی سائڈ پر آ بیٹھی تھی۔ اگر  
 ہم نہ گزر رہے ہوتے تو شاید یہی کہو جاتی۔" فرحت  
 نے اپنی گلانی اندیش میں بتایا تھا۔  
 "سامیہ! تمہیں والدین کی تمہیں؟" اس نے غصے  
 سے پوچھا۔  
 "نہ۔۔۔ سامیہ اس قدر ڈر رہی تھی کہ اس کے  
 منہ سے کچھ نہ نکلا۔ البتہ عمر نے سختی سے کہا۔  
 "کیا کر رہی ہو بیٹی؟" وہ گھبراہٹ سے پوچھا۔

www.Paksociety.com

ڈری ہوئی ہے۔" عمر نے سامیہ کو دلا سا دے کر گلے  
 سے لگا لیا۔ جس پر سوئیا آنکھوں سے غصہ جھلکتے  
 لگا اور وہ اپنے کمرے میں جا گئی۔ فرحت نے اس کا  
 چہرہ غور سے دیکھا تھا۔  
 سوئیا خاموشی سے باہر نکل گئی۔ جس پر فرحت بہکا  
 بکا رہ گئی۔



"تھینک یو۔ تم نے مجھے پتہ لگا دیا۔" وہ  
 مسکرا کر بولی۔  
 "سوئیا۔ کون کیڑیل۔ تم ہمارا کیڑیل بول رہی  
 ہو یا کیا؟" سوئیا نے اس کی طرف سے اس کی  
 طرف سے کہا۔  
 "کیڑیل کو کیڑیل نہ بولو اور کیا بولو۔" اس نے  
 قسم لگائی۔  
 "سوئیا۔ ہمارا کیڑیل مت بولو۔ ورنہ میرا ہاتھ  
 اٹھ جائے گا۔" سامیہ غصے سے ہاتھ اٹھا کر کہا تھا۔  
 "مارو مجھے تم جتنا مرضی چھوڑو۔" سامیہ نے اس کی  
 طرف سے کہا۔  
 "سوئیا۔ ہمارا کیڑیل مت بولو۔ ورنہ میرا ہاتھ  
 اٹھ جائے گا۔" سامیہ غصے سے ہاتھ اٹھا کر کہا تھا۔  
 "مارو مجھے تم جتنا مرضی چھوڑو۔" سامیہ نے اس کی  
 طرف سے کہا۔  
 "سوئیا۔ ہمارا کیڑیل مت بولو۔ ورنہ میرا ہاتھ  
 اٹھ جائے گا۔" سامیہ غصے سے ہاتھ اٹھا کر کہا تھا۔  
 "مارو مجھے تم جتنا مرضی چھوڑو۔" سامیہ نے اس کی  
 طرف سے کہا۔

"فرحت! اس کو بڑھتے ہو تو تمہیں میری طرف سے  
 رکتی ہو۔" کسی تو اس کی چہرہ پر مسکراہٹ  
 لگا تھا۔  
 "لا! سامیہ! آپ بچھو ل کو بگاڑ رہی تھے۔" فرحت  
 نے غصے سے جواب دیا۔  
 "بابا۔ اچھے کے شوخ بھی خریدیں۔" سوئیا نے  
 پھو سوئیا فرمائش کر دی۔  
 "سوئیا! خاموشی سے بھانسا کھاؤ۔ سامیہ کے شوخ تم  
 سے زیادہ پرانے ہیں اس وجہ سے شوخ خریدے  
 گی۔" فرحت نے غصے سے کہا تھا۔  
 "سامیہ کو تم نے شوخ کیا کیوں نہیں لے کر دیا؟"  
 فرحت نے حیرت سے پوچھا۔  
 "وہ۔ سامیہ نے شوخ کی جگہ بستہ خرید لیا تھا۔"  
 اس نے وضاحت کی۔ عمر کی سوالیہ نظروں سے وہ خود  
 کو گن گار محسوس کرنے لگی۔

www.Paksociety.com

خاموشی سے فرحت کا دل افسردہ ہو گیا تھا۔ وہ عمر کی کم آمدنی میں جس طرح گھر چلا رہی تھی سہ ہی جانتی تھی اور عمر جس نے کالی عمر سے کے بعد آج رات آکھانا کھانے پر کھلایا تھا۔ اس کے ذہن میں ایک بات گھوم رہی تھی کہ کیا فرحت دونوں بچیوں میں فرق کر رہی ہے؟ مگر پھر اس کی محسوس کی اس کو مزید سوچنے نہ دیا۔ اور وہ سو گیا۔

فرحت برتن دھو کر کمرے میں آئی؟ تو عمر سو جا چکا تھا۔ سو گیا کے دبیے سے وہ کلتی آپ سیٹھی ہی ہو گئی تھی۔ بستر پر کلتی اور لیٹنے کے بعد جب اس کو خیال ہوا تو ذرا تنگ دم میں آکر مہنت کو فون کرنے لگی۔

\* \* \*

"آپ اتنی جلدی آگئے۔" وہ تپل بچنے پر دوران کھولنے آئی تھی تو سامنے کھڑے عمر سے حیرت سے ہوئی۔

"کیوں۔ میں جلدی نہیں آسکتا۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اے۔۔۔ یہ گھر آپ کا ہے۔ ہم جلا کھن ہوتے ہیں آپ سے پوچھنا۔" وہ مسکراتی رہی۔

"چاری لگ رہی ہو۔" عمر نے ایک کمری نظر فرحت پر ڈال کر کہا تھا۔

"ایک بیٹی ہونے کے بعد آج آپ کو میری خوب صورتی کا احساس ہو رہا ہے۔" وہ ہنس کر بولی۔

عمر کے چہرے پر چھائی خوشی افسردگی میں تبدیل ہو گئی۔ فرحت کو بھی احساس ہوا کہ اسے ایک بیٹی نہیں کمانا ہے تھا۔

گھٹے کی تھکن پر عمر نے غصے سے پوچھا۔

"آج ساری نے پینن بریلی کی فرمائش کی تھی۔ پھر یہ حلیم کیوں تیار کی؟" ساری کاٹ لگا ہوا تھا جبکہ سو گیا خوش ہو کر کہہ رہی تھی۔ آج پھر اس کی پسند کی حلیم بنائی تھی ہے۔

"ہی۔! وہ سو گیا کا موڈ آف تھا۔ اس لیے۔۔۔ میں نے سوچا۔" فرحت نے گھبراہٹ سے جواب دیا۔ جو عمر

کے اس رویے پر غائب زدہ ہی ہو گئی تھی۔ کہ نہیں وہ دونوں بچیوں کے سامنے پھر اناسیہ خانہ کول سے۔ "ابھی صرف سو گیا ہی نظر آتی ہے۔ ساری میں وہ غصے سے گھبرا ہوا گیا تھا۔

"عمر۔ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ صرف وہ دن میں نے سو گیا کی پسند کی ڈیز تیار کی ہیں۔ کیونکہ اس کو یہ احساس ہوتا ہے کہ میں ساری کو زیادہ پار کرتی ہوں۔ اس وجہ سے میں نے سو گیا کے لیے حلیم تیار کی تھی۔ آپ بے شک ساری سے پوچھیں۔"

"کیوں فرحت! بس بچیوں میں کوئی تفریق ہیروا ہے نہیں کر سکتا۔ تمہارے لیے ان دونوں میں فرق ہو کہ مگر میرے لیے وہ دونوں میرا خون ہیں۔"

عمر نے ہر شک نچل سے سو گیا کی چالی چالی اور غصے سے ہار لگا دیا۔

"عمر۔ اس بات تو سنئے۔" وہ رازقی تو اس میں بولی تھی کہ وہ ساری اور سو گیا کو پار کھانے کے چاہتا تھا۔

\* \* \*

اس نے بھی دونوں میں فرق نہیں کیا تھا۔ آج کے لیکن رات کو عمر نے وہ دیکھا تھا کہ اس کو جگہ بگھڑا تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ عمر آتے دیکھ کر اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

"میں جانت ہوں کہ تم سو نہیں رہی ہو۔" عمر نے بستر پر لیٹتے ہوئے کہا تھا۔

فرحت نے کوئی جواب نہ دیا۔ البتہ اس کے آنسو بند رہے تھے۔

"میں نہیں چاہتا کہ دونوں بچیوں میں کسی قسم کا بھی کوئی جھگڑا ہو۔ تم دونوں سے ایک جیسا سلوک کرو گی۔ یہ گھر تمہارا ہے۔ اور اب یہ تمہارے ہاتھ میں ہے کہ تم کو کیا چاہتی ہو۔"

عمر نے اس کی بات سے کما اور کماوت کے کہ سو گیا نے فرحت سو نہ سکی۔ وہ جو بچے ہیں وہ دونوں کو مل گیا۔ اس نے وہی سوئی۔ اس کی منتظر پر شک کیا جا رہا تھا۔

\* \* \*

"مجھے اٹلیٹ کمانا ہے۔" سو گیا کچن میں آکھڑی ہوئی۔ جبکہ ساری پہلے سے کھڑی تھی۔

"ایڑا ایک ہی تھا جو میں نے ساری کے لیے بنایا ہے۔ تم شامی کیلپ لے لو۔" اس نے پیار سے جواب دیا۔

"نہیں مجھے اٹلیٹ کمانا ہے۔ ساری سے اس نے پٹیت چھین کر جواب دیا تھا۔

"چھو لو۔ یہ ممانے میرے لیے بنایا ہے۔" ساری نے غصے سے کہا تھا اور سو گیا سے پٹیت چھیننے لگی۔

"سو گیا۔ اس کو وہیں پٹیت دو۔" فرحت نے غصے سے کہا تھا۔

"نہیں نہیں مجھے ایڑا کھانا ہے۔" اس نے غصے سے جواب دیا۔

اس سے پہلے سو گیا اٹلیٹ کا پیس منڈ میں ڈالتی۔ ساری نے پٹیت چھین کر وہ تمہارو دیا۔ سارا اس اور اٹلیٹ کو تڑپ رہا تھا۔

"فرحت نے ساری کو چھین کر سیدھا دیا۔" رازقی کا مہم کوٹوں نے مانتا شایا دیا ہے۔

اس وقت عمر شور مچا کر کچن میں آکھڑا ہوا۔

ساری نے ہنسی میں آواز دی تھی۔

"ساری کو کیوں مارا؟" اس نے ساری کے سرخ کھل کو دیکھ کر غصے سے پوچھا۔

"عمر ایڑا ایک تھا۔" اس سے پہلے کہ وہ بات مکمل کرتی۔ عمر نے بات کاٹ کر کہا۔

"میں صرف یہ پوچھ رہا ہوں۔ کہ تم نے ساری کو چھین کر مارا ہے؟"

"عمر! ساری نے خود ایڑا زمین پر پھینکا ہے۔ یہی بات تھی۔ اس لیے میں نے مارا۔" وہ عمر کو وضاحت دینا چاہتی تھی۔

ساری روٹے روٹے ہوئی۔ "پاپا سو گیا نے مجھ سے بھرا ہشت چھین لیا تھا۔" اس نے روٹے ہوئے کہا۔

"پاپا سو گیا نے بد تمیزی نہیں کی ہے؟" عمر نے غصے سے پوچھا۔

"عمر! میں سو گیا سے ہشت لے کر ساری کو دے ڈیوال تھی۔ مگر سو گیا اٹلیٹ چھوڑ نہیں رہی تھی۔" سو گیا اور ساری روٹے ہوئے پینن سے ملتی ہوئی تھیں۔

اگر تم ساری کو ہشت دے دیتیں تو شاید وہ ایڑا نہ کرتی۔" رازقی نے پوچھا۔

"عمر۔ ایڑے خدا کے لیے۔" فرحت روٹھی ہو گئی۔

"سو گیا! میں۔ سو گیا ہی ہوتی ہے۔" وہ تو غصے سے کہہ کر چلا گیا مگر فرحت ساکت کھڑی رہ گئی تھی۔

\* \* \*

"تھا۔" امیرتہ لیا کہاں ہیں؟" وہ افس سے جب گھر پہنچی تو عمر نے پاپا سوال کی کیا تھا۔

عمرتہ خاموش رہی۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اور جب بھی عمر کو کھانی۔ انامہ یہ اس سے تھا۔ جاتی تھی۔

"عمر۔ ایڑے مجھے ایڑا لیا ہے۔ لپٹا ہے۔ سب کے پاپا اسکول آتے ہیں۔ ساری لپٹا لیا نہیں آتے۔"

"تمہارے پاپا وہ سارے شہر میں ہیں کہ تمہیں آسکتے۔" اس نے اپنی بیٹی کا ہاتھ چوم کر کہا جو بہت افسردہ نظر آ رہی تھی۔

"ماما! ہم تو پاپا کے پاس جا سکتے ہیں نا!" وہ مصدومیت سے پوچھنے لگی۔

"تمہیں یہاں کیا تکلیف ہے؟ میں تمہیں ساری کے پاس لاکر دیتی ہوں نا!" عمرتہ نے غصے سے کہا۔

"ماما۔ ایڑا پاپا کی نہیں ہے۔ مجھے پاپا سے ملنا ہے۔"

"پچھا۔ میں کل ان کے دست سے بات کرتی ہوں۔ اگر وہ تم سے ملنا چاہتے ہوں گے۔ تو ملاقات ہو سکے گی۔"

وہ پر جوش انداز سے بولی۔ "ماما! مجھے یقین ہے۔ پاپا مجھے لینے آجا میں گے۔ اس نے خوش ہو کر کہا تھا

# ایزی بارک

الطعمی



کیا لڑکھن  
 کیلئے استعمال کیا جائے اور اس کے فوائد کیا ہیں؟  
 Eazy Barck کے فوائد  
 1. اس کا ذائقہ بہت ہی لذیذ ہے۔  
 2. اس کا استعمال بچوں کو صحت مند بنانے میں مددگار ہے۔  
 3. اس کا استعمال دلچسپی سے کیا جائے۔

KIMBER CHEMICAL COMPANY  
 2nd Floor, Lahore Pakistan  
 www.kimberpk.com

# ایزی ہسٹن



مقرر کی گئی ہے ہسٹن کے فوائد  
 کیا لڑکھن  
 کیلئے استعمال کیا جائے اور اس کے فوائد کیا ہیں؟  
 Eazy Hustin کے فوائد  
 1. اس کا ذائقہ بہت ہی لذیذ ہے۔  
 2. اس کا استعمال بچوں کو صحت مند بنانے میں مددگار ہے۔  
 3. اس کا استعمال دلچسپی سے کیا جائے۔

جس کو لڑکی کا باپ اس سے نہیں ملتا اس لڑکی کی کہانی عزت نہیں۔  
 ”صدف بھابھی نے کمرے کے لیے ایک صدف بھابھی کو اجلاس کرسی میں بیٹھا کر دیا ہے۔ تم سہارا ان کرسی میں ہوتی ہو۔ صدف بھابھی ہر وقت بلا بلا روک روک کرتی رہتی ہیں سب بات پر سختی ہیں۔ تمہارا گھر نہیں ہے۔ ماہوں کی کمائی پر میٹس کر رہی ہیں۔  
 رخسانہ نے بھی ساری بات بتادی۔  
 ”کیا؟“ وہ رخسانہ کی بات پر چونک پڑی۔  
 کیونکہ وہ اپنی آگے ہی تھوڑا سا بھلائی کے ہاتھ میں رکھتی تھی۔ تاکہ وہ اس کی بیٹی کا خیال نہ چھین۔ اس کے وہ ہمو گمان میں بھی نہ تھا۔ کہ صدف بھابھی مریم کے ساتھ اس طرح کا رویہ رکھے ہوئے تھیں۔  
 رخسانہ نے آدھ کر کہا۔  
 ”مومنہ! ان گھرانے میں تو آپ سے فراز اور میرے ہر سب کچھ بھرتے ہوتے ہیں۔ تمہیں کمر نہیں چھوڑتی۔ اس کچھ کو چھوڑ کر جاؤ گی تو میرے پاس بھی ایک دن رہنے ہو جائیں گے۔ سہاوی کے عورت کا گھر صرف اس کے شوہر کا گھر ہوتا ہے۔ چاہے اس گھر میں کتنے کچھ کیوں نہ ہوں۔  
 رخسانہ نے ابلادہ تھی۔ اور فراز کے ساتھ اس کے آگے بڑھنے کے ارادے ہوئے رہتے تھے۔  
 رخسانہ نے بھی کمر مومت کو سون میں ڈال دیا۔  
 \*\*\*  
 ”ہم! مہرا سبنا اسکول جانے کے لیے نہیں آئی رہی ہے۔“ سامیہ نے بچپن میں اس کو اطلاع دی۔  
 ”کیوں نہیں آئی وہی چاہا اس کو بول کر تو کہ مہرا کے آگے تک ہاتھ منہ دھو لے۔ دوسرے بچے کی طرح فرحت نے مہرا کو تیار کرتے کہا تھا۔ وہ دونوں لڑکیاں بھی ساتھ چک کر رہی تھی۔  
 ”مہرا! مجھے شاہی کیاب نہیں کھانا۔ کل بھی آپ نے مہرا میں رکھ دیا تھا۔“ سامیہ فرحت کو شاہی

”ہائے۔ ہائے تم رحیم سے بات کرو گی؟“ ہم لوگ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے؟“ صدف نے مریم اور مومنہ کی بات نہ لی تھی۔  
 ”بھابھی! اس میں بڑی بات لیا ہے۔ مریم اپنے باپ سے ملنا چاہتی ہے۔ اس میں منہ نہ دکھانے والی کون سی بات ہے۔“ اس نے تھاہو کر جواب دیا تھا۔ صدف کی طوالت سے واقف تھی اور اس بات پر یہ نگاہ کھڑا کر رہی تھی۔  
 دوسرے دن جب آٹس سے وہ گھر پہنچی تو اپنے کمرے میں رخسانہ کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔ رخسانہ بھلائی کی بیوی تھی۔  
 ”مومنہ! کیا تم رحیم سے صلح کرنا چاہتی ہو؟“  
 ”بھابھی! اب اس کا کیا سوال ہے؟ آپ یہ کیوں پوچھ رہی ہیں؟“  
 ”مومنہ! تم رحیم سے صلح کرنا چاہتی ہو تو اس میں برائی کیا ہے؟ ہمارے بھائی تھاہو کہ مجھے تمہارا سے انہوں نے تمہیں سنبھالا۔ اور تمہاری بیٹی کو بھی۔ اور آج تم نے ان کے خیر ہی ارادے نہیں کر لیا ہے۔“  
 رخسانہ کی بات سن کر وہ کتے میں آگئی۔ صدف نے حسب عادت ہرجاچھا کر سب کو تباہی نقل۔  
 ”اگر تم رحیم کے پاس جانا چاہتی ہو تو یہ تمہارے اور مریم کے حق میں بہتر ہی ہے۔“ رخسانہ نے اسے پریشان دیکھ کر کہا۔  
 ”بھابھی! میری بات تو سنیے! مومنہ نے رخسانہ کا ہاتھ تھام لیا۔  
 ”بھال! میں نے ایسا کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے۔ صرف صدف بھلائی خود سے یہ بول رہی ہیں۔ وہ نہیں چاہتیں کہ میں اس گھر میں رہوں۔ ان کو صرف یہ کہہ چاہیے۔“ اس نے دنگر تھی سے کہا۔  
 رخسانہ چونک پڑی۔  
 ”صدف بھابھی مجھے نکالنا چاہتی ہیں۔ اسی لیے تو انہوں نے مریم کے دل میں یہ بات ڈالی ہے۔ کہ

کتاب فن میں دالتے کر نکلی سے بولی۔  
"اوسکے آئی ایم ہو رہی ہیں بھول گئی تھی۔ آپ  
کے لیے انڈیا بنا رہی ہوں۔" اس نے انڈیا اٹھانے  
ہوئے کہا تھا۔

"نہیں مجھے سلاٹس پر جیم لگا کر دے دیں۔ مجھے  
انڈیا نہیں کہانا۔ وہ بیفاری سے بولی۔  
"اچھا بابا! آپ کے غول میں میرا کلمہ اور وارہ  
جائے گا۔" اس نے سلاٹس پر جیم لگایا اور فن پیک  
کردیا۔

سونیا کے فن میں اس نے ساری کلاشای کتاب بھی  
رکھ دیا۔ اور پھر وہ سونیا کو اٹھانے کے لیے کمرے  
میں آئی۔ سونیا تیار ہو کر کھڑی تھی۔  
"سونیا! تم تیار ہو۔ ساری تو کہہ رہی تھی کہ تم  
اسکول سے چھٹی کرنا چاہتی ہو؟"

"وہ بھوت بول رہی ہو گی۔" ماما اس نے ہنست  
بولے۔ اب اس کی بھی پٹائی کر رہی۔ "وہ منہ  
بوسہ کر رہی۔"

"اس ساری فرحت نے ساری کو بکارا۔ ساری پھر  
کمرے میں تھی۔ وہ فرحت کی آواز پر دوڑی پہلی  
آئی۔

"جی ماما! وہ ہائے ہوئے بولی۔  
"بیٹا! ایک نے مجھ سے جھوٹ کیوں بولا کہ  
سونیا اسکول چھٹی کرنا چاہتی ہے۔" اس نے سنجیدگی  
سے پوچھا۔

"ماما! میں سچ بول رہی ہوں۔ سونیا نے مجھ سے  
کہا تھا۔" اس نے مصومیت سے اپنی چٹائی پیش کی۔  
سونیا نے فوراً "روٹی صورت بنال۔" ماما یہ بس کی  
چاہتی ہے۔ کہ آپ بیٹھ مجھے مارتی رہیں۔ میری  
پٹائی سے یہ بہت خوش ہوتی ہے۔ اس نے کلاس  
میں بھی وہ بات بتا دی ہے کہ میں نے بغیر پوچھے سے  
الماری سے نکالے تھے۔ اس لیے اب میری سب  
دد تھیں مجھ کو ہوتی رہتی ہیں۔"

"کتاب؟ فرحت نے غصے سے ساری کی طرف  
دیکھا۔

"تم نے ایسا کیوں کیا ہے؟" فرحت نے اس کا ہاتھ  
مٹھیوں سے پکڑ کر پوچھا تب ہی مگر کیا باز آئی۔

"جلدی کرو! اس سے دور ہو جائے گی۔ ابھی تو  
لوگوں کو اسکول بھی چھوٹا ہے۔ فرحت نے جلدی  
سے دونوں کو غنم تھمایا مگر سونیا کو غصہ تھا کہ فرحت  
نے ساری کی پٹائی نہیں کی تھی۔ وہ فرحت سے ضد  
کرے لگی کہ اس کو غنم میں انڈیا بھی لے کر جانا ہے۔

فرحت نے پیار سے کہا۔ "بیٹا! بابا کو دور ہو رہی  
ہے۔ کل لے جاؤ۔ کن شامی کتاب لے جاؤ۔  
اس نے سونیا کا ہاتھ پکڑ کر کہا تھا۔ مگر سونیا کی نظر میں  
فرحت کا پیار چھوٹا تھا۔ اس سے مس نہ ہوئی۔

آخر کار فرحت نے عمر کو آواز دی کہ پہنچ مت مزید  
لوگ چائیں۔

پھر عمر اور ساری صحن میں کھڑے رہے۔ فرحت  
نے جلدی سے انڈیا قرانی کر کے فن میں رکھ کر اوسانے  
عمر کو کھڑا کیا۔ جس کے ہاتھ میں ساری کا فن تھا۔

فرحت نے کہا تھا چہرہ دیکھو تو میرے پاس سے پوچھ  
دیکھا ہوا ہے؟"

عمر نے سونیا کا فن لے کر کھولا۔ تو سارا غنم اور  
شامی کتاب کے ساتھ انڈیا لے کر خاموشی سے بڑھ کر گیا  
اور پھر غصے سے فرحت کو غور آجایا باہر نکل گیا۔

فرحت سمجھ نہیں پاتی تھی کہ عمر کو کس بات پر غصہ آ  
رہا ہے۔

ان تینوں کے جانے کے بعد وہ گھر کے کام سنبھلی  
آج اس نے ساری کی پینڈیہ سلاٹس والی پگھن  
بڑی تیار کی تھی۔ جو اس دن وہ پکا نہیں پاتی تھی۔

پھر رات کو سب کاموں سے فارغ ہو کر وہ کمرے  
میں آئی تو عمر کو اس نے افسردہ پایا۔  
فرحت نے عمر کا ہاتھ تھام کر پوچھا۔  
"عمر کیا بات ہے۔ آپ اتنے چپ چپ کیوں  
ہیں؟" اس نے پیار سے پوچھا۔  
"فرحت۔ تم اچھا نہیں کر رہی ہو۔" اس نے  
پوچھا کہ کون ہاتھ چھڑا لیا۔  
"میں کیا اچھا نہیں کر رہی

ہوں۔" وہ عمر کے اس ہونے پر تھلائی تھی۔  
"سونیا کو تم نے انڈیا اور شامی کتاب دیا ہے۔ اور  
ساری کو صرف سلاٹس لے لیے۔ کیوں ایسا کر رہی ہو؟"

عمر نے فرحت کو غور سے کہا تھا۔ اب تم نے اچھا  
بننے کے لیے ساری کو پینڈیہ ڈش تیار کر دی۔ "اس  
نے غصے سے کہا تھا۔

فرحت نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ "خدا را!  
آہستہ بولے کیوں ساری نے سن لیا کہ میں اس کی ماں  
نہیں ہوں۔" وہ اس پر کیا کرے گی۔"

"فرحت! خدا کے لیے اچھا بننے کا اور ماہرہ  
کون مجھے نہیں ہو گیا ہے۔ کہ تم نے دل سے اس  
کو قبول نہیں کیا۔"

"نہیں عمر! ایسا نہیں ہے۔ آپ غلط سمجھ رہے  
ہیں۔ میرے لیے ساری اور سونیا میں کوئی فرق نہیں  
ہے۔" اس نے لڑائی تو انہیں کہا تھا۔

"ایسا ایک بار نہیں ہوا۔ میں نے بہت دفعہ محسوس  
کیا ہے کہ تم غنم کو انہیں قتل کرتی ہو۔" عمر نے آ  
پھر کر کہا۔

"عمر! ایسا کونسا ایسا عقیدہ والا ہے۔ آپ ساری  
کو بکار پوچھ لیں۔" اس نے بہتر سے انڈیا کر کہا تھا۔  
"میں ساری سے کیا پوچھوں۔ میں خود سمجھ اور  
دیکھ چکا ہوں۔" وہ یہ کہہ کر کمرے کے باہر نکل گیا۔  
فرحت آنکھوں میں آنسو لیے بیٹھی رہ گئی۔

"کل سعد چاہو آپ کو لینے آ رہے ہیں۔" مومن  
نے افسردگی سے رات کو مومن سے کہا تھا۔ جب وہ  
ہو پورک کر رہی تھی۔ وہ اچھل رہی۔

"میرے چاہو بھی ہیں۔ ماما میرے کتنے چاہو  
ہیں۔" مومن پوچھ رہی تھی۔ کیا میری تلی لالہ ہیں۔  
"ہاں۔" مومن نے فوراً جواب دیا۔ "پوچھ رہی تھی۔  
"بل بل سب ہیں۔ کل چاہو کی تو سب کے  
ہاتھ پیار سے منانے اور ہاں ہاں سے کہا کی کوئی بات  
نہیں کرتا۔"

"مومن! تمہارے لیے میں کھانا کمرے میں لے  
آئی ہوں۔" سعد پہلی نے چتا پانا کی پلٹ اس  
کے ہاتھ میں پکڑ لائی۔

مومن نے پیار سے سمجھاتے ہوئے کہا تھا۔ وہ  
میں چاہتی تھی کہ رجم کو انڈیا ہو کہ ان لوگوں کے  
لئے مومن صرف ایک پوچھ ہے۔ سعد نے پیار سے  
بتائی تھی کہ مومن کی شادی کی ذمہ داری کون اٹھائے گا  
۔ اس کے سر پر ڈالے پوچھ سے کہ تم دونوں  
میں غلطی کیوں ہوئی۔ تو کیا جواب دے گی؟

مومن نے مومن کو رجم سے ملنے کی  
اجازت دے دی تھی۔ "ماما! تک ٹھہر پھر موت  
کرتا ہے۔ مومن یہ سن کر چاؤں کی۔" اس نے  
الماری سے گھالی رنگ کا موت نکالے ہوئے کہا تھا۔  
موت اسے خوش دیکھ کر مطمئن ہو گئی تھی۔

مومن پچھلے دنوں بہت بیمار رہی تھی اس کا بخار  
اترنے میں نہیں رہا تھا۔ وہ ڈاکٹروں کے پتھر ٹکٹ  
رہی تھی۔

"مومن کو باب کی جدائی نہیں تیار نہ کر دے۔"  
یہ مومن کو سنبھالنے کے لیے بہت تیار ہو رہی تھی۔  
صورت حال اتنی تھی۔ مومن کو سنبھالنے کے لیے بہت تیار ہو رہی تھی۔  
تھا کہ وہ مومن کو لے کر گئے۔ مومن بھی مطمئن سی ہو  
گئی۔ کہ تیرے سال کی آواز کے ساتھ نور جیم نے مومن  
کا خیال کیا تھا۔ کسی کی تیار کی اطلاع سن کر فوراً  
اس نے اسے گھر پر لایا تھا۔ جبکہ گھر پر اس کی بیوی  
سدرہ اور ایک بیٹا تھے۔ مومن کو احساں ہو گیا تھا  
۔ کہ اس نے مومن کو رجم سے جدا کر کے قتل کیا  
ہے۔ کیونکہ جن بیٹیوں کے سر پر باب کا سلیب نہیں  
ہوتا۔ ان پر زناہ آسانی سے لگایا جاتا ہے۔

"مومن! تمہارے لیے میں کھانا کمرے میں لے  
آئی ہوں۔" سعد پہلی نے چتا پانا کی پلٹ اس  
کے ہاتھ میں پکڑ لائی۔

"مومن! تمہارے لیے میں کھانا کمرے میں لے  
آئی ہوں۔" سعد پہلی نے چتا پانا کی پلٹ اس  
کے ہاتھ میں پکڑ لائی۔

"مومن! تمہارے لیے میں کھانا کمرے میں لے  
آئی ہوں۔" سعد پہلی نے چتا پانا کی پلٹ اس  
کے ہاتھ میں پکڑ لائی۔

"مومن! تمہارے لیے میں کھانا کمرے میں لے  
آئی ہوں۔" سعد پہلی نے چتا پانا کی پلٹ اس  
کے ہاتھ میں پکڑ لائی۔

"مومن! تمہارے لیے میں کھانا کمرے میں لے  
آئی ہوں۔" سعد پہلی نے چتا پانا کی پلٹ اس  
کے ہاتھ میں پکڑ لائی۔

"مومن! تمہارے لیے میں کھانا کمرے میں لے  
آئی ہوں۔" سعد پہلی نے چتا پانا کی پلٹ اس  
کے ہاتھ میں پکڑ لائی۔



مومنہ جانتی تھی صدف کا پورا بغیر مطلب کے نہیں ہو سکتا وہ سچیدگی سے بولی۔

”مومنہ! میں نے سنا ہے کہ تیرے صدف آیا تھا۔  
راجیم نے مریم کو گھر پر بلا دیا ہے؟“  
”جی ہاں! وہ سچیدگی سے بولی تھی۔“

”میں نے سنا ہے۔ راجیم کا کاروبار بہت اچھا چل رہا ہے۔ اس نے تو مریم کا خرچ بھی بھیجا تھا مگر تم نے لینے سے انکار کر دیا تھا اب مریم وہاں آئی ہے تو میں سوچ رہی تھی کہ تمہیں مریم کا خرچ لے لینا چاہیے۔“

”بھائی! میں کھانے پینے کا خرچ تو مسلسل دے رہی ہوں۔ پھر آپ ایسا کیوں کہہ رہی ہیں؟ اس نے کھانا چھوڑ دیا۔“  
”مرد کو تو دیکھو۔ تیرا بچ ہزار روپی ہو۔ بجلی کا بل نہیں کالم تیرے سال سے مل رہا ہے دے رہی ہوں؟ صدف نے تنگ کر رکھا تھا۔“

”بھائی! میں آپ کو پوری سمجھا رہی ہوں۔“  
”مومنہ صدف کرتے چوتھے بول۔“  
”صدف نے منہ بند کر رکھا۔“  
”سات ہزار تمہاری جھٹکے۔ اس مرتبہ وہ سات لاکھ کے دکھاری ہو۔“  
”اس سے پہلے بھی وہی کاروبار ہی تھا مگر اب اس نے سات لاکھ سے سات لاکھ سے بڑھ کر پچاس لاکھ کر چکی تھی۔ وہ کچھ نہیں بولے تھے۔ فراز کا کاروبار بھی اتنا تنگ نہیں چل رہا تھا۔ کہ رخصت ہو کر پوچھی۔ ایک دفعہ رخصت نے مومنہ کی حمایت کی تھی تو صدف نے اس کو بھی کھری کھری سنا دی تھی۔“

مومنہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔  
”صدف! اس کو صاف صاف بنا کر چل گئی تھی کہ اب وہ دس ہزار سے ایک پیڑھ کم نہیں لے گی۔ اس کے پاس گھر کا خرچ چلانے کے لیے پیسے نہیں ہیں۔“  
مومنہ سوچ رہی تھی تیرہ سال کے بعد راجیم سے خرچ کا مطالبہ کیسے کرے گی؟ چھوٹے گھر کی بجلی کی تھی۔

”سونا یا یہ کیا یاد تیری ہے۔“  
”خدا ہے اس طرح بات کرتے ہیں۔“  
”آمنہ! فرحت کی چھوٹی بہن اس کے ہاں آئی ہوئی تھی۔“

”سونا! یہاں تو ہی ہو گیا؟ تمہاری خالہ جان ہیں۔“  
”فرحت نے جو مسلسل بیتی جارہی تھی۔ اور آمنہ اپنے بچوں کے سامنے شرمندگی محسوس کرتے لگی۔“

”مما! یہاں سے چلیے مجھے گھر جانا۔“  
”طلحی! آمنہ کی بہن تھی وہ ساری سونا کی ہم مگر تھی۔ اور بات کو بھتی تھی۔“

”فرحت! آپا! میں چلی ہوں۔“  
”اس نے پر غم آنکھوں سے اپنی بہن سے کہا تھا۔“  
”نہیں آمنہ! چھو۔ سونا یہی ہے۔ طلحی! میری بیٹی رہنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ گھر سونا کا نہیں۔ یہ گھر تمہاری خالہ کا ہے۔“

”آمنہ اپنے گھر کے حالات سے پریشان تھی۔ آج ایک ماہ کے بعد اپنی بہن کے گھر آئی تھی۔ آمنہ کی ماں اس سے براسلوک کرتی تھی۔ اور اس کا شوہر دہلی میں تھا۔ وہ ماں کو خرچ بھیجتا تھا۔ اور آہستہ آہستہ اپنی مرضی کے مطابق گھر میں خرچ کرتی تھی۔ آمنہ اور اس کے بچے دو چھتے رہ جاتے تھے۔“  
سونا کی گریہ طلحی نے اٹھائی تو سونہ نے اس سے چھین لی۔

”میں تمہاری گریا کھاتو نہیں جاتی۔“  
”طلحی! طلحی سے بولی۔“  
”تم لوگ ہمارے گھر میں کھانے کے لیے آجاتے ہو۔ اپنے گھر میں دل نہیں لگایا؟“  
”سونا بچی گریوں۔“  
”لاٹوں میں بھڑکاؤ ہوا بات آمنہ کے کانوں تک بھی پہنچا۔“

آمنہ اور طلحی وہاں سے روٹی ہوئی چکی تھیں۔ فرحت کو سونا پر شدید غصہ تھا۔ عمر کی چھٹی کی رو سے وہ پہلے ہی پریشان تھی اس نے سونا کو وہ سمجھا رکھا ہے۔ سونا کی آنکھوں میں ایک آنسو بھی نہ پگھلا۔ اس کے دل میں صرف احتجاج اور نفرت تھی۔

”یہ سونا کو چھوڑ دو۔“  
”مما! میں نے فرحت کو روکا۔ فرحت نے اسے پیچھے ہٹایا تو سارا کھانا کھ چلا گیا اور وہ ذرا تنگ نہیں سے جا کر لگی۔“  
”ذرا تنگ نہیں کا پیشہ جو پہلے ہی مرمت طلب تھا۔ اور عمر کی مصروفیت کے باعث آخر پوری تھی۔ یکدم اپنے فریم سے نکل کر سامنے آ کر گرا۔ ماسیہ نے ایک جج ماری۔ اور پھر خاموش ہو گئی۔ ماسیہ کے سر سے خون بہنے لگا۔ فرحت کے دل میں آئی جبکہ سونا نے گہرا کر عمر کو فون کیا۔“

”مسیہ! میں تھا گھر سے باہر نکل کے پورے گھر کے سامنے گیا پھر اس نے گھر فون کیا۔“  
”لاٹوں کی طرف سونا نے گہرا بہت کے ساتھ اٹھایا۔“  
”سونا نے روٹے روٹے کہے۔“

”بھائی! ماسیہ کے سر سے خون نکل رہا ہے۔“  
”ذرا تنگ نہیں کا پیشہ اس پر گرا گیا ہے۔“  
”عمر کے بچوں تلے سے زمین نکل گیا۔ وہ اپنے دوست اگل کے ساتھ بھاگا ہوا چھوٹا سا گھر کو خون میں لست پڑ گیا کہ اس کے اوپر مرنے لگا ہونے لگا۔“  
”سونا اور کے مارے اس کے گنگے لگ گئی۔ اور وہ روٹے روٹے لگی۔“

”مما! ماسیہ کو کچھ ہوا ہے۔“  
”مما! فرحت کو تنگ کر دیا۔ اور فرحت کے بچے میں تھی۔ اس کو اندازہ ہو گیا تھا۔ کہ اس واقعے کے بعد عمر بھی جی اب اس کو ماسیہ کے ساتھ رہتے نہیں دے گا۔ کیونکہ وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ اس نے ماسیہ کی جیل لینے کی کوشش کی ہے۔“

مومنہ صدف کے مطالبے سے شدید پریشان تھی۔ اس نے گاڑی کا ہارن سنا کر کھری گاڑی کو روک دیا۔ راجیم کو روک دینے تک چھوڑنے آ رہا تھا مومنہ نے جلدی سے یہ براہ راست کیا۔ اس کا دل دور دور سے اچھڑنے لگا۔ راجیم اس کا شوہر تھا اس کی بیٹی کا باپ۔ اس وقت بھی صدف نے ہی اسے بھڑکایا تھا کہ وہ

”مومنہ! تمہیں لگ رہی ہے۔“  
”صدف نے اس کے شہری ہانوں پر ہاتھ بھیر کر کہا تھا۔“  
”مما! جان! آپ کے لیے اور چھوٹی ممالی کے لیے سوٹ بھیجا ہے۔ اور ہانوں کے لیے کڑی لے کر دی ہے۔“  
”راجیم نے گھر کے ہر فرد کے لیے تحفہ بھیجا تھا۔ وہ دست خوش تھا کہ انہوں نے اس کی بیٹی سے ملنے کی اجازت دے دی ہے۔“  
”رخصت سوٹ لے کر خوش تھی۔ صدف کمرے سے باہر نکلی تو رخصت نے مریم کو گود میں لے لیا اور پوچھنے لگی۔“  
”یابا یہی ہے۔“  
”اور ان کے گھر والے تم سے کیسے ملے تھے؟“  
”ڈاڑی اٹل بوڑھی ہو گئی ہیں۔ انہوں نے مجھے

راجیم سے پیچھے گھر کا مطالبہ کرے مگر راجیم کے پاس اتنا پیسہ نہیں تھا۔ اس نے مومنہ سے وعدہ کیا۔ کہ خالہ اس کو لکھن گھر لے دے گا۔ مگر مومنہ نے اس کی ایک نہ مانی تھی۔ اور خالہ کو کہنے بیٹھ گئی تھی۔ آج اس کو اپنی طلحی کا احساس ہو چکا تھا۔“  
”مما! مومنہ نے مومنہ کو گود میں کر اس کو پکڑا اور پھر خوشی کے مارے اس کے گلے لگ گئی۔“  
”مما! اچھو۔ بلانے مجھے پیسے دیے ہیں۔“  
”اور بولا ہے کہ جب میری کی ضرورت پڑے تو ان کو گھر کے تنگ کر لیتا۔“  
”مومنہ نے اپنے بچوں سے پرس میں سے بیس ہزار نکل کر مومنہ کے ہاتھ میں تھا ہا ہا۔“  
”ہائے! ہائے میری بیٹی کہاں ہوئی تھی؟“  
”صدف بھلی نے پیسے دیکھ لیے تھے۔ انہوں نے مریم کو اس کے بھڑک کر گود میں لیا۔ مومنہ کو غصہ آئے گا کہ مریم مومنہ کے سامنے ناشا کھڑا کرنا نہیں چاہتی تھی۔“  
”مما! جان۔ آپ سب لوگوں کے لیے بلانے آتے خرید کر دیے ہیں۔ انہوں نے شہر فرما دیا۔“  
”مومنہ نے خوشی سے ہاتھ دیا تھا۔“  
”اس وقت یابا کو لے کر اندر داخل ہو گئی۔“  
”مما! یہ کیسے۔ مومنہ کے ہاتھ سے ہیرے لے گئی تھی۔“

”مومنہ! تمہیں لگ رہی ہے۔“  
”صدف نے اس کے شہری ہانوں پر ہاتھ بھیر کر کہا تھا۔“  
”مما! جان! آپ کے لیے اور چھوٹی ممالی کے لیے سوٹ بھیجا ہے۔ اور ہانوں کے لیے کڑی لے کر دی ہے۔“  
”راجیم نے گھر کے ہر فرد کے لیے تحفہ بھیجا تھا۔ وہ دست خوش تھا کہ انہوں نے اس کی بیٹی سے ملنے کی اجازت دے دی ہے۔“  
”رخصت سوٹ لے کر خوش تھی۔ صدف کمرے سے باہر نکلی تو رخصت نے مریم کو گود میں لے لیا اور پوچھنے لگی۔“  
”یابا یہی ہے۔“  
”اور ان کے گھر والے تم سے کیسے ملے تھے؟“  
”ڈاڑی اٹل بوڑھی ہو گئی ہیں۔ انہوں نے مجھے

”مومنہ! تمہیں لگ رہی ہے۔“  
”صدف نے اس کے شہری ہانوں پر ہاتھ بھیر کر کہا تھا۔“  
”مما! جان! آپ کے لیے اور چھوٹی ممالی کے لیے سوٹ بھیجا ہے۔ اور ہانوں کے لیے کڑی لے کر دی ہے۔“  
”راجیم نے گھر کے ہر فرد کے لیے تحفہ بھیجا تھا۔ وہ دست خوش تھا کہ انہوں نے اس کی بیٹی سے ملنے کی اجازت دے دی ہے۔“  
”رخصت سوٹ لے کر خوش تھی۔ صدف کمرے سے باہر نکلی تو رخصت نے مریم کو گود میں لے لیا اور پوچھنے لگی۔“  
”یابا یہی ہے۔“  
”اور ان کے گھر والے تم سے کیسے ملے تھے؟“  
”ڈاڑی اٹل بوڑھی ہو گئی ہیں۔ انہوں نے مجھے

بظاہر پہنکے دیکھیں۔ مہربان اپنے کانوں کے پاس رکھائے۔  
 مومن نے دیکھا تو ہلکا ہلکا لڑکے ہیں۔ مٹی نہیں نہیں لینا چاہیے تھے۔  
 "ہمما۔! میں نے منع کیا تھا مگر وہ کہہ رہی تھیں کہ میں ان کی پوتی ہوں۔" عریض نے خوشی خوشی بتایا۔  
 "اور کون کون گھر میں ملا۔؟" رخصت نے تجسس سے پوچھا۔ وہ جانتی تھی۔ کہ مومن جاننا چاہتی ہے مگر کبھی نہیں پوچھتی۔  
 "ممنو ملا تھا۔ بابا نے بتایا ہے وہ میرا بھائی ہے۔ اور وہاں اس کی اہلی بھی تھیں انہوں نے کہل میں شہادتی پڑھی ہی ہوں۔ انہوں نے مجھے بہت پیار کیا اور پڑھے بھی لیتے ہیں۔"  
 مومن کی آنکھیں پر غم سی ہو گئیں۔ شاید وہ صدر کے ساتھ ہوتی تو اس گھر میں وہ تکلیف نہ ہوتی جو آج صدف بھائی کی لاد سے ہو رہی تھی۔

کہا تھا۔  
 "بھابھی آپ مجھ پر الزام لگا رہی ہیں۔ کہ شہادتی کسی اور پر پھلو کر رہی ہوں۔ کیا آپ نے مجھے اتنی گھٹی سمجھ رکھا ہے؟" اس نے صدف سے لڑتی تو اس کا کہنا تھا۔

صدف خاموشی سے کھٹک گئی۔ مگر مومن کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ نبوت اس کی ذات پر شک کی آبلے کی۔ یہ اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ رخصت نے اس کو تسلی دی تھی اور اس کو ریحیم کے ساتھ صلح کرنے کا مشورہ بھی جو اس نے خاموشی سے سنا تھا۔



وہ اسپتال کے باہر ٹھل رہی تھی۔ عمر آپریشن کے لیے کچھ ضروری کاغذات بردھتھا کر رہا تھا۔ سالیہ کے گھر میں بیٹھے کی گریڈاں چھوٹی تھیں۔ وہ خطرے میں تھیں۔

فرحت کو سالیہ کے ساتھ ساتھ عمر کی طرف سے بھی پریشانی تھی۔ اس نے عمر کا ہاتھ تھام کر کہا تھا۔  
 "عمر! میں نے جان بوجھ کر نہیں پوچھا۔"  
 "بھئی! میرا تو جو چھوڑو۔ ورنہ آج میرا ہاتھ تم پر لٹھ پلٹے گا۔" وہ شدید غصے میں تھا۔  
 "عمر! میری بات تو سنو۔" اس نے ہاتھ پھوڑا دیا تھا۔

"نیا بات سنو۔ کیا جانا چاہتی ہو۔ یہ ہی کہ تم بے قصور ہو تو مجھے اس کا نہیں نہیں۔" اس نے صدف سے کہہ کر نیاں گدا عمر کی طرف کر لیا۔  
 وہ خاموشی سے اسپتال سے باہر آکر ٹھلے گی وہاں ہی دل میں دعائیں کر رہی تھی کہ خدا اس کی بیٹی کی جان بخش دے۔

سالیہ کا آپریشن کامیاب رہا۔ مگر اکثریوں نے اس سے نہ لگنے کا حکم دیا۔ کیونکہ سالیہ کے ذہن پر مزہ دہانے سے اس کی طبیعت کے بگڑنے کا خطرہ تھا۔  
 "پلیز عمر! مجھے اندر جانے دو مجھے سالیہ سے ملنا

ہے۔" فرحت نے روتے ہوئے کہا تھا۔  
 "پھر کھانا پاتی ہو کہ وہ زندہ ہے یا پھر مر گئی ہے؟" عمر نے غصے سے اسے سوچا۔

"پلیز عمر! خدا کے لیے مجھے اتنا گھنا مت سمجھو وہ میری بیٹی ہے۔ میں نے اس کی پرورش کی ہے۔" وہ چی کر رہی تھی۔

"اس پرورش کرنے کے سلسلے میں اس کی جان مانگ رہی ہو۔" فرحت نے کہا۔ "آج چاہتی ہو کہ وہ اس دنیا کو چھوڑ دے؟ تو ایسا ہرگز نہیں ہونے والا۔" اس کی ماں نہیں ہے مگر باپ زندہ ہے۔ میں اپنی بیٹی کو تمہارے سامنے سے بھی دور رکھوں گا۔" عمر نے ہڈیاں پھوڑا دیا اور کہا تھا۔

فرحت نے پھر خاموشی اختیار کر لی، جبکہ عمر کا دوست اکل جو پچھلے پورے دن سے عمر کا رویہ فرحت کے حوالے سے دیکھ رہا تھا ہلکا ہلکا تھا۔

"ممنو! فرحت بھائی پر الزام لگانا جو روزیہ وقت ایسا نہیں ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گی کہ وہ جی کو بوش آجائے۔"

"بھابھی آپ اندر رہی جائیں۔" اس کو سکون آبلے گا۔" اکل نے فرحت کی طبیعت دیکھ کر کہا تھا۔  
 "پو پورے دن سے بھوک پیاسی اسپتال کے باہر بیٹھی تھی۔"

عمر اسپتال کے باہر آیا۔ اکل بھی اس کے پیچھے پیچھے آگیا اور عمر سے کہنے لگا۔

"یاد رہے قصہ پر کشوں کو ذاتی ظالم نہیں ہیں۔" یہ دو سال سے اس کی پرورش کر رہی ہیں وہ کبھی سالیہ کی جان نہیں لے سکیں اور اگر انہوں نے لیں ہوتی تو وہ اتنا عرصہ کیا انتظار کرتیں۔"

عمر نے سجدہ کی گئی کہل "سوچنا ہے کہ کیا تھا کہ ماں نے سالیہ کو دھکا دیا ہے۔ میں اس بات کو لے کر سوچ رہا ہوں۔" بھئی جھوٹ نہیں بولتے "اگر فرحت نے ایسا کہا ہے تو میں اس کو کبھی معاف نہیں کر سکتا۔"  
 اس کی آنکھوں پر غم سی ہو گئی وہ جو فرحت کو اپنی زندگی سمجھتا تھا، مگر اس حادثے کے بعد اسے لگا جیسے جس گھر کو وہ جنت سمجھتا تھا وہ حقیقت وہ دہشت گھر بن گیا۔

جس میں اس کی بیٹی سالیہ مجلس رہی تھی۔

"بھئی! مرنے کے صرہوں؟" اس نے آنکھیں کھولتے ہی پوچھا تھا۔ جب اس کو کمرے میں جاواں طرف فرحت نظرت آئی تھی۔

عمر نے حیرانی سے سالیہ کو دیکھا۔ جس کی نظریں فرحت کو تلاش کر رہی تھیں۔  
 "بھئی! اسپتال کے باہر ہے۔ میں ابھی جا کر لاتا ہوں۔"

فرحت عمر کے کمرے سے آنے کے بعد باہر نکل گئی تھی۔ وہ عمر کے دل سے گورواشت نہیں کیا رہی تھی جو اسے دیکھ کر مزہ پچھتا رہا تھا۔

عمر سالیہ کے کتے پر فرحت کے پوچھنے آیا وہ اتنی بیچھی تھی اور اس کے ہاتھوں میں تسبیح تھی۔  
 "سالیہ! وہ بوش آیا ہے۔" وہ نہیں باہر ہی ہے۔" عمر نے تسبیح سے کہل۔

سالیہ کو بوش آیا۔ "بھئی! میں اتنی غمی مرنے کا خاموشی سے اس کے پیچھے ہوا۔"  
 "ممنو! آپ کہاں تھیں؟" اس نے اپنی سورت بنا کر پوچھا۔

"بھئی! آپ کے لیے باہر دعا کر رہی تھی میری بہن! کو بوش آیا۔" اس نے سالیہ کا ہاتھ چوم کر کہا۔  
 عمر نے غمی تسبیح نظر فرحت پر ڈالی اور منہ میں بڑبڑایا۔ "ڈراما بند کرو۔" جو فرحت نے سن لیا تھا۔

سالیہ اس کے گلے لگی ہوئی تھی مگر کواں چاہا کہ وہ اپنی بیٹی کو اس سے الگ کر دے۔  
 وہ خاموشی سے گری پر بیٹھ گیا۔ سالیہ کو فرحت نے سوچ لایا۔ وہ فرحت کو فیسے سے دیکھ رہا تھا جو عمر کے پیچھے کو نظر انداز کر کے سالیہ کے ساتھ باتوں میں مشغول ہو گئی تھی کہ وہ اسپتال میں کوئی ہنگامہ نہیں چاہتی۔



"وہ میری مائیں ہیں تو مجھے مار رہی تھی۔"

مجھے جان سے اور دنیا سے بھی نہیں۔ مگر ساری بات کی پیش  
 کی جان نظر سے میں بڑھ گیا۔  
 وہ اکل کو بتا رہی تھی اکل نے اس سے پوچھا تھا  
 کہ ساریہ کو کیسے چوٹ لگی ہے سونیا کی بات پر اس  
 کے چہرے تلے سے زینن نکل گئی کہ سونیا جو فرحت کی  
 سگی بچی تھی وہ کیا کہہ رہی ہے۔  
 یہ نہیں کس نے بتایا کہ وہ تمہاری ماں نہیں  
 ہے؟ وہ حیرت سے پوچھنے لگا۔  
 "سچی میں اکل سارا سیری ماں نہیں ہیں۔" وہ خشکی  
 سے بولا۔  
 "بیٹا! وہ تمہاری ماں ہیں، تمہیں کس نے ان کے  
 خلاف بھڑکایا ہے؟" اکل نے حیرت سے پوچھا۔  
 دراصل سونیا مسلسل انکار کر رہی تھی کہ وہ اپنا  
 نہیں جانے کی وہاں فرحت اس کو جان سے مار دے  
 گی کیونکہ وہ اس کی بیٹی نہیں ہے۔  
 اکل اور اس کی بیوی ایک دوسرے کو کھنکھانے لگے کہ  
 وہ سونیا کو کچھ کہتے ہیں کیونکہ وہ عمر کی غیر موزوں کی ماں  
 لگی بات نہیں کہہ سکتے تھے۔

لیون اور ہی تھی کہ ہم یہ کچھ چھوڑ دیں گے مگر کون  
 چاہیں گے یہ اس کو نہیں بتا تھا۔ یہ عقوبت نے سنی  
 بیٹھ دیا کہ وہ رحیم سے جو خرچ مریم کا لے گی وہ سارا  
 ان کے حوالے کر دیا جائے۔ مجبور ہو کر مومن نے  
 الماری سے پیسے نکال کر صدف کو دکھائے۔ تاکہ اس  
 کے بھائیوں کو یقین ہو کہ اس نے پیسے کسی بھی موزوں  
 بھجوا دیے تھے۔ یہ دیکھ کر وہ بھائیوں کی  
 گردنیں شرم سے جھک گئیں۔ مریم رو رہی تھی اس  
 نے چپ کر دیا مگر وہ صدف کرنے لگی کہ اس کو پاپا کے  
 پاس جانا ہے مومن نے ہنسنے سے پہلے اسے بلایا مگر کافی سچ  
 مومن کی آنکھ کھلی تو وہ بخار میں تپ رہی تھی۔

میرا بھی! مریم کو بہت تیر بخار ہے، میرے پاس  
 دوائی کے پیسے نہیں ہیں، تھوڑے سے پیسے دے  
 دو۔"  
 صدف کے کہنے میں اتنی تو وہ بچوں کو  
 ہنسنے لگا کہ میں مصروف تھی۔  
 "صدف! پاس پیسے نہیں ہیں، تمہارے بھائی کے  
 پاس ہیں، وہ کہہ جب آنا ہیں گے تو لے لیتا۔ صدف  
 نے ہنسنے سے کہہ کر تپ کر ڈالا۔

مومن جو بھوکے کمرے سے باہر آئی تو فرحت  
 ساتے کھڑی تھی۔ رخسانہ کو بھی فرزانے کھنگ کر کے  
 رکھا تھا۔ مگر مومن کی حالت دیکھ کر اس نے اپنے قدم  
 گھمے نہیں نکالے تھے۔  
 رخسانہ نے الماری سے کہا "تم ٹھنڈے پانی کی  
 پیٹیاں اس کے ہاتھ پر رکھو، میں صدف بلا بھیجے  
 پیسے سچی آوں۔"  
 مریم بخار کی حالت میں بیٹا۔ بیٹا۔ پکڑ رہی تھی۔  
 رخسانہ کو بھی جب صدف نے پیسے دینے سے انکار  
 کر دیا تو مومن نے فرحت کے گھر لڑائی لپک کر فرحت  
 کو گھر لے آئی۔ مومن ساریہ کے گھر لے گئے۔  
 مگر مومن مریم کے ہاتھ پر دن بھر ٹھنڈے پانی کی

پیٹیاں رکھتی رہی مگر بخار اترنے کا نام ہی نہیں لے رہا  
 تھا۔  
 شام کو یعقوب بھائی جب گھر آئے تو اس نے پیسے  
 مانگے مگر انہوں نے یہ کہہ کر بات ختم کر دی کہ انہوں  
 نے پورے کے سلسلے میں کسی سے اوجھار لیا ہوا تھا۔  
 وہاں کسی کو ادا کر کے آئے ہیں۔ اس وقت ان کے پاس  
 پیسے نہیں۔

"تم رحیم کو فون کر کے اطلاع دے دو کہ تمہیں  
 پیسے چاہئیں وہ بھجوا دے گا۔" صدف نے مکرار کرنا  
 شروع کیا۔  
 رات بیت ہی تھی مگر مریم کا بخار اترا۔ مجبور  
 ہو کر اس نے تینہ سال کے بعد رحیم کے نمبر پر کال کی۔  
 دو سڑی طرف رحیم نے فون اٹھایا مومن نے  
 پچھتائے ہوئے اسے بتایا کہ تھوڑے پیسوں کی  
 ضرورت ہے اس نے مریم کے بخار کے معلقہ بات  
 بتانا مناسب سمجھا۔

رحیم نے مریم کا حال دریافت کیا مگر مومن نے  
 دوسرے فون کاٹ دیا۔

رحیم سمجھ گیا کہ مومن کسی مسئلے سے دوچار ہے۔  
 اس نے اپنے بھائی سید کے ہاتھ بچوں بڑا مومن کو  
 بھجوا دیے تھے۔

"ہاں۔ ہاں۔ میں بھی کو کیا ہوا؟" فرزانے مریم  
 کو گود میں اٹھاتے ہوئے کہا تھا۔ اس وقت جب  
 یعقوب نے اس کو اطلاع دی کہ رحیم نے پچاس ہزار  
 بھجھے ہیں۔

صدف بھابھی نے فرزانے کی باتوں سے مریم کو  
 اٹھانا چاہا مگر مریم کے دہن سے وہ اس کو اٹھانے کی تو  
 یعقوب نے اس کو گود میں اٹھایا اور اسپتال لے گئے۔  
 مگر مریم کے زہن پر بالیہ بلانے کے الفاظ تھے مومن کی  
 آنکھوں میں آنسو تھے۔ یہی ایک بات ہے اس کے  
 بھائیوں کو مریم کی کوئی فکر نہ تھی انہوں کو لایعنی  
 وہ مریم سے لایعنیار کر رہے تھے اس کی آنکھیں بھر

آئیں کہ وہ پھول سے مریم کے لیے سب رشتوں کا  
 پیار لگی خریدے تو یہی وہ پیار سچا نہیں ہوگا جیسے  
 رحیم۔ اس کے باپ کا ہے۔

ساریہ کو ڈسچارج کر دیا گیا ساریہ مگر جی عمر نے  
 ہنس سے پھٹیاں لے لی تھیں۔

"بیٹا! اٹھے ماما کے ہاتھ سے سوپ پینا ہے۔"  
 ساریہ نے صدف کو لے لیا تھا جب عمر نے اس کو اپنے  
 ہاتھوں سے سوپ پلایا تھا۔

"نفس! بچوں میں کلام کر رہی ہوں گی، تم جی جلدی  
 سے سوپ کھو، میں پالنے والی ہوں۔" عمر نے اس کو  
 سوپ پلانے کی کوشش کی۔

ساریہ روئے گی تو عمر مجبور ہو کر فرحت کے پاس  
 پہنچ گیا۔ اس نے فرحت کو ساریہ سے اور رہتے  
 کو لے لیا تھا۔ سوپ بھی اس نے ساریہ کے لیے خود تیار  
 کیا تھا۔

ساریہ نے اپنی کو لے لیا۔ وہ روئے گی ضرورت  
 سے عمر رحیم سے بات کرے۔ صدف نے ایک ہفتے  
 کے بعد مومن سے حیات کی۔

"پیارے بھائی! اتنی بڑی رقم میں سے ماما کتنی  
 ہوں۔ ابھی پچھلے ہفتے ہی رحیم نے پچاس ہزار بھجھے  
 اس کا بھی کوئی حساب آپ لوگ نہیں دے رہے  
 ہیں۔" مومن نے خشکی سے جواب دیا۔

"تمہاری بیٹی کی ادویات پر ہی خرچ ہوتے ہیں۔"  
 صدف نے نظروں پر آ کر کہا تھا۔ مومن خاموش ہو گئی،  
 لیکن اس نے صدف کو دیا کہ جس کو بھی پیسوں  
 کی ضرورت ہے وہ رحیم کے پاس جا کر اوجھار لے لے،  
 وہ رحیم سے کوئی چیز نہیں مانگے گی۔

صدف پر کھلائی۔ "پچھلے دنوں اوجھار کیا؟"  
 مومن پھٹ پڑی۔  
 "تو کیا میں آپ لوگوں کے لیے پرائی آوں۔ مجھ  
 سے تو آپ ایک ایک چہرہ وصول کر رہے ہیں۔"

"ابوہو۔۔۔ تم بات کو سمجھ کیوں نہیں رہی ہو؟" صدوف نے مومنہ کو ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔  
 "کیا سمجھانا چاہتی ہیں۔۔۔؟" اس نے خفگی سے پوچھا۔  
 "مومنہ! رحیم سے پیسے وصول کرو۔ اس نے سدرو کو تمہارے اوپر توفیق دی۔ اس کی جائیداد پر مریم کا حق ہے۔ اس سے اپنا حق مانگو۔" صدوف نے کہا۔  
 مومنہ کے منہ میں آگئی۔ صدوف نے پہلے بھی اسے بچکانہ کر اس کا گھر بھرا دیا تھا مگر وقت کے ساتھ ساتھ اسے حاصل آچکی تھی۔



وہ اپنے ہی گھر میں خود کو برباد سمجھ رہی تھی۔ گھر کا باجول عجیب سا بنا ہو گیا۔ مردوں آئیں نہیں گیا تھا اور سارا وقت سوئیا سامریہ کے ساتھ ساتھ رہا۔ وہ فرحت کا سامریہ بھی سامریہ کے قریب پرورش نہیں کرتا تھا۔ فرحت بری طرح ٹوٹ چکی تھی۔ عمر کے روپے سے ظاہر تھا کہ وہ اس کو گھر میں بھی بمشکل پرورش کر رہا تھا۔  
 عمر گھٹتی ہی گھٹتی رہا۔ بار بار ہنگامہ و کنگ میں آئی تو اس نے مرنے کو چاہا۔ مومنہ کو برا نہیں لگتا۔  
 "میں گھر چھوڑ کر جا رہی ہوں۔ اس گھر میں شاید میری کوئی ضرورت نہیں رہی۔" وہ آنسو بہا کر بولی تھی۔

عمر نے کوئی جواب نہ دیا۔  
 "میں سوئیا کو ساتھ لے کر جانا چاہتی ہوں۔" اس نے لڑنی کو آواز میں کہا۔  
 عمر نے پلٹ کر دیکھا۔ ابر غصے سے بولا۔ "وہ میری بھی بیٹی ہے۔"  
 "میں اکیلی ان کے گھر جاؤں گی تو شاید وہ فکر مند ہو جائیں گی۔ تم اہل کی طبیعت سے واقف ہو۔" اس نے کاٹھینے ہونٹوں سے کہا تھا۔  
 "سوئیا جانا چاہتی ہے تو لے جاؤ۔" اس نے بھی

غصے سے جواب دیا۔  
 فرحت سوئیا کا سامریہ بیک کرنے لگی۔  
 "مجھے نالی جان کے گھر نہیں جانا۔" سوئیا نے صاف انکار کر دیا۔ "وہ میری نالی نہیں ہیں۔ سامریہ کی نالی ہیں۔" اس نے خفگی سے کہا تھا۔  
 "کیوں۔۔۔ وہ تمہاری نالی کیوں نہیں ہیں؟" وہ سوئیا کی بات پر حیرت زدہ ہی رہ گئی۔  
 سوئیا نے خفگی سے کہا۔ "آپ میری سگی ماما نہیں ہیں۔ آپ سامریہ کی سگی ماما ہیں۔ میں نے اس دن آپ کی کور مومنہ آئی کی بات سن لی تھی۔ آپ جب ان سے کہہ رہی تھیں کہ میں نے سامریہ اور سوئیا میں کوئی فرق نہیں سمجھا۔ مگر سامریہ کو زیادہ پیار بھی کبھی کروتی ہوں۔ وہ آپ کی سگی بیٹی ہے۔ اس لیے میں نے سوئیا کو بھلا کر اپنے دل کی بات کہہ ہی دی تھی۔ فرحت کو یوں لگا جیسے اس کے جسم میں سکت ہی نہیں رہی۔  
 عمر سوئیا سے پوچھنے کے لیے اس کے کمرے میں آیا تھا۔ سوئیا کی بات سن کر وہیں کھڑا رہ گیا۔  
 اس نے فرحت کو کتنا لالچ سمجھا تھا۔  
 جس نے اپنی سوئیا جی کو اتنا پیار دیا تھا کہ اس کی اپنی اولاد اس کو سوئیا ہی سمجھنے لگی تھی۔ وہ شرمندہ ہو گیا۔

فرحت کی آنکھیں بھر آئیں۔  
 "آپ مجھے بتائیں کہ میری ماما کون ہیں۔" مجھے اپنی ماما کے پاس جانا ہے۔" سوئیا رو پڑی۔  
 فرحت نے اس کو پیشے سے اکایا اور روتے ہوئے کہا۔  
 "بیٹا! تم میری سگی بیٹی ہو۔ اور سامریہ۔۔۔ اس نے بات اور سوئیا کو چھوڑ دی اور بولا۔  
 "اسے ہلکا سے بوجھ لو وہ تمہیں بچتا ہے۔"  
 وہ اپنی سگی بیٹی کے سامنے بے بس کھڑی تھی۔  
 عمر کی آنکھیں بھر آئیں۔  
 سوئیا نے دوا دہانہ کھولا تو سامریہ عمر کو پالیا۔ وہ عمر سے پلٹ گئی۔

بیٹا۔۔۔ مجھے بتائیے میری ماں کہاں ہے؟ میں کس کی بیٹی ہوں؟"  
 عمر نے اس کا ہاتھ چوم کر اس کو یقین دلایا کہ فرحت سچی کہہ رہی ہے۔ وہ بھوت بھوت کر رہنے لگی۔  
 اسی وجہ سے وہ روز بھٹکا کرتی تھی کہ سامریہ اور اس کی ماں کو پایا گھر سے نکال دیں۔ اس نے عمر کو بتایا کہ فرحت نے سامریہ کو پیچھے بٹھایا تھا تو سامریہ کا پاؤں چس لگ گیا تھا۔  
 عمر کتھ میں آ گیا۔ فرحت نے سہانے لہجے میں اور لڑنی کو آواز میں بولا۔  
 "سوئیا! تم میرے ساتھ آ رہی ہو یا پھر میں روٹنا چاہتی ہوں؟" اس نے دوا دہانہ کھول کر پوچھا تھا۔  
 سوئیا خاموشی سے فرحت کے ساتھ چل پڑی۔  
 عمر میں اتنی ہمت بھی نہیں تھی کہ وہ فرحت سے کوئی بات کر سکتا۔



وہ دنوں میں سوئیا کے ساتھ ڈھکی چھپی حساب اس کو کر رہی اور مومنہ اسے شہر پر نظر آتے۔ فرحت نے مومنہ کو پکارا اور زمین سے اتر کر پوچھنے لگی۔  
 "تھکنے جا رہی ہو؟"  
 مومنہ نے کہہ کر کہا۔ "میں اپنے گھر جا رہی ہوں۔"  
 پھر اس فرحت کو سامریہ بات بتا دی کہ ننگے صدمہ لے کر اس کا بیٹا قراہ کر رہا تھا۔ اس نے مومنہ سے چچا کر رحیم سے مریم کا حصہ لے لیا تھا۔ مومنہ سمجھ چکی تھی کہ اب اس گھر میں اس کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ سوئیا جی کے مستقبل کے لیے اس نے قدم قدم اٹھایا۔  
 "ماما! مریم اپنے پیپا کے پاس جا رہی ہے۔ مجھے بھی اپنے پیپا کے پاس ہی رہنا ہے۔" سوئیا نے کہا تو فرحت کم عمر کی کھڑی رہ گئی۔ اس کے قدم پھر زمین کی طرف نہ ہلا سکے۔  
 مومنہ اور مریم ریل پر سوار ہو گئیں۔ وہ اپنی ہوشیال پانے کے لیے اپنے خفگی کھرا رہی تھیں۔  
 فرحت اور سوئیا نے بھی اپنے قدم کھری طرف

بڑھانے۔  
 فرحت گھر پہنچی تو عمر نے سامریہ کا سامریہ بیان دیا اور اسے تھا۔ وہ سامریہ کو بھی فرحت کے پاس بھیج رہا تھا۔  
 سامریہ کو سامریہ حقیقت کا پتہ چل گیا تھا۔ وہ رو رہی تھی۔ کہ اس کی وجہ سے اس کی ماما پر اہرام لگایا گیا۔  
 فرحت کو دیکھ کر وہ اس سے پیٹ گئی۔ سوئیا بھی ماں کے گٹھے لگ گئی۔  
 عمر خاموشی سے کمرے سے نکل گیا۔ وہ پشیمان تھا۔  
 فرحت سے نظریں نہیں ملا سکتا تھا۔  
 "عمر! ایسا زارتے پیکن لے آئیں۔ میں نے سوئیا کے لیے حلیم۔ اور سامریہ کے لیے بیوی تیار کر لی ہے۔" وہ اسی طرح مسکراتی ہوئی جیسے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔  
 عمر کا کارہ گیا۔

"ماما۔۔۔ آج ہماری رشتہ کا نہیں۔ آپ بیابا کی پسند آ رہی ہیں۔" مومنہ کا لالچ۔ سوئیا اور سامریہ اس کر پڑیں۔  
 "تھکنے، آج بیابا کی پسند کا ہی ہے۔" مومنہ نے کہا۔  
 "میں بیابا کو اپنے لیے ہی تیار کرتی ہوں۔" مومنہ نے مومنہ کی طرف دیکھا۔  
 "مومنہ! اس کی کیا بات ہے؟ مومنہ! اس نے فرحت کو آواز میں لیا۔  
 "فرحت! کیا تم مجھے صوف کر سکتی ہو؟"  
 "اگر مومنہ بیابا کو اسے تو چلائی جا رہی ہے۔ روت کھانا نہیں ملے گا۔" فرحت مسکراتی ہوئی۔  
 فرحت نے باز کالی تو اس کی آنکھیں بھر آئیں۔  
 اس نے اپنی بیٹیوں کو دیکھا۔ جو کھیل میں مصروف تھیں۔ فرحت نے آنسو پونچھے۔ اس کے دل سے دعا لگی کہ اس کی بیٹیوں کی جب بھی آنکھیں بھر آئیں تو اس کا سبب صرف بیابا نہ ہو۔ رشتے میں سخی نہ ہو کیونکہ ایک گورت کی زندگی میں اس کے گھر سے بیابا کر کے نہیں ہوتا۔

# گھونٹا

محل ابراہیم، آقا ابراہیم اور مسرت بیگم کی خوب صورت اور طبع وار ہیں۔ بچپن میں ہی آقا ابراہیم کے انتقال کے بعد بایا آقا کریم اور بیچاؤں کے دھوکہ کرم پر ہے۔ مسرت سیدھی سادھی خاتون تھی۔ اس لیے اپنی سسرال کو گھر اور کاروبار پر قبضہ کرنے سے روک نہیں پائیں۔ جس کا تعلق محل کو ہے مگر بالوں خصوصاً آبی مستاب کا رویہ مال نہیں کے ساتھ بے حد ناروا ہے۔ اپنے تعلیمی اخراجات و مصدوریات کے لیے محل لیڈنیشن پیشتر میں رہتی ہے۔ آقا ابراہیم کے اس محفل نما گھر میں آقا کریم اور مستاب مافی کواد نشان و نیم سدرہ اور مرزن کے ساتھ مقیم ہیں۔ آقا ابراہیم کے بڑواں بھائی آقا عفران اور نضر بیگی کے تین بچے حسن، ندا اور سامیہ ہیں۔ سب سے چھوٹے آقا اسرار ناھضہ بالائی جنس روہا شیں بیوی ہیں۔ جن کے تین بچے آرزو، معین اور معاذ ہیں جبکہ رشید بچھوکی ایک صاحبزادی خاتون بھی ہیں۔ خاندان بحر میں مافی مستاب اور آقا کریم کے فرزند فواد کو خاص مقام حاصل ہے۔ آرزو خاتون اور ندا اس کے لیے خاص جذبات رکھتی ہیں۔ محل کو مافی مستاب کے خاندان کی اس دلچسپ رنگ کا بخوبی اندازہ ہے۔ وہ فواد کی توجہ حاصل کرنے کے لیے اسات ظہرانہ فوکر کی ہے تو وہ اس پر جوک جاتا ہے۔ آرزو سدرہ اور فائقہ کو اس کی خوب صورتی اور نہانت سے حد ہے۔

کان پڑھتے ہوئے ہر روز اسے ایک راستہ اور سادہ نام ملتی ہے۔ اس کے ہاتھ میں سیاہ جلائی کتاب ہے۔ محفل کی توجہ سیکھیم سے وہ لڑکی محفل کو مافی ہے۔ کہ اس سب میں مافی محفل، مستحکم، بالاجواہل ہے۔ اور اس شہید حالت آتے کرتے کرتے

# سکین بھارت



کرنے کا نسخہ ہے۔ محفل اسے سمجھ نہیں پاتی ہے۔ وہ لڑکی محفل سے کہتی ہے کہ ایک دن اسے اس کتاب کی ضرورت ضرور پڑے گی۔

محفل اتنا کہہ کر ہوتا ہی ہے کہ بہترین تعلیمی برکات اور برائے جلدی برائش کو نسل کی جانب سے نکلنے کی ادکار شہد میں جائے گی۔ وہ دراستہ حافت ہو جائے گی اس کو یہ پر سکون کا سانس لیتے ہیں۔ ایسا وہ نہیں سمجھتے کہ فریقان کا رشتہ سواد کے بجائے محفل کے لیے دیا جاتا ہے تو سب کو سنا ہے سو گنا جاتا ہے۔ نالی منتاب فوراً انکار کر دیتی ہیں۔ جس پر محفل اور مسرت کو مت رنج ہو آج ہے۔ فواد اس سے ہر وہی ختماتا ہے اور اسے فیکٹری میں آڑ شہد دینے اور جا ب کرتے کے لیے آنا جان سے بات کرتا ہے۔ جس پر وہ انکار کر دیتے ہیں۔ حالات تک آ کر محفل اس پر سزا لڑکی سے سار جلد والی کتاب لے آتی ہے۔ اس کتاب کو پڑھنے سے محفل ہی نالی منتاب سب کے ساتھ اسے رکھنا محفل چکرتی ہیں۔ محفل یہ چاہتا ہے کہ یہ تو قرآن مجید سے محفل سمیت سب رنگ رہ جائے ہیں۔ نالی منتاب اپنی بے عزتی پر بے حد تنگدلی ہیں۔ محفل ہمتیں آ کر یہ اقدام فرمائی کہ قرآن شریف واپس کر آئی ہے اور اسے سخت سختی سنائی ہے۔ اس دفعہ محفل پر وہ تو کئی بچی سی جاتی ہے۔

اتنا فواد سب سے جب کہ محفل کو فیکٹری لے جانے لگتا ہے اور اسے منج کر تا ہے کہ اس کا ذکر کسی سے نہ کرے۔ وہ اسے جس قیمت میں بیوات بھی دلا تا ہے تاکہ سدر کی منگنی پر وہ اپنی حیثیت کے مطابق نظر آئے۔ محفل اپنی ساواگی میں اسے فواد کی محبت سمجھتی ہے۔ حسین محفل کو فواد کے سامنے سے بھی دور رہنے کی تہنید کرتا ہے کہ محفل کو برا محسوس ہوتا ہے۔ سید میں میں فواد کا جھانسا رہے کہ فواد محفل کو اپنے ساتھ جانے پر تیار نہ کرتا ہے۔ راستے میں کسی ڈیل کے نہ ہونے پر نقصان کا ڈر مارا جا کر محفل کو کلاٹ کے اس بھیجتا ہے۔ وہاں جا کر محفل کو اتنا فواد کے اصل چہرے کا اور آگ ہوتا ہے۔ فواد نے اسے اس کی کتاب محفل کو بطور چارہ استعمال کیا تھا اس سورت میں محفل پتلا کر رہ جاتی ہے۔ وہ اسے بتاتی ہے کہ اتنا فواد اس کا بھائی ہے۔

دوسری قسط

اس کے ارد گرد جیسے دھماکے ہو رہے تھے۔ اسے بہت ڈر کا پتلا آتا تھا وہ گرتے ہی گئی تھی کہ وہ یوں نے اس کی دوسری کہنی سے پکڑ کر اسے کھڑا رکھا۔  
 ”اب سید بھی طرح بتاؤ کہ تم ہمیں بے وقوف بنا رہی ہو یا تمکے نے ہمیں بے وقوف بنایا ہے۔ تم محفل ابراہیم ہو اور وہ فواد کہ تم لوہے تمہارا سا بھائی ہے؟ اسنے عرصے سے لڑکیوں فراہم کر رہا ہے پہلے تو کبھی اپنی بہن کا سودا نہیں کیا۔“  
 ”نہیں۔“ اس نے بے یقینی سے نفی میں سر ہلایا۔  
 ”آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔ فواد بھائی میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے۔ آپ۔ آپ میری ان سے بات کرائیں۔ آپ خود یوں لہتا اور میرا دل بٹ کر رہے ہیں۔“  
 ”ہمیں لہکتا ہے۔“  
 ”ہر عام انسان کی طرح محفل کو بھی جھوٹ کی بھلی چٹکی عادت تو تھی ہی اور اسی پر لالی عادت کا مکمل حتماکہ خود بخود اس کے نہیں سے ڈنری جلد فیکٹری نکلا تھا۔“  
 کہیں لاشعور میں اسے احساس تھا کہ اگر وہ اپنے اور فواد کے خاص ڈنر کا کتنی تو وہ اسے بری لڑکی سمجھتے۔  
 ”راؤ صاحب! اتنا فواد کو فون ملا کر۔“  
 ”راستہ سرا۔“ راؤ صاحب اس پر ہنسی لگائے۔  
 ”اور پتھر کن رہیں۔“ اس نے کہا کہ کر ایک کہری نظر محفل پر ڈالی جو بے قرار اور ہراساں ہی راؤ کے ہاتھ میں پکڑے فون کو دیکھ رہی تھی۔  
 ”کی راؤ صاحب۔“ ایک دم کہہ کرے میں فواد کی

آواز گونجی۔ ”بھل پانچ گیارہ۔“  
 ”پانچ گیارہ ہے مگر پڑے کو از دست دیتے ہیں۔“  
 ”آپ بات کر لیں۔“ اس نے فون آگے بڑھا کر محفل کے گلے سے لگا لیا۔

”بیلو فواد بھائی! وہ روز ہی تھی۔“ فواد بھائی یہ لوگ مجھے غلط سمجھ رہے ہیں۔ آپ بیٹران کو۔“  
 ”کیوں اس مت کرو اور میری بات غور سے سنو۔“  
 ”جیسے وہ ڈانڈا رنگ چاہے یا نہیں؟ چاہیے ہے یا؟“  
 ”فواد بھائی! وہ غلطی کے گل چٹائی۔“ یہ میرے ساتھ پکڑنا کر دین کے۔“  
 ”وہ تو کہتے ہیں کہ وہ صرف ایک رات کی ہی تو بات ہے۔“ اب زیادہ بک بک مت کرنا صبح تمہیں ڈرا پور لینے آجائے گی۔“ ساتواں آستان اس کے سر پر ٹوٹتے تھے۔

وہ ساکت سی کھڑی رہ گئی۔  
 ”صرف ایک رات کی ہی تو بات ہے۔ صرف ایک رات کی ہی تو بات ہے۔“ اس کی آواز اس کے ذہن پر ہتھوڑے پر ساقی تھی۔  
 ”جس ایک ڈانڈا رنگ کا لارا بنا ہے اس نے تمہیں ڈرا کر تو کہتی ہو کہ وہ تمہارا بھائی ہے؟“ فون اس کے گلے سے ہٹا کر بند کر دیتے ہوئے ہلکوں نے وہ اسی طرح پتھر کا بے جان دستہ کی کہنی تھی اس کا کہن لگی تھی۔  
 ”راؤ صاحب! آپ نے کہا تھا کہ یہ واقعی فواد کریم کی بہن ہے یا نہیں اور اس کی بات میں کتنی سی جالی ہے؟ یہ تو ہم بچہ میں خود معلوم کر لیں گے۔“ مگر پتھر۔“  
 اس نے زور سے آواز دی۔

اس کے ہاتھ یا فون ہتھوڑے پڑنے لگے تھے۔  
 ساکت کھڑے وجود میں سے سبھی کتنی جان آہستہ آہستہ نکل رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے

اندھیرے میں بلبل چھاننے لگے تھے۔  
 ”میں نے سن دیا ہے۔“ اس نے کہا۔  
 ”میں نے اسے اور پڑے کے گلے میں بند کر دیا اور دھیان کرنا کہ بھاننے نہ پائے اور محفل۔“ اس سے پہلے کہ اس کا فواد محفل ہو گا محفل چکرا کر گری اور اگر اس نے اس کو لول بال دونوں سے تمام نہ رکھا ہو تو وہ پیچھے گر پڑتی۔

”محفل۔ محفل!“ وہ اس کا چہرہ چھتیا رہا تھا۔  
 اس کی آنکھیں بند ہوئی تھیں اور ذہن کھربے اندھیروں میں ڈوبتا چلا گیا۔

اس کی آنکھوں پر کچھ نمی ڈالی گئی تھی۔ سلیے بن کا احساس تھا یا کچھ اور اس نے ایک دم ہلکا کر آنکھیں کھولیں۔

”اندھ جو عجمت سولیا۔“ وہ گلاس سائیڈ بھیل پہ رکھ کر سامنے کھڑی بیٹھی تھی۔  
 ”چھوٹے اور غلطی خالی نگاہوں سے اسے سمجھتی رہی اور جب آہستہ آہستہ ذہن بیدار ہوا تو جیسے چونک کر سیدھی ہوئی۔“  
 ”وہ بیٹا سا پڑھتا تھا۔“  
 اور بھاری خوب سمورت پڑے۔ وہ ایک بیٹے پہ لٹی تھی اور اس کے لوہے پڑے اور وہ لالہ اور اقلہ سامنے کر سی یہ وہ اگڑے اگڑے تپو کے ساتھ ٹانگ پہ ٹانگ رہے بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا۔  
 اسے یاد آیا وہ اسے کبھی کہہ کرے میں بند کرنے کی بات کر رہے تھے جب وہ شاید بے ہوش ہو گئی تھی۔  
 اب وہ کدھر تھی؟ اور اسے کتنی دیر بیت چکی تھی؟ کدھر میں سب رشتان ہو رہے ہوں گے۔  
 وہ کھجور آ کر قدرے سیدھی ہو بیٹھی۔ وہ ابھی تک اسی سیاہ جھلساتی ساڑھی میں لیوس تھی اور یہ بیٹھن کی لگائی گئی ساری بیٹھن سے ہی کس کے گلے تھیں۔  
 ”م۔ میں کدھر ہوں؟ کیا وقت ہوا ہے؟“

گئی تھی وہ پریشان ہی لہو لہو دیکھ کر کہنے لگی تو سائے وال  
 کا ایک نگاہ پڑی۔  
 ساتھ سے کین بچ رہے تھے۔  
 ”ابھی صبح میں ہوتی اور آپ وہیں ہیں جہاں  
 آنے کے لیے فلو نے آپ کو ڈاکٹر تک کالنگ دیا  
 تھا۔“  
 ”مجھے فواد بھائی نے ایسا کچھ بھی نہیں کہا تھا انہوں  
 نے کہا تھا کہ میں فائل سائن کروا کر واپس آیا ہوں۔  
 میں جھوٹ نہیں بول رہی۔“  
 ”میں کیسے مان لوں کہ فریج کہہ رہی ہو آقا فواد کو کتنا  
 ہے کہ تم اس کے گھر میں پہنچنے والی ایک سیم لڑکی ہو نہ  
 کہ اس کی بہن۔“  
 ”سیم ہوں تب ہی تو تم جیسے عیاشوں کے ہاتھ بچ  
 ڈالا اس نے مجھے جو میرا گانا لیا اور بھلی تھا۔ تم سب  
 گدھوں کا بس پیسوں پہ ہی تو چلتا ہے۔“ وہ پھٹ پڑی  
 تھی۔  
 ”مجھے یہ افسوس اور جذباتی تقریریں سن کر نہیں  
 کرتیں۔“ وہ اب اطمینان سے سگریٹ سلگا رہا تھا۔  
 ”مجھے صرف سچ سنا ہے اور ٹھیک ٹھیک رشتہ میں تھانے  
 لے جا کر تمہاری بھلی اور چھوڑ دیا۔“  
 ”میں جھوٹ نہیں بول رہی۔“  
 ”مجھے صرف یہ بتاؤ کہ اس سے پہلے وہ تمہیں کتنا  
 شیر دینا رہا ہے گدھو گدھو دیکھا ہے اس نے تمہیں  
 اور تمہارے اس ٹینگ میں اور کون کون ہے؟“  
 سگریٹ کا ایک کس لے کر اس نے وہ حوالہ چھوڑا تو  
 نے بھر کر وہ حوالہ کے سرخوں ان دونوں کے درمیان  
 جائل ہو گئے۔  
 ”مجھ سے قسم لے دو میں سچ۔“  
 ”قسم لے لوں؟ واقعی؟“  
 ”ہاں لے لیں۔“  
 ”سو بندوں کے سامنے عدالت میں اٹھو گی قسم؟“  
 وہ ٹانگہ پہ ٹانگہ دگے بیٹھا سگریٹ بول میں دہائے  
 کس لے رہا تھا۔

”میں تیار ہوں مجھے عدالت میں لے جا کر اس  
 پہ سید پرانے کو تیار ہوں۔“  
 ”وہ تب ہو گا جب میں تمہارے کہے پر یقین کروں  
 گا۔ یقین جو ابھی تک مجھے نہیں آیا۔“ اس نے  
 سگریٹ اٹھ کر تھپے۔ جھٹکی۔ راکھ کے چند ٹکڑے  
 ٹوٹ کر گرے۔  
 ”میں سچ کہہ رہی ہوں۔ میرا تم سے ٹینگ سے کوئی  
 تعلق نہیں ہے۔ مجھے فواد بھائی نے کچھ نہیں بتایا  
 تھا۔“  
 ”تم اسے پھانے کی کوشش کر رہی ہو میں جانتا  
 ہوں۔“  
 ”میں پلیز۔“ وہ لٹاف انداز کر پھر سے اترتی اور  
 کھنٹوں کے گل اس کے قدموں میں اٹھتی۔  
 ”اے ابھی بی صاحب؟ اس نے اس کے سامنے  
 دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔ ”میں لاطم تھی کہ آپ کا کیا  
 مقصد ہے کہ فواد بھائی کا کیا مقصد ہے میں میری  
 میں ڈنپہ جانے کے لیے تیار ہوئی تھی۔ میرا کوئی قصور  
 نہیں ہے۔“ اس کی کھلی شہری آنکھوں سے افسوس  
 ٹوٹ کر نکلنے لگا تھا کہ اس کی سیم لڑکی ہے۔“  
 ”اللہ کی قسم کھالے کے لیے آقا فواد نے کیا بتایا کیا  
 تھا؟“  
 ”وہی تھی پولیس آفیسر اور مخصوص طریقہ انداز۔  
 بتانا جس وجہ سے تھا اس کی زبان اس سے بڑھ کر  
 کبھی تھی۔ حمل کا دل چاہا اس کا تو بچ لے اور  
 اگلے ہی میل وہ اس پہ جھینگی اور اس کی گردن روتی  
 چاہی مگر ہاتھوں نے اس کی دونوں کھانیاں اپنی گرفت  
 میں لے لیں۔ اسی لمحے میں حمل کے وہ جانیں اس  
 کے گل سے رگڑے گئے۔  
 ”صرف آٹھ گھنٹیں نہیں تمہاری تو حرکتیں بھی  
 بلیوں والی ہیں۔“ وہ کھڑا ہوا اور اس کو کھانوں سے  
 پکڑے پکڑے ساتھ لے کر گیا پھر پھرتا ہے کہ کھانوں  
 وہ وہاں سے جا رہی۔  
 ”مجھے گھر جانا ہے۔ مجھے گھر جانے دو۔ میں تمہاری

منت کرتی ہوں۔“ وہ مڑ کر جانے لگا تو وہ تڑپ کر اس  
 کے سامنے آکھڑی ہوئی اور پھر تباہت ہاتھ جوڑ دیے۔  
 ”مجھ کو تو یہ نام ہو جاؤں گی۔“  
 ”میں نے کہا تھا لی انجھے۔“ جذباتی تقریریں سن کر  
 نہیں کرتیں۔ اس نے اپنے گل پہ لگا سا ہاتھ پھیرا  
 پھر اترتی مسکرایا۔ پھر کہہ ”تم راز رکھی ہو۔ میں  
 نہیں گھر جانے والا گا مگر ابھی نہیں۔ ابھی تم لوہری  
 رہو گی۔ کم از کم صبح تک۔“  
 ”میں بدنام ہو جاؤں گی اے ابھی بی صاحب رات  
 گزر گئی تو میری زندگی تباہ ہو جائے گی۔“  
 ”ہو جائے مجھے برا نہیں ہے۔“ وہ سگریٹ جھک  
 کر اٹھ کر اس کے پیچھے گدھو ڈنپہ کی طرف بڑھا۔  
 وہ ہاتھ جوڑے کھڑے رہ گئی اور دو روزانہ ہا ہا سے بند کر  
 کے جاؤں گا تھا۔ دو روزانے کی جانب وہ لپکی اور ڈور تاب  
 زور سے کھینچا وہاں سے بند تھا۔  
 ”دو روزانہ خور۔“ کھولا۔ ”وہ دونوں ہاتھوں سے  
 ڈور زور سے دو روزانہ بجانے لگی مگر جواب نہ دیا۔  
 وہ لپکی ہی نہیں۔“  
 ”فواد۔“ فواد اس کے ساتھ ایسا کر گیا تھا؟ اسے  
 نظر نہ آتا تھا اس نے کیا کیا لڑا تھا؟ فواد کا جواب نہ  
 چند روزوں کے عرصے میں اسے سچ ہوا؟  
 وہ کھنٹوں پہ سر دگے افسوس بھائی وہ شہید یاد کرتی  
 تھی جب اسے کھینچتے کھینچتے جو کھاتا اور چائے کا کپ  
 لیتے ہوئے اس کی انگلیاں اس کے ہاتھ سے مس ہوتی  
 تھیں۔  
 ”کم عمر خوب صورت اور ان چھوٹی۔“ آگے لے کما  
 فواد ہمارے ڈیٹا ہائیر پوری اترتی ہے۔“  
 تو وہ اس لیے چونکا تھا کہ کسی عیاش شخص کی بتائی  
 لگی بیٹھنے پر اس کے گھر میں پہنچنے والی وہ سیم لڑکی پوری  
 تھی تھی۔  
 ”میں خوب صورت ہو چکی ہوں۔“ اچھے جانتا نہیں  
 اس کے گھر کے کاشی اور پھر آ کر وہ ساری  
 تھی تھی۔

عاشق سے وہ جانتا تھا کہ اس کی کھڑکی گما سے اس  
 نے اس کو اس کی من پسند چیزوں کی جھلک دکھائی یہاں  
 تک کہ وہ جب اس کے گل قابو میں آگئی تو فواد نے  
 اسے لہو لہو دیکھا اور وہ بھی اتنی بے وقوف اور سادہ  
 تھی اسے پتہ نہ چلا۔ وہ اس کو اس میں لہو لہو اور  
 پھر اس کے سامنے اسے بچ رہا تھا اور کوئی کلمہ تو اس نے  
 گل سے لیا تو نہ تھا وہ تب بھی نہ سمجھ سکی؟  
 اور اب یہ شخص وہاں وہاں نہیں جانتی تھی کہ یہ  
 آدمی کون تھا اس سے یہ سب باتیں کیوں ہو چھ رہا تھا  
 اور اس کا کیا مقصد تھا اسے صرف علم تھا تو اتنا کہ اگر  
 رات بہت تھی تو اسے کوئی قبیل نہ کرے گا اور قبیل  
 تو شاید اب بھی کوئی نہ کرے۔ کوئی فواد کے خلاف اس  
 کی بات پہ نہیں نہیں کرے گا۔ کوئی اسے لے کر نہ  
 گئے گا اور فواد تو شاید سرے سے مگر ہی جائے کہ وہ  
 کبھی حمل کو اس نے گرا گیا ہے خدا یا نہ کیا کرے؟  
 اس نے بیگانہ چہ اٹھایا۔ کہو قدرے دھندلا سا  
 دکھائی رہا تھا اس نے لپکیں جھپکا مس تو اسوں کی  
 دھندلے ہوئی تھی۔  
 کبھی خوب صورت خوب صورتی سے آواز سے تھا۔ لپکی  
 فائن خوب صورت فریج اور بھاری لپکیں رہے۔  
 چوڑے باؤ ہو گی۔ کیا ان کے بچے کوئی لڑکی تھی؟  
 وہ بولوں کی طرف ڈوڑی اور کھٹکے سے انہیں ایک رخ  
 کھینچا۔ برہہ کھٹا ہوا گیا۔  
 یا ہر پیرس تھا اور اس کی دو خفیاں جلی ہوئی تھیں،  
 جن میں وہ بغیر وقت کے دو گن میں چوکنے دیکھ  
 سکتی تھی۔  
 اس نے گھبرا کر یہ وہاں پر گیا۔  
 ”اللہ تعالیٰ پلیز۔“ وہ رو کر نہا کرتے لگی اور جب حنا  
 کرتے کرتے کھٹک کی آواز ڈرنگ ٹھیل کے سامنے  
 آکھڑی ہوئی اور اپنا عین دیکھا۔  
 روئے سے سارا کامل بہ گیا تھا۔ چھبیں ستونم  
 اور قدرے بیٹھا تک رہی تھیں۔ جو ڈاڑھیلا ہو کر

گرنی تک آیا تھا اور لشکر یا انہوں کے بل سیدھے ہونے لگے تھے۔

حمل ایک مضبوط اعصاب کی لڑکی تھی، اس کے باوجود نولو کے اس بھیانک روپ کا صدور لاشعور تھا کہ شروع میں تو اس نے ہمت باردی اور اعصاب بجا رہے تھے، لیکن اب وہ کسی حد تک سوجنے سمجھنے کے قابل ہوئی تھی۔ نولو سے سارے بدلے تو وہ بعد میں پھٹکے کی انہی اسے اس اکھڑ اور سرد مہرے ایس بی کی قید سے لگانا تھا۔

اس نے اوجر اور دیکھا کچھ خاص نظر نہ کیا تو پھر وارڈ روپ کھولا۔ اندر مولد کیڑے لگے ہوئے تھے۔ اس نے کچھ ڈنگرز الٹ چلٹ کیے اور سوچ کر ایک کرنا شلوار نکالا۔ برائون کرنا اور سفید شلوار۔ سب سے پہلے اس نے ساڑھی کے بوجھ سے نجات حاصل کی، پھر اس کرتے شلوار کو پین کر یاں سیدھے کر کے بیڈ میں باندھے اور ہاتھ دھوئے جا کر منہ اچھی طرح دھویا، باہر نکلنے کے لیے کسی روزانہ کو تلاش کی اس کی نگاہوں کو ہاتھ دھو کر کوئی کھانسی اور عارضہ نظر نہ آیا تو وہ کسی کپڑے سے ہاتھ دھو کر ایک دم چلا گیا۔

ایک دیوار پر شیفٹ تھا، اس میں شیشے اور شیشے کا سلمان رکھا تھا۔ شیفٹ کا اندر سے رنگ ہلکا دیوار سے تریاں چکنا سیدھے تھا۔ چلا کیوں؟

وہ قریب آئی، سارا سلمان نیچے اتارا اور پھر پتھر اندر دیکھتے ہاتھ پھیرا تو احساس ہوا کہ اس خانے کے پیچھے دیوار نہیں بلکہ کارڈ بورڈ کے سفید پھٹے تھے جو میٹروں سے جڑے تھے۔ میٹروں کی اور تانہ لگ رہی تھی۔

آگے کا کام بہت آسان تھا۔ اس نے سارے تل کھول دیے، تاکہ آواز باہر نہ جائے اور تھوڑی سی محنت کے بعد پھٹے کھینچ کر انار لیسے۔ وہ جلدی میں لگائے لگ رہے تھے، سوا سے زیادہ زور نہیں لگاتا پرا تھا۔

ان کے پیچھے کھڑی تھی، اچھا، خاصی بوڑھی تھی۔

وہ اس میں سے با آسانی گزر سکتی تھی۔ سیدھے نظر ہی ہو کر حمل نے کھڑکی کھولی اور جب ہر جھانکا تو ایک لڑکی کو دیکھ کر جھکا۔ کھڑکی سے دو فٹ کے فاصلے پر دیوار تھی۔ گھر کی چار دیواری کھڑکی اور چار دیواری کے درمیان صرف خلا تھا اور نیچے سمت نیچے کا فرش قلمیہ اس گھر کی ناکھا، قیری منڈیل، موندھی، شاید ہی لے انہوں نے کچھ سے کچھ لگا دیے تھے، آواز نہ دے گا کہ وہ یہاں سے نہیں نکل سکتی۔

اس کا بل ڈوب کر ابھرا۔ یہ آخری راستہ بھی بند ہونا نظر آیا تھا۔ وہ اب اس ہی طرف بند کر کے کھڑکی بند کرنے ہی تھی کہ سانس میں ابھی سی آواز سنائی دئی تھی۔

"آپ صحن میں کیا کر رہی ہیں؟"

"ہائیکو اور میرے مہاراج نے کہا تھا کہ انہی مارنگ منہ لگا اس پر کہ گریپ ٹیکس کروں تو آواز آجی نکلتی ہے وہی کر رہی تھی۔"

لڑکیوں کی باتیں کرنے کی آواز میں بہت قریب نہیں تو بہت دور تھی، صحن میں وہ پوٹلی اور گھرا ہوا کھانسی لاشعور تھی۔

باہر کا منظر قدوسے واضح ہوا۔ کھڑکی سے دیوار کے فاصلے دو فٹ کا تھا، مگر وہ دیوار کی منڈیل تھی اور وہ آواز میں نہیں پھٹے تھے، صحن میں تیرا ہے آ رہی تھی۔ بالکل برابر سے تھی اس ہاتھ روم کے برابر مانتے گا صحن تھا۔

اگر وہ یہ دیوار چھتا جائے تو؟

اس اچھوتے خیال نے ذہن میں سر اٹھایا تو اس نے نوٹے اتارے اور نیچے جھانکا۔ اگر گھر کی تو نہیں ہے کئی مگر موت اس وقت سے تو بہتر ہوگی جو موت یا اس سے بھی بدتر گھر چھپنے سے اسے اٹھائی پڑی تھی۔

اس نے دونوں ہاتھ جو کھٹ پھٹے رکھے ہی تھے کہ گھر کے کارڈ بورڈ کسی نے زور زور سے کھینچا یا۔

دو واڑے کی وہ اندر سے کھڑکی لگا چکی تھی، سوا کھول

تہا رہے تھے یقیناً کسی نے منہ کھا لے کی آواز سنائی تھی۔ وہ لے بھر کو بھی نہ گھبرا کر لڑکی اور ہاتھ دیکھا کر دیوار کو کھولا۔ وہ قریب ہی تھی۔

"اللہم۔ انمول۔" برابر والے صحن میں وہ کھڑکی تھی، آگے اور لے اس کی مدد کر رہی تھی آواز اندھیری فضا میں گونجتی تھی۔

"اللہم جعل فی قلبی نوراً۔" (اے اللہ! میرے دل میں نور ڈال دے۔)

حمل نے دیوار پر دونوں ہاتھ رکھے اور نیچے دیکھے پتھر تو اس میں لوہر رکھ دیا۔

"دنی بصری نوراً۔" دنی سمی نوراً۔" (اور میری بصارت تو سہاوت میں نور ہو۔)

گھوٹے کی پیٹھی، سوار کی طرح سے دیوار پر بیٹھی اور نیچے دیکھا۔ صحن کی تین سمت قریب تھی۔ دیوار بھولتی ہی تھی۔

"وہی جیتی نوراً۔" وہی بساری نوراً۔" (اور میرے دامن اور میں میں تب نور ہو۔)

اس نے آہستہ سے لڑکی کا دلکاشی پر رکھا۔ وہ بلا آخری بار دیکھی کی ہمت سے آگے لے گیا۔ لڑکی نے گھر کو دیکھنے کی ہمت کر لی اور کوئی بھی نہ دیکھا۔ اس نے اپنے پاس لی ہاتھوں کا ڈور کا کھڑ تھا۔ بلکہ یہ خاتہ جس سے وہ کھڑکی لگ رہی تھی۔ اسی دیوار کے پار سے روکتی ہی تھی۔

"یقیناً کسی نے ہاتھ روم کی لائٹ جلائی تھی۔"

اپنی بے وقوفی سے اسے غصہ آیا۔ اسے ہاتھ روم کا کارڈ بورڈ کر کے تل کھول کر آنا چاہیے تھا مگر مادی لڑکی تو نہ تھی یا پھر اس لڑکی کی آواز کے نسوں میں کئی صوفی تھی کہ ہوش نہ رہا تھا۔

"وہی جیتی نوراً۔" (اور میرے لوہر اور نیچے لے ہو۔)

سارے ایک برنگ تھا جس کے آگے گھر لگی تھی لڑکی کا کارڈ بورڈ کھلا تھا اور وہ اسے سے کالی دور

ایک لڑکی دشمن پہ بیٹھی گھر سے نکل گئے۔ آج صحن ہتھ کے منہ لگاں رکھے کھڑکی تھی۔

"نولہی نوراً۔" وہی نوراً۔" (اور میرے آگے پیچھے نور ہو۔)

وہ دیوار کے ساتھ ساتھ گھٹنوں کے تل رہتی گھر تک آئی۔ وہ لڑکی دنیا و مافیہا سے بے خبر تھا مناجات میں غم تھی۔

"واجعل لی نوراً۔" (اور میرے لیے نور بنا۔)

حمل چاہ پیدا کیے بغیر کھلے دیوار سے اندر رینگ گئی۔ لڑکی اسی طرح گھر میں ہی تھی۔

"دنی سانی نوراً۔" (اور میری زبان و اعصاب میں نور ہو۔)

اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ اوجر کو دیکھا کھل گیا ساری آواز خالی تھا۔ بس دیوار ایک فریج پر ہاتھ اور اس کے ساتھ ہلکا دار الماری تھی۔ اندر صحن میں وہ مہاراج کے باہر اسے انتہائی نظر آیا تھا۔ بہت آہستہ سے کھڑکی اور دیوار کی طرف بڑھی۔

"وہی جیتی نوراً۔" (اور میرے گوشت اور لہجہ میں نور ہو۔)

فریج اور الماری کے درمیان جیسے کی جگہ تھی وہ جھٹکنا کے درمیان آ بیٹھی، مگر سارے ہی دوران تھا کہ لڑکی وہاں آئی تو سیدھی اس پر لگا پڑی۔ نہیں اسے یہاں چھپنے کی بجائے نیچے جھپٹنا چاہیے۔

"وہی جیتی نوراً۔" (اور میرے ہل اور کھل میں نور ہو۔)

اندر جانے والا دیوار بند تھا۔ اگر اسے کھولتی تو آواز باہر جاتی۔ وہ پریشان ہی کھڑی ہوئی۔ تب ہی ہلکا دار الماری کے جنڈل سے کچھ نکلتا نظر آیا۔ اس نے جھپٹ کر وہ انار سیاہ جھٹ کا لیا۔

اس نے چاند کی روشنی میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ چاہا۔

"واجعل فی نفسی نوراً۔" (اور میرے نفس میں نور ہو۔)



باہر وہ بے خبری ابھی تک دکھائی دے رہی تھی۔  
 اس نے لہانہ کھولا۔ وہ سیاہ مریا تھا اور ساتھ ایک  
 گرسے لگا کر فٹ محلے پر کچھ نہیں سوچا اور عیبیا  
 بیٹھے گئی۔ ابھی اسے احساس ہوا کہ وہ مروان کرنا  
 شلوار میں کھڑی ہے اور ننگے پاؤں ہے۔ وہ عیبیا بھی  
 اسے خیمت دکھا تھا۔

”وا اعظمی نورہ“ (اور میری ہڈیوں میں نور ہو۔)  
 اس کا روت کو اس نے بے شکل چہرے کے گرد لپیٹا۔  
 غارت نہ تھی تو مشکل لگ رہا تھا۔ اب اسے کسی طرح  
 بچے جا کر سڑک تک پہنچانا تھا۔ آگے اپنے گھر کا راستہ تو  
 آنکھیں بند کر کے بھی آتا تھا۔  
 ”اللہم اعظمی نورہ“ (اللہ مجھے نور دکھائے۔)  
 وہ اسی ترنم میں بڑھ رہی تھی۔ محلے تیزی سے  
 عیبیا کے بن بند گھر کے سکارف پہ ہاتھ پھیر کر  
 درست کر رہی تھی کہ ایک دم اسے بست خاموشی  
 لگی۔

بہتر گزرتی ہے۔ سب سہا ہو گیا تھا۔ شاید اس وقت کی  
 وہاں ہوتی تھی۔  
 اس نے قدرے گھبراہٹ، قدرے جلد بازی میں  
 تیزی سے سر دواڑ کھولنا چاہا۔ اسے یوں اس لٹکی نے پیچھے  
 گول کی رہ گھسیٹ کر قدم رکھا۔  
 ”السلام“ ”بیگم۔“ چونکہ یہی آواز اس کے  
 عقب میں ابھری تو اس کے بڑھتے قدم رُک گئے۔  
 دواڑ سے پہاڑ رکھے رکھے وہ گہری سانس لے کر  
 چلی۔

وہ سامنے شلوار قبض میں ملیوں ”سربہ وہ نہ لینے“  
 ہاتھ میں کتاب پکڑے ابھی نگاہوں سے اسے دیکھ  
 رہی تھی۔

محلے کا دل زور سے دھڑکا۔ وہ رکتے ہاتھوں پکڑی  
 گئی تھی ابلانے اب کیا ہو گا؟  
 ”وہ میں آپ کی آواز سن کر آئی تھی بہت اچھی  
 تلاوت کرتی ہیں آپ۔“

”علاوت تمہیں۔۔۔ وہ دعائے نور تھی۔ سہنی آواز  
 مجھے تک آ رہی تھی کیا؟“ لڑکی کا لہانہ سدا مگر حلقہ  
 قحط محل کا دان تیزی سے کھل کر رہا تھا۔ اسے کسی  
 طرح اس لڑکی کو پاؤں میں الجھا کر وہیں سے لٹکا تھا۔  
 ایک دھڑکے سڑک تک پہنچ جانے تو آگے گھر کے قدام  
 راستے آتے تھے۔

”خوب صورت آواز ہر جگہ پہنچ جاتی ہے میں  
 تلاوت سمجھ کر آئی تھی“ معلوم نہ تھا کہ آپ دعا مانگ  
 رہی ہیں۔“  
 ”دعا مانگ نہیں۔ یاد کر رہی تھی۔ آپ نے بتایا  
 نہیں آپ کا نام؟“  
 شام لٹکی سے گھٹی وہ لڑکی دو قدم آگے آئی تو کمر  
 سے چھین کر آئی چھانی میں اس کا چہرہ واضح ہوا۔

چھنی پیچیدہ رنگت۔ بے حد گلابی ہونٹ اور ہڈی  
 آنکھیں جن کی رنگت سرے سے بھران کی سی تھی  
 گولڈن کر سٹل۔ یہ پلا لٹکا محل کے دروازے میں لٹکا تھا  
 اور اسے دیکھتے ہی بڑھ کر گونجی تھی۔ بہت شہرت  
 ہے محل کو احساس ہوا تھا کہ اس نے اس لڑکی کو پہلے  
 نہیں دیکھ رکھا ہے۔ نہیں بہت قریب آئی کچھ وقت  
 پہلے اس کے لٹکے میں یہ وہ خوبصورت منہری آنکھیں  
 تھیں وہ شہرہ تھیں۔

”میں محل ہوں۔“ جانے کیے لہوں سے پھسل رہا  
 ”مجھے دراصل راستے نہیں معلوم تو جھٹک جاتی ہیں  
 ۔“  
 ”آپ باہل میں بنی آئی ہیں؟“  
 اور اسے امید کا ایک ہرا نظر آیا۔ وہ شاید کوئی گزرتی  
 باہل تھا۔

”جی نہیں شام میں ہی آئی ہوں۔“ یہ تو کرا اور اتنی  
 ہوں گھر مجھے جانے کا راستہ نہیں مل رہا۔“  
 ”مجھے آپ کے دروازے پر کھڑے رہنے ہی ہیں نا پھر بچے  
 ۔۔۔ اور آپ تھوڑے بڑھنے کے لیے آئی ہیں کی جتنی؟“  
 ”اے خود ہی کہہ کر مطمئن ہو گئی۔“ میں بھی تھوڑے  
 بڑھے۔

کے لیے بچے Prayer Hall میں جا رہی ہوں۔  
 آپ میرے ساتھ آئیے۔“  
 اس لڑکی نے آگے بڑھ کر دواڑ کھولا۔ پھر گزرتی  
 موڑ کر اسے دیکھا۔

”میں فرشتے ہوں“ انہیں۔۔۔ ”وہ دواڑ دیکھ کر  
 آگے بڑھ گئی تو محل بھی متذبذب کھڑے ہوئے۔  
 سامنے سڑک مرمر کی طویل ریلواری تھی۔ دائیں  
 طرف اونچی کھڑکیں تھیں جن سے چھن کر آئی چھانی  
 سے ریلواری کا سفید مرمرین فرش چمک اٹھا تھا۔  
 فرشتے ریلواری میں آگے تیز تیز چلتی جا رہی تھی۔  
 ”وہ ننگے پاؤں اس کے تعاقب میں چلنے لگی۔  
 مروان کھلے پاتھے اس کے پاؤں میں آ رہے تھے انگر  
 اور عیبیا نے ڈھانک رکھا تھا۔

ریلواری کے انتہائی پیڑھیاں تھیں۔ سفید چمکتے  
 سنگ مرمر کی سیڑھیوں کو گلابی میں بیٹھے پانی تھیں۔  
 اس نے شگاہ اسے نہ بڑھنے دیا۔ رات کے گھر پہنچنے  
 لڑکی کا سبک مہر رہے۔ مروان کھلی کھلی دواڑ  
 کھول کر اپنے خیر خیر پیڑھیاں اٹھانے لگی۔  
 تین منزلوں کے ایسے قسم ہوئے تو سامنے ایک  
 کشادہ برآمدہ تھا۔ برآمدے کے آگے بڑے بڑے  
 سفید ستون تھے اور سامنے ان نظر آتا تھا۔ پہلی چاندنی  
 میں برآمدہ میں تاریک سالگ رہا تھا۔

ایک کونے میں چوڑی بے حد چوڑی پیڑھیاں  
 بچے چوڑی رکھالی سے رہی تھیں۔ فرشتے ان پیڑھیاں  
 کی طرف بڑھی تو بے بھر کو وقت خوف آیا۔ وہ بے  
 حد چوڑی پیڑھیاں خاموشی سے تک جا رہی تھیں۔  
 ”مہم چھانی میں چند نہین ہی رکھتے تھے“ آگے سب  
 تاریکی میں کم تھا جانے کیا تھا ہے؟

فرشتے کے پیچھے وہ سچ کج نیم تاریک نے اترنے  
 گئی۔ بہت بچے جا کر فرش قدموں سے آیا تو محسوس  
 ہوا کہ بچے نرم سا تانین تھا جس میں اس کے پاؤں  
 چھس گئے تھے۔ وہ ایک بے حد طویل و عریض کمرے  
 میں کھڑی تھی۔ وہ کدھر شروع ہو کر ہر شہم ہو گیا تھا۔ کچھ

بچہ نہ چلنا تھا۔ وہ اور اور گزرتی تھی۔ اسے جس سے میں  
 آنکھیں پھاڑا تھا تو کدھر کھینے کی کوشش کرنے لگی۔  
 فرشتے نے پورا پورا ہاتھ مارا۔ تین دیوانے کی آواز آئی  
 اور اسے ہی سے جیسے پورا آسمان روشن ہو گیا۔ محل  
 نے گھبرا کر اور اور کھلنا۔

وہ ایک بہت بڑا سا پہلے قبلہ چھت گیر فانوس اور  
 ایساٹ الٹیس جگمگا اٹھی تھیں۔ ہل چھ اوپے  
 ستونوں پہ کھڑا تھا بے حد سفید ستون سفید دیواریں  
 رویشیوں سے جگمگاتی اونچی چھت اور دیواریں میں  
 اونچی گلابی دھند۔

”دشمن کی جگہ وہ سامنے ہے۔“ فرشتے نے اپنے  
 اوپے کی پین لگاتے ہوئے ایک طرف اشارہ کیا تو وہ جیسے  
 بچہ کی پھرتی کر اس طرف بڑھ گئی۔

دشمن کی جگہ نیم تاریک تھی۔ سنگ مرمر کی پیڑھیاں  
 اور سامنے تو نہیں۔ ایک ایک ٹائلوں تک باقی تھیں۔ ہر  
 ٹیلے کو سزا تھی۔ اسے بھی ایک جگہ پہنچتی اور جگ  
 کوڑھی گھومتی۔

تو انہوں نے اسے لٹکے پنا۔ محل اور ایچ کو سب  
 فراوانی ہو جاتا تھا۔  
 ”ستون“ کھلے دروازے سے فرشتے نے جھانکا۔  
 ”بیم اللہ بڑھ کر ہو کر لگا۔“

محل نے پونہی سربا دوا اور پھر اپنے کھلے ہاتھوں کو  
 دیکھا جن پہ ٹوٹی سے پانی نکل کر پھسل رہا تھا۔ وہ سر  
 جھٹک کر دھوکا کرنے لگی۔

فرشتے جیسے اس کے انتظار میں کھڑی تھی۔  
 محل اس کے برابر نماز کے لیے کھڑی ہو گئی مثالیہ  
 قیام پر رہتی تھی اس نے ہاتھ اٹھائے تو رات بھر کے  
 قلم نماظر ذہن میں تازہ ہو گئے۔ سوڑکی ایک تیز لہریں  
 میں ابھی تھی۔

دو جگہ وہی ”انتظار کا خون“ قزاق بے وقوف بیٹے  
 بل کا احساس۔ کیا کچھ فوٹو نے میں کیا تھا اس کے  
 ساتھ کہ اس کو کس کا نام کرنا؟  
 معلوم پھر کے دنا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو سامنے عمر

کی محرومیاں اور ناروا سزاؤں سامنے آنے لگیں۔  
 "میں کیا کرتا ہوں؟" انہوں نے کہا۔ "میں نے ایک طویل مدت سے میرے سامنے بیٹھے، جس دن ملا جس کی میں نے تمنا کی تھی، وہ ایک اچھی زندگی گزارنے کے لیے انسان کے پاس ہونا چاہیے۔ مجھے بھی وہی ملا جو لوگ جج کرتے ہیں۔ کیوں؟ میں میرے پاس وہ سب نہیں ہے جو لوگ جج کرتے ہیں؟"  
 اور جب دل نے کوئی جواب نہ دیا تو اس نے چہرے پہ ہاتھ پھیر کر اسوختگی کے طور پر اٹھایا۔  
 سامنے ٹیبل کے سرے پہ ایک بڑا سا بیچ بچا تھا۔ درمیان میں بیٹا اور کرسی رکھی تھی ایک طرف تھامنے پہ ڈالیں بھی رکھا تھا۔ شاید وہاں درس و تدریس کا کام چھی ہوتا تھا۔  
 کرسی کے پیچھے دیوار پہ ایک بے حد خوب صورت خطاطی سے مزین فریم آویزاں تھا۔ اس پہ وہ سرسری سی نگاہ اتنی ایک دم ٹھٹک کر رہی۔  
 خوب صورت عربی عبارت کے نیچے اردو میں خوشبودار کھٹا تھا۔  
 "یہ اس لوگوں کو چاہیے کہ اس پہ خوشی منائیں۔  
 قرآن ان سب سے بڑا ہے۔ جہنم میں لوگ بھی کر رہے ہیں۔" (یوسف علیہ السلام)  
 وہ ایک سخت چرخی تھی۔  
 "کیا دیکھ رہا ہے؟" فرشتہ نمودار سے دیکھ رہا تھی۔  
 "یہی کہ میں نے بھی ابھی ایسا ہی کچھ سوچا تھا۔ جو دوسرے لکھنے کے نتیجے میں آتی ہے۔"  
 "انفیق کی کیا بات ہے؟ یہ فریم اسی لیے تو دوسرے کا تھا کیونکہ تم نے آج تک یہاں کی بات سوچنی تھی۔"  
 "مگر فریم لگانے والے کو تو علم نہیں تھا کہ میں یہی سوچ رہی تھی۔"  
 "لیکن اس آیت کے انارٹھ والے کو تو تھا۔"  
 وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔  
 "کیا مطلب؟"  
 "جس نے قرآن اتارا ہے وہ جانتا ہے کہ تم نے

کب کہا سوچنا ہے عموماً یہ تمہاری سوچ کا جواب ہے۔  
 "نہیں۔" اس نے شانے اچانک سے "میں یہی سوچ کا اس سے کوئی تعلق نہیں میں تو بہت بگڑے ہوئے رہتی ہوں۔"  
 "مثلاً کیا؟" وہ دونوں لڑاؤ ہو کر بیٹھی تھیں اور فرشتے مت نرمی سے اسے دیکھ رہی تھی۔  
 "یہی کہ اچانک کسی بے قصور انسان پہ خواہ مخواہ معصیت کیوں آجاتی ہے؟"  
 "وہ اس کے اپنے ہاتھوں کی کمالی ہوتی ہے، ہم قلعا بھی بے قصور نہیں ہوتے حمل۔"  
 "مظاہرے لگائے لگائے میں نہیں مانتی۔" وہ جیسے ہلکا اٹھی۔ "ایک لڑکی کو اس کا گناہ کیا زور پڑ کر کہنے کے برائے ڈر کا چھانسنے کے اسے خوب بے سنورنے کا کہہ کر اپنے کسی عیاش دوست کے گھر لے جا کر ایک رات کے لیے بیچ آئے۔" یہ خواہ مخواہ کی معصیت خواہ مخواہ کا ظلم نہیں ہے کیا؟"  
 "نہیں۔" حمل نے بے یقینی سے پلکیں جھپکائیں۔  
 "تمہیں افسوس نہیں۔ اسی صورت حال سے تمہیں قرآن تعالٰی نے اسے بہت پہلے ہی سب جاوا تھا۔ یقیناً اس لڑکی کو یہ ظلم ہو گا کہ اسے ایک باغیچے کے لیے تیار نہیں ہونا چاہیے اس کے ساتھ ڈنپ لگیں جانا چاہیے لیکن یہی ہونا محرم ہے اور میرے بھی پتہ ہو گا کہ اسے اپنا جسم اور ہر اس طرح دھکنا چاہیے کہ کسی باغیچے یا باغیچے اس کے لڑکوں کو بھی علم ہی نہ ہو سکے کہ وہ اتنی خوب صورت ہے کہ وہ اسے "بیچنے" سے بچے۔" اب ہاتھ یہ ظلم ہے یا اس کے اپنے ہاتھوں کی کمالی؟"  
 وہ دھواں دھواں ہوتے چہرے کے ساتھ بنا ملک جھپکے فرشتے کو دیکھ رہی تھی جو سر جھکائے دوڑاؤ تھکی آہستگی اور نرمی سے کہہ رہی تھی۔  
 "اور یقیناً" اسے لڑکوں کے دھوکے میں آنے سے قبل کسی نے اللہ کے حکم سے اسے خبردار ضرور کیا ہو

کہ اس کے طہیرنے یا شاید کسی انسان نے تمہیں اس نے پھر بھی نہیں سنا اور اس کے باوجود اللہ تعالیٰ اسے عزت اور حفاظت سے رکھے یہ تو اللہ کا بہت بڑا احسان ہے۔ آؤٹ آؤٹ دیکھو کہ تمہیں کب سے ہم آتے ہیں۔ قصور ہوتے نہیں ہیں حمل، لیکن ہم خود کو سمجھتے ہیں۔  
 وہ کے جا رہی تھی اور اس کے ذہن میں وہ حمل کے ہو رہے تھے۔  
 "بچاؤ اس کا قطعاً تمہیں سے فوٹو کو حمل کے آسن میں کام کرنے سے منع کرنا۔ حسن کے الفاظ اور وہ تنبیہ جو سدھ کی منتفی ہونے کے لیے اس نے کی تھی۔ اس نے اپنی ماں میں کھائی دیکھی۔ اس پہ ایسے متحمل ہونے ڈر کے نشن تھے۔ یہاں حسن نے اسے خبردار کیا تھا۔  
 "میں۔ فرشتے! میں۔ واقعی مجھے۔"  
 "اپنی ماں کو اسے کسی کو گواہ نہیں بناتے حمل! نماز پڑھتے ہیں۔"  
 "چلو خبر کی اذان ہو رہی ہے۔  
 وہ سادگی سے کتنی پھر سے کہہ رہی تھی مگر حمل اپنی جگہ سے اٹھ نہ پایا۔  
 "میں نے ایک ایک کر کے تمام باتیں پھر سے یاد کرنے لگیں۔ فرشتے ٹھیک کہہ رہی تھیں۔ سب سے زیادہ تصور تو خود اس کا تھا۔ آخر فوٹو کی گاڑی میں بیٹھی ہی کیوں تھی؟ اس نے دل اور منہ سے اسے مل کا انتخاب کیوں کیا تھا؟  
 اس نے پھیلی آنکھیں اٹھائیں۔ فرشتے اسی سکون سے رکھیں میں کھڑی تھی اور سامنے وہی الفاظ چمک رہے تھے۔  
 "قرآن ان سب چیزوں سے بہتر ہے جنہیں لوگ مان کر رہے ہیں۔"  
 اس کا دل رو دیا تھا۔  
 کیسے تو جھٹکی سے اس نے اس سیاہ فام لڑکی کو اس کا منہ داپس کیا تھا۔ اس سے اس کی آواز میں کیسی

# موٹاپے سے نجات

کہا جاتا ہے کہ ہر بیماری کی جڑ طبیعت کی خرابی سے ہوتی ہے اور اسے دیکھنا چاہنا خواہش کو ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔  
 اسی امر کے لیے بہت سے نجات کیل۔ جھٹکیاں بھی پھیلنے کی خرابی سے ہوتی ہیں۔  
 خواہش کے ان تمام مسائل کا حل مولانا پھیلنا کا جو جو جانا ہے۔ گراہی اور صحت اور نیت کیل مہارت، چھپ، جھٹکیاں اور کرسٹ



Wahid /  
**Wahid**  
 واحد کا جو ہر ما ضم  
 قیمت = 80 روپے

Wahid /  
 0314-2984207-05  
 0314-2984207-05  
 Herble Lab Karachi-Pakistan

پہلے ہی تھی۔

لی ویلی پہ لڑان لگتی یا ملامت ہوئی تو وہ جھٹل بہل دیا کرتی تھی۔ یہ آواز کانوں پہ بوجھ لگتی تھی۔ سہاوارے پر دھکا سنا سنا سن لگتا تھا اور جھرتو سوائے سہاوارے کے اس نے کبھی نہ بڑھی تھی۔ اب وہی جھرتو ہونے کے لیے وہ فرشتے کے برابر کھڑی ہو گئی۔

"میرے اللہ تعالیٰ مجھے گھروالیں پہنچاؤ۔" وہ پھر سے روہیے کو تھی۔ "مجھے تیری قسم نہیں پھر کبھی فولد بخائی کے ساتھ کبھی تھا۔ کبھی ان کو اکیلے نہیں ملوانی۔ میں قسم کھاتی ہوں۔ آئی سوئے۔"

وہاں تک کہ درے پر سکون ہوئی تو پھر سے یہ ہاتھ پھیر کر آ گئی۔

"ایک بات پوچھوں فرشتے؟" وہ دونوں ساتھ ساتھ ہال کی بیڑھیوں پر چڑھ رہی تھیں۔

"قسم کھانے سے اللہ مان جاتا ہے؟"

"قسم کھانے سے اللہ مان جاتا ہے؟" وہ دونوں ساتھ ساتھ ہال کی بیڑھیوں پر چڑھ رہی تھیں۔

"اور اگر قسم کھالی جائے تو؟"

"تو ہر وقت جب اس کو ٹھاننا پڑتا ہے۔ آخری بار تو اس نے فرشتے اور اس پر لگی۔ کھولی آئی سیدھی قسم کھاتا کہ تاکہ یہاں سے رہائی ملے۔ یہ تم قاتل اور قاتل کا کام کرو گی۔"

"رہائی؟" برآمدے کی چوکھٹ پار کرتے محفل گزرتا ہی۔ دل زدہ سے دھڑکتا۔

جس سے ایسی مردانہ شکلوار کے پانچھینے زانہ اسے جرابا رہے تھے۔

"نفس دراصل۔"

"ہاں یوں کیا تھا روم کی کھڑکی ہماری بچت۔ کھاتی ہے۔ اس نے تمہیں یا تھا روم میں بند کر دیا تھا؟ میں اس سے بات کرنا کی اسے ایسے نہیں کرنا چاہیے تھا۔ تمہارا ساخک مزاج ہے کمزور کارا نہیں ہے تو۔"

"پھر اس کی شاکہ شکل دیکھ کر وضاحت کی۔ "ہاں یوں میرا فرسٹ گزن ہے۔ وہ برا آدمی نہیں ہے۔ کو۔"

اسی بل گیت کسی نے زور سے بجا یا۔ ساتھ ہی قتل بھی ہوئی۔ فرشتے نے کمری سہاں لی۔ "کو لڑکی۔" اور اس کا ہاتھ پکڑ کر گیت تک لائی پھر ہاتھ چھوڑ کر دو واں کھولا۔

"فرشتے اور ضرور۔"

"السلام علیکم اور یہ کیا غلط حرکت ہے؟ تمہیں مسئلہ اس کے گزن کے ساتھ ہے تو اس کو ہاتھ رلام میں کیوں نہ لیا تھا؟"

"بالکل ٹھیک کہ تھا ہے۔" وہ ہولنا ہنگامہ لگا رہا تھا۔

محفل سسم کر لہو ہے اوت میں ہوا گی۔ یہ تو وہی تھا۔ اس کی آواز پھاٹکی تھی۔

"وہ میرے ساتھ ہے مگر تمہیں اس سے عزت سے پیش آنا چاہیے تھا۔" فرشتے کے لہجے میں ہل ہل تھی تھی۔

قبل فرشتے سے راستہ دینے کے لیے جو کھٹ پار کر کے باہر تھی گی تو وہ دھڑکتے دل سے گیت کی اوت سے نکلی۔

ساتھ ہی وہ کھڑا تھا۔ یونہی روم میں بیوس، مکمل طور پہ تیار اکھڑتور اور ملتا تھا۔

"جب میں نے کہا اس کی تمہی کہ وہاں رہو تو تم نے باہر قدم کیوں نکالا؟"

"تو کر نہیں ہوا میں آپ کی جو آپ کا حکم ہاں۔ آپ ہیں کون مجھے حکم دینے والے ہاں؟" وہ بھی جواباً غرالی تھی۔

"وہاں؟ تم۔"

"زیادہ سنجال کر بات کریں اسے ایس بی صاحب! میں سب جگہ کھڑی ہوں تو راب آپ کا مجھے۔ کوئی زور نہیں ہے۔" اس نے گیت کا ناں مغرب علی سے پکڑ رکھا تھا۔

"تم۔" وہ کچھ سخت کتے کتے طیبہ کر گیا پھر فرشتے کی طرف پٹا پڑھا شو شہ سے سب دیکھ رہی تھی۔

"اس سے کہو کہ میرے ساتھ آؤ۔ میں اس کا دشمن نہیں ہوں۔"

فرشتے نے خاموشی سے وہاں کی بات سنی اور حسبِ لاجیب ہوا تو وہ محفل کی طرف مڑی۔

"اس کے ساتھ چلی جاؤ۔ یہ تمہارا دشمن نہیں ہے۔"

تھوڑے کئی رات دہلا سفید نل ہو اس کا گنہ گنا تھا مگر فرشتے اسے سجدہ نہ رہی تھی۔

اس سے متعلق جگہ اپنی خوب صورت آرائش کے ساتھ وہیں موجود تھا جہاں اس نے رات میں بند کھا تھا۔

"تینکس۔" وہ کہہ کر دی نہیں۔

ہاں یوں ساتنے کھڑی پولیس موبائل کی ڈرائیونگ سیٹ سنجال چکا تھا۔ وہ آج سے چلتی ہوئی آئی اور فرشتہ ڈور کھول کر نشست سنجال۔

"آپ مجھے میرے گھر لے کر جا رہے ہیں؟"

"تمیں۔" سرو سے انداز میں کہہ کر وہ گاڑی سڑک پہ ڈال چکا تھا۔

"پھر پھر تم کہاں جا رہے ہیں؟"

"تھا ہے!"

"مگر مجھے گھر۔"

"لی لی! مجھے بحث پندہ تمیں ہے خاموش رہو۔"

حسن مغلوب ہاگھاس۔ نسل و باہلہ بار بار اپنے  
میل فزون پہ کوئی نہیں رہیں کرمان جیسیلا سا رہا تھا۔ حکم  
اپنے سرے میں تھا اور۔

قوتو! آتا جان کے برابر کر ہی والے اختیار پھیلائے  
سر سری سامطالہ کر رہا تھا۔ گاہے گاہے نگاہ اٹھا کر  
سب کے چہروں کے اثرات دیکھ لیتا۔ اس کے ہمدراز  
میں اطمینان و سرشاری تھی۔

بس ایک حسرت تھیں جو چمن میں کر ہی۔ بیٹی  
خاموشی سے آنسو بہا رہی تھیں۔ ان کی ساری زندگی  
کی ریاضت و اننگلی تھی۔ عمل کل آئینی جانے کا  
کہہ کر یا ہر نگلی تھی اور جب شام تک اس کی روایتی نہ  
ہوتی تو ان کا دل جیتنے لگتا تھا۔ کتنے نکل پڑھ ڈالے۔ کتنی  
وغائیں کر لیں۔ کتنی دلیہاں تھیں۔

بات چیتنے والی کہاں تھی بھلا سب کو خبر ہوئی تھی۔  
آتا جان تو سرور خیز و غضب من گئے تھانے جانے  
کی بات کی تو فواد نے ہی انہیں سمجھایا کہ گھر کی عزت  
و اونے لگانے کا فائدہ تھوڑی ہی روزی انتظار کر لیتے ہیں۔  
حسن اور اسد چھ ماہی رات سے بیچتاوں آمروہ  
تھاؤں اور سرور کو اپنے ساتھ رہے تھے۔ مگر جب تینوں  
بچے کے قریب وہ تمام لوگ نہ تھوڑی کیا صاف اہم کچھ  
تھی۔

موروں کی مستحق خیر نگاہیں۔ مہلوں کے طاقت  
بھرتے فقرے حسرت کو اپنی دھن میں لڑتے ہوئے  
مٹھوس کی ہوتے تھے۔ وہ اسی وقت سے روئے چلی جا  
رہی تھیں۔ کوئی معافی کوئی دہائی نہیں بس آنکھ میں  
آنسو اور لبوں پہ وہ ایک ہی دعا کہ عمل کی لاش کسی  
ہسپتال کسی شہر نالے مل جائے مگر وہ نہ ہو جو ان کی  
ساری ریاضت ضائع کرے۔

"بھانگ تھی کسی کے ساتھ ارے میں تو پہلے ہی  
کوتی تھی۔" سچ کا سونے طلوع ہونے لگا تھا جب تائی  
مستاب کی کواڑ پان میں سنائی دی۔

"شک تو تھے ہی کی ہے۔" نغمہ چینی نے ہلہو سی  
سرگوشی کی۔ وہ سب رات سے جاگ رہی تھیں۔  
البتہ حسن کے علاوہ دوسرے لڑکے لڑکیاں بھر پور نیند

لے کر ابھی میدان ہوئے تھے۔  
"یاس! آتا جان ایک دم دھالے اندر چمن میں  
رہتی حسرت سے دل کر پھینکا چھو اٹھایا۔  
سب سے جو کچھ کر آتا جان کو دیکھا جن کا سرخ و  
سفید چوٹے سے تھم رہا تھا۔

"اب اگر وہ زندہ اس واپس نہ آئے تو میں اسے  
تیس دن کر دوں گا۔ سن لیا سب نے۔"  
"ارے ایسی بیٹیوں کا تو پیدا ہوتے ہی گما گھونٹ  
دینا چاہیے۔ ابراہیم اس کو بھی ساتھ لے کر مرگ۔  
ہماری عزت دلخ و دار کرنے کے لیے پھوڑوا تھا۔ تو یہ  
تو یہ۔"

"خود کسی کے ساتھ چکر تھا۔ قرآن اٹھا کر چھتے پہ  
جاتی تھی تو اب استغفار تاکہ ہم اس پر شک نہ کریں۔  
اسی لیے تو میں نے اس دن کہا تھا مگر کوئی نہ تو۔" تائی  
مستاب کو اپنا تمنا دیا تھا۔

سرت کابل ڈوتا چلا گیا۔  
"مگر مر جاؤ عمل خدا امر و نہروا لیں نہ آؤ۔" حسن  
کھل دوسے چلایا تھا۔  
"آج کے بعد اس کا نام کوئی اس گھر میں نہیں  
گا اور اگر۔" آتا جان کی بات اس دوری رہی تھی۔  
کھانے ذور سے لیتے دستانہ ہی تھی۔

سب نے جو کچھ کر گیت کو دیکھا اہل تک کہ  
بڑا آگے کی بیٹیوں پہ نہیں اوس کھائی آرزوئے جس  
سراٹھایا تھا۔  
سرت دھڑکنے دل کے ساتھ کھڑکی میں آن کھڑی  
ہوئیں۔ صبح کے ملت بچے پہلے تو بھی اس طرح  
دستانہ ہوئی تھی۔

"حسن اور واہ کھولو۔" اسد چائے کھاؤ حسن نے  
آگے بڑھ کر گیت کے چھوٹے ودا زانے کے ونگل کا  
ہک کھولا اور پیچھے ہوا۔

ورواہ کھلا چلا گیا ایک سر میں پیوہ پاتھ  
ورواہ سے یہ دھرا اور پھر کھٹ پہ اندر آتے سپید نئے  
پاؤں دکھائی دیے۔

آتا جان بے چینی سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ تائی  
مستاب کی کواڑ پان میں سنائی دی۔

"شک تو تھے ہی کی ہے۔" نغمہ چینی نے ہلہو سی  
سرگوشی کی۔ وہ سب رات سے جاگ رہی تھیں۔  
البتہ حسن کے علاوہ دوسرے لڑکے لڑکیاں بھر پور نیند

سب بھی ساتھ ہی آئے سب کی نظریں گیت پہ جمی  
تھیں چہاں لہوٹے ودا زانے کو کھول کر وہ اندر داخل  
ہو رہی تھی۔

سیا پادوں تک آتا تھا اور چہرے کے گرد چٹ سے  
پینٹا سر کی لکڑی کے نئے پادوں سے جھکائے، عمل  
ابراہیم نے اندر قدم رکھا۔  
"حسن! اس سے کوئی میل سے فرج ہو جائے تو نہ  
میں اس کا خون کھلاں گا۔" آتا جان دوسرے دھانے  
تھے۔ "ابھی اور اسی وقت نکل جاؤ یہاں سے بے شرم  
لڑکی ورت۔"

"آپ کے باپ کا گھر ہے جو نکل جاؤں؟"  
وہ جو گردن جھکائے اندر قدم رکھ رہی تھی ایک دم  
سراٹھا کر اتنی بے خوفی سے غرائی کہ گئے بھر کوسب  
بھو چکا رہ گئے۔ تائی مستاب نے تو ششدر سا ہو کر منہ  
پہ ہاتھ رکھ لیا۔

حسن لڑکھ کر عمل کو دیکھ رہا تھا اور فواد  
فواد تائی جگہ ساکت رہ گیا تھا۔  
وہ اب پلٹ کر گیت کھول رہی تھی۔  
وہ حسرت ان کے زان سے لہو نہیں مٹا سکتا آگے  
پہنچے دارا بیوہ۔ اندر آتے ہی کھانکھٹ وروا زانے  
لگے اور سیاہی اتر کر تیزی سے اور کھ پھیلتے چلے گئے۔  
"پورے گھر کی ساری لوہ۔" ہلند حکیمہ کستا وہ  
ڈرا بیوہ تک سوٹ کا ورواہ کھول کر تھے اترے۔ پونیا قرام  
میں لمبوس چہرے پہ ہم ہی لاناخان مسکراہٹ سے وہ  
کھاس پہ چہرے ان چہرہوں کے لوگوں کے قریب آیا۔  
وہ سب اترتا چلا گیا اور غیر متوجہ تھا کہ کوئی ایسی جگہ  
سے نہ مل سکا۔ فواد کوئی سب سے پہلے جوش آیا۔ اس  
کے ہاتھ میں جھکری لگائی جا رہی تھی۔  
"کیا کو اس ہے؟" اس نے غرا کر ہاتھ پیچھے کرنے  
چاہے۔

"اس کو اس میں کھسا ہے کہ ہماری حیثیت قبل از  
گر تازی منسج ہو چکی ہے اور یہ کہ ہمیں فوری  
کر فواد کو کسے ودا رت میں پیش کیا جائے۔"  
"مسئلہ کیا ہے ایفیر؟ کیا کیا ہے میرے بیٹے؟"

"میرے بیٹے کو چھنا رہی ہے تاکہ اس کے  
اپنے کر توت نہ کھلیں۔" آتا جان کو دیکھا اور پھر اوپر  
طلب نظریوں سے آتا جان کو دیکھا اور پھر اوپر  
گردن کھلائی۔ سب خاموش کھڑے تھے۔ کسی نے  
ہاں یا نہیں نہیں کی۔

"لڑکی کا نام عمل ابراہیم ہے۔" وہاں نے  
مواہل کا بن دھار ان کے سامنے کیا۔ اچھکے سے کواڑ

میرے بیٹے کو چھنا رہی ہے تاکہ اس کے  
اپنے کر توت نہ کھلیں۔" آتا جان کو دیکھا اور پھر اوپر  
طلب نظریوں سے آتا جان کو دیکھا اور پھر اوپر  
گردن کھلائی۔ سب خاموش کھڑے تھے۔ کسی نے  
ہاں یا نہیں نہیں کی۔

"لڑکی کا نام عمل ابراہیم ہے۔" وہاں نے  
مواہل کا بن دھار ان کے سامنے کیا۔ اچھکے سے کواڑ

میرے بیٹے کو چھنا رہی ہے تاکہ اس کے  
اپنے کر توت نہ کھلیں۔" آتا جان کو دیکھا اور پھر اوپر  
طلب نظریوں سے آتا جان کو دیکھا اور پھر اوپر  
گردن کھلائی۔ سب خاموش کھڑے تھے۔ کسی نے  
ہاں یا نہیں نہیں کی۔

میرے بیٹے کو چھنا رہی ہے تاکہ اس کے  
اپنے کر توت نہ کھلیں۔" آتا جان کو دیکھا اور پھر اوپر  
طلب نظریوں سے آتا جان کو دیکھا اور پھر اوپر  
گردن کھلائی۔ سب خاموش کھڑے تھے۔ کسی نے  
ہاں یا نہیں نہیں کی۔

"آتا جان! آپ کے بیٹے نے اپنی کزن۔"  
وہاں نے ایک نگاہ عمل۔ ڈال کر گیت کے ساتھ  
پہنچے ہاتھ پائوں سے کھڑی نورت بھری نظریوں سے فواد  
کو دیکھ رہی تھی۔ "عمل ابراہیم کو اپنی ایک بھتیجی  
ہوئی قابل لکھوانے کے عوض ایک رات کے لیے بیچا  
اور اپنی ناشتہ کرتے ہوئے وہ غالباً اسی قابل کے پردہ  
ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔"

"آپ کو غلط تھی ہوئی ہے سر میرا بیٹا۔"  
"آپ کا بیٹا کھل صلاحیت جات کی لڑکیوں کے اغوا اور  
خرید و فروخت میں ملوث ہے یہ آپ بھی جانتے ہیں  
اور ہم بھی۔ اس دفعہ انہوں نے چھلانی کی اور اپنی کزن  
کا سودا کر کے اسے دھوکے سے متعلقہ پائی کے پاس  
بیچا اہلیت آپ کی بیٹی پولیس کی حفاظت میں ہی رہی  
کیونکہ وہ سب پولیس کے پلان کے تحت تھا۔ فواد  
نے گیت کو منظر عام نہ لانے کے لیے پہل ڈالا جی  
چلی مگر یہاں کامیاب نہیں ہوئی۔"

"عمل کا اس اسے اس میں سے بچر تھا۔" فواد  
خاموشی سے سن کر سرت آرام سے وہاں میں نے اچھکے  
دیکھے۔ آتا جان نے آتا جان کے لیے گیت پر پردہ ڈالنے  
کے لیے پیچھے پھینکا رہے ہیں تاکہ۔

"خاموش ہو جائیں۔" وہ بھٹ پڑی تھی "ایک  
لفظ بھی آپ نے میرے متعلق کہا تو میں آپ کا منہ  
نوج لول کی۔ آپ نے میرے ساتھ کیا کیا آپ کو  
اندا ہے؟"

"ارے یہ کیا چپ رہے میں تائی ہوں۔" تائی  
مستاب جیسے ہوش میں آئی تھیں "ایک دم بیٹھے ہاتھ  
داری سامنے آئیں۔" سارا فواد اسی لڑکی کا پھیلایا ہوا  
ہے۔ یہ میرے بیٹے کو چھنا رہی ہے تاکہ اس کے  
اپنے کر توت نہ کھلیں۔" آتا جان کو دیکھا اور پھر اوپر  
طلب نظریوں سے آتا جان کو دیکھا اور پھر اوپر  
گردن کھلائی۔ سب خاموش کھڑے تھے۔ کسی نے  
ہاں یا نہیں نہیں کی۔

"لڑکی کا نام عمل ابراہیم ہے۔" وہاں نے  
مواہل کا بن دھار ان کے سامنے کیا۔ اچھکے سے کواڑ

میرے بیٹے کو چھنا رہی ہے تاکہ اس کے  
اپنے کر توت نہ کھلیں۔" آتا جان کو دیکھا اور پھر اوپر  
طلب نظریوں سے آتا جان کو دیکھا اور پھر اوپر  
گردن کھلائی۔ سب خاموش کھڑے تھے۔ کسی نے  
ہاں یا نہیں نہیں کی۔

میرے بیٹے کو چھنا رہی ہے تاکہ اس کے  
اپنے کر توت نہ کھلیں۔" آتا جان کو دیکھا اور پھر اوپر  
طلب نظریوں سے آتا جان کو دیکھا اور پھر اوپر  
گردن کھلائی۔ سب خاموش کھڑے تھے۔ کسی نے  
ہاں یا نہیں نہیں کی۔

میرے بیٹے کو چھنا رہی ہے تاکہ اس کے  
اپنے کر توت نہ کھلیں۔" آتا جان کو دیکھا اور پھر اوپر  
طلب نظریوں سے آتا جان کو دیکھا اور پھر اوپر  
گردن کھلائی۔ سب خاموش کھڑے تھے۔ کسی نے  
ہاں یا نہیں نہیں کی۔

میرے بیٹے کو چھنا رہی ہے تاکہ اس کے  
اپنے کر توت نہ کھلیں۔" آتا جان کو دیکھا اور پھر اوپر  
طلب نظریوں سے آتا جان کو دیکھا اور پھر اوپر  
گردن کھلائی۔ سب خاموش کھڑے تھے۔ کسی نے  
ہاں یا نہیں نہیں کی۔

میرے بیٹے کو چھنا رہی ہے تاکہ اس کے  
اپنے کر توت نہ کھلیں۔" آتا جان کو دیکھا اور پھر اوپر  
طلب نظریوں سے آتا جان کو دیکھا اور پھر اوپر  
گردن کھلائی۔ سب خاموش کھڑے تھے۔ کسی نے  
ہاں یا نہیں نہیں کی۔

میرے بیٹے کو چھنا رہی ہے تاکہ اس کے  
اپنے کر توت نہ کھلیں۔" آتا جان کو دیکھا اور پھر اوپر  
طلب نظریوں سے آتا جان کو دیکھا اور پھر اوپر  
گردن کھلائی۔ سب خاموش کھڑے تھے۔ کسی نے  
ہاں یا نہیں نہیں کی۔

کوٹھے گئی۔ فلو کی کوڑا۔ جو باریقت پہنچائی جاتی تھی۔  
"تین تین بجتے کی شام وہ آپ کے پاس ہوئی۔  
معلوم "ان بھولی اور نوجوان ہے۔ آپ کی اٹھنا چاہیے  
پوری اترتی ہے۔ اور ایک قہقہہ۔  
"محل کو اپنا چہرہ مٹھما آیا ہوا محسوس ہوا۔  
ذرا سونے سے مختلف آواز میں گونجی تھیں۔  
"فواد بھائی! یہ لوگ مجھے غلط سمجھ رہے ہیں۔"  
"فلو بھائی! یہ لوگ میرے ساتھ کچھ غلط کر رہے  
ہے۔"

"یکو اس بند کو اور میری بات غور سے سنو۔  
تمہیں وہ ڈاکٹر دنگ چاہیے ہے یا؟ تو جیسے وہ کہیں  
گرتی جاؤ۔ اس ایک رات کی ہی تو بات ہے۔ صبح  
تمہیں ڈرا ریور لینے آجائے گا۔"  
"وہاں نے من دلیلا اور سوا کل بچے کیا۔ فواد نے  
سر جھٹکا۔

"تو یہ قانون کی عدالت میں قتل قبول نہیں ہوتا  
اے اللہ بی صاحب۔"  
"کہہ کر عدالت میں تو ہوتا ہے۔"

اور وہ ٹیک کہہ رہا تھا ان سب کو سنبھال کر  
تھاں پر محض اس جگہ ہا کتو دست کرنا تھا۔  
"تو کیوں نہیں ایک ایک کو کچھ لوں گا۔"  
"نی لالہ! تو تمہیں ایک لے کر عرس تک جیل کی  
دیواریوں کو کھٹا ہو گا۔"

"اسی دن کے لیے۔" حسن ایک دم تیزی سے  
سامنے آیا۔ "اسی دن کے لیے کہتا تھا کہ اس سے دور  
رو ہوناماری دیا جاتی ہے یہ کس قماش کا آدمی ہے  
لوگوں کا کاویار کرنا ہے اسی لیے تمہیں منع کرنا  
تھا۔"

"مجھے منع کر سکتے تھے، اس کے ہاتھ نہیں توڑ سکتے  
تھے؟ میری جگہ اپنی بہن ہوتی تو بھی کونہ کرتے؟" وہ  
جولہا ایسے ترش کر پئی کہ حسن کھڑا کھڑا ہوا۔  
"محل کو اپنا چہرہ مٹھما آیا ہوا محسوس ہوا۔  
ذرا سونے سے مختلف آواز میں گونجی تھیں۔  
"فواد بھائی! یہ لوگ مجھے غلط سمجھ رہے ہیں۔"  
"فلو بھائی! یہ لوگ میرے ساتھ کچھ غلط کر رہے  
ہے۔"

"مجھے آپ کی کوئی وضاحت نہیں چاہیے۔ آپ

سب ایک سے ہیں۔ اس نے منہ پھیرنا تھا۔  
اس نے برآمدے کے ستون کے ساتھ کھڑے ہو کر  
سرت کو دکھا جو جانے کب اور آگڑی ہوئی تھیں۔  
ان کے قہقہے برآمدے کی بیڑھی پر تھکی آلودہ  
پلک جھکے بیسوت ہی اس مشہور اور وحید سے اے  
ایس بی کو دیکھ رہی تھی۔ توں کا کھلا اس کے ہاتھ میں  
رہ گیا تھا۔

"آقا صاحب! انہیں روکیں یہ میرے بچے کو  
کہہ کر لے جا رہے ہیں۔" وہ فواد کو لے جانے کے  
تالی متاب تھا جان کا بازو جھموڑے روڑی تھیں۔  
آقا جان چپ کھڑے تھے۔ بااثر غفران پچا آگے  
برو۔

"بھابھی بیگم! جو صلہ کریں ان شاء اللہ فواد شام  
تک گھر پہ ہو گا۔" ان کی بات پہ وہ لوگوں نے استہزائی  
سر جھٹکا اور پلٹا۔

"ایک منٹ اے اس بی صاحب۔"  
آقا جان ٹھہرے ہوئے انداز میں غلاب ہونے  
تھے۔

"یہ توئی رات ہو کر آئی سے ہم شریف۔  
پہ اس کو قبول نہیں کر سکتے۔ آپ اسے بھی  
ساتھ ہی لے جائیں۔"  
محل ساکت رہ گئی۔ اسے لگا کہ کبھی اپنی جگہ سے  
ٹل نہیں سکتی۔

"واضح؟" وہاں نے ابھرا تھا۔  
برآمدے کے ستون سے گئی سرت کے آگے  
سے لٹل بنے۔  
"بی واتی! ان کے چہرے کبھی نہ مٹا کر  
"ٹھیک ہے محل بی بی! اتنا ہے جگے آپ سلطان گواہ  
ہیں گواہی دیں اور فواد کریم کو ساری قمر جیل میں  
مڑے دیکھیں۔ میں نے تو چاہا تھا کہ ہر کی بات گھر میں  
رہ جائے۔ لیکن اگر آپ چاہتے ہیں کہ ساری دنیا کو ہم  
ہو کہ فواد نے گھر کی بی بی کا سوا کیا ہے تو ٹھیک ہے ہم  
اس سلطان گواہ کو ساتھ لے سکتے ہیں۔ آپ اس بی بی کو  
سمجھا چکا کہ راستی کر کے چپ کرنا نہیں ہے نہ ہی فواد

بھی باہر آئے کہ چلو محل۔"  
"اے محل! اس بی صاحب! محل ہماری  
بی بی ہے۔ بھولی صاحب میں پونہ بی بی ہوں میں ہمیں  
بھرتی ہے کہ یہ پولیس کی طاقت میں رہتی ہے عزت  
سے گھر آئی ہے۔" غفران پچا نے بوکھلا کر بات  
سنائی۔

"نہ بھی تعین کریں پھر بھی محل کو ہم نے مسجد  
بجھوایا تھا سورتوں کی مسجد ہے میری اور ہر راضی  
ہے۔" اس نے آقا صاحب کو بخور دیتے ہوئے من پہ  
نہرو اور ایک سخت نظر اٹھایا۔  
وہ ابھی تک ویسے ہی ساکت و ششدر کھڑی تھی  
جیسے اسے آقا جان کے الفاظ کا ابھی تک عین نہیں لیا  
تھا۔

گاڑیاں گیٹ سے باہر نکل گئیں۔ غفران پچا  
مہیا کر لے کوئی نمبر ملانے لگا۔ تالی متاب زرد زرد سے  
روئے لگیں۔

"یہ سارا ہی محسوس کیا دھرا ہے اسے گھر سے  
نکلنے کے آقا صاحب! محبت نے میرے بچے کو بھاریا  
"بے چارے کے ساتھ بھول گیا۔"  
وہ چارہ خانہ انداز میں اس کی طرف بڑھیں مگر حسن  
درمیان میں آیا۔

"کیا کر رہی ہیں آپ تالی ملانے؟" ان کے دونوں  
ہاتھوں کو گرفت میں لے کر اس نے ہنسنے لگا۔  
"بھئی ایک لڑکی کے بچے کو فواد کریم جیسے اثر و رسوخ  
والے شخص کے ارشد ارشد بن سکتے ہیں؟"  
"یہ جموت کتنی ہے۔ میں اسے چنان سے ماروں  
گی۔"

"محل! اندر جاؤ۔" فتنہ چینی نے تپتے سے  
کہا تو وہ چینی اور پھر انہر کی طرف دوڑی۔  
فتنہ اور ناصحہ نے معنی خیز نگاہوں سے ایک  
دوسرے کو دیکھا۔ آقا جان ڈرا ریور سے کی طرف برو  
گئے۔ تالی ملان ابھی تک حسن کے بازوؤں میں دوپٹے  
رہی تھیں۔

وہ بھاتی ہوئی برآمدے کے مہرے پہ رکی۔ ستون

سے گئی کھڑی سرت نے منہ پھیر لیا۔ اسے دکھانا  
لگا۔  
"اے محل! اس کی آنکھوں میں مریکس چھپے  
لگیں۔"  
"اے محل! آرزو نے اس کے کندھے پہ  
ہاتھ رکھا تو وہ فدا سا ہو گئی۔  
"یہ بیڑھی سم آٹھ کون تھا؟"  
"یہ ہاں تھا ہاں داؤد۔"  
"ہوں نا اس غم کدھر رہتا ہے؟"  
"جنم میں لائے ریس چاہیے؟" وہ زہر خنر ہوئی تو  
آرزو نے برا سامنے بنایا۔ محل اس کا ہاتھ جھٹک کر  
ایک شکوہ کنال لنگھلے ذاتی اندر بھاگتی گئی۔  
"ہاں داؤد! آرزو زرباب مسکرائی اور پھر  
توں کھانے گئی۔"

محل میں اگلے کئی روز تک خاموشی چھائی رہی۔  
ایک حسن تھا ہر دم ابھرا لگا۔ کے سامنے اس نے  
توڑا نظر آ۔  
"اگر محل کی جگہ آرزو ہوتی تو میں آپ کی  
بچی؟" وہ ناصحہ کی کسی بات پہ بھڑک کر ہوا تو وہ  
سے پیٹھے اندر پڑی گئی۔  
"آپ کو کوئی ضرورت نہیں ہے ہر ایک کے  
سامنے میری صفائی دینے کی۔" وہ لاؤنج میں آکر ایک  
دم چلا کر بولی تو سب چونک کر اس کو دیکھنے لگے۔  
"محل!"

"اگر ان لوگوں نے مجھے پونہ پورے خاندان میں  
بے عزت کرنا ہے تو ٹھیک ہے۔ اگر عزت ایک دفعہ  
چلی گئی تو میں کس عزت کو پیلنے کے لیے کورٹ میں  
چپ رہوں گی؟ میں بھی بھری عدالت میں سارے شہر  
کو بتاؤں گی۔ سن لیں آپ سب۔"

لینے بیچھے دھماکے سے وہ اندبند کر کے اس نے پھر  
سے خود کو گھر میں قید کر لیا۔

وہ بھاتی ہوئی برآمدے کے مہرے پہ رکی۔ ستون

وہ بھاتی ہوئی برآمدے کے مہرے پہ رکی۔ ستون

وہ بھاتی ہوئی برآمدے کے مہرے پہ رکی۔ ستون

اندروں میں بہتر کی چادر دست کر دی تھیں۔ اسے آتے دیکھ کر بے چارے کو سر اٹھایا۔ پھر وہ اس کا نام نہیں مٹوئی ہو گئی۔

”آپ بھی مجھ سے ناراض ہیں لہاں؟“ مسرت خاموشی سے کیجئے۔ خلاف چڑھائی رہیں۔  
”لہاں! اس کی آنکھوں کے گوشے جھینکنے لگے۔ وہ کیے درست کر کے دوڑانے کی طرف بڑھیں۔  
”میں نے کیا کیا ہے لہاں؟“ وہ رو پڑی تھی۔  
دوڑانے کی طرف بڑھتی مسرت نے گردن موڑی۔

”تم نے اچھا نہیں کیا تمہارا! بہت دنوں بعد اس سے بولی تھیں۔  
”لہاں۔“ وہ قریب کران کے قریب آئی۔ ”تو لو بھائی نے مجھے کھنکھن کا کہہ کر۔“

”مجھے پتہ ہے۔“  
”چندے مگر تین نہیں ہے؟“

”بھوات کہہ لیں کہ میں مجھ سے؟“  
”میں برسوں لانا کی خدمت کرتی رہی کہ شاید کبھی یہ نہیں کچھ عزت میں مگر میری بیٹی ان ہی کے بیٹے کو پکڑو اور اس کے خلاف کورٹ چوری میں گواہی دیتی پھر۔۔۔ پہلے زندگی کہ مشکل تھی عمل تو ہونے مزید مشکل بنا دی ہے۔“ وہ تھکی تھکی سی پلٹ گئیں۔  
وہ نم آنکھوں سے انہیں چاہتے ہوئے دیکھتی رہی۔  
ایک غلط قدم اسے یہاں لایا پچھانے کا اس نے بھی سوچا بھی نہ تھا۔



پھر کتنے ہی دن وہ عام کرتی رہی اس کے پاس روانے کو بست کچھ تھا۔ پھر کئی دنوں بعد اسے اس عیالیا اسکارف اور موانہ شلوار لیں کا خیال آیا تو دونوں کو الگ الگ شاپرز میں ڈال کر فرشتے کو واپس کرنے لگی۔  
”کوئی ضرورت نہیں ہے ہاں وہ اوڈو کے منہ لٹنے کی فرشتے کو دے دلائی تھی اسے وہ پتہ ہے کہ۔“

اس نے سوچا تھا۔  
”بس اسٹاپ کا بیچ اب ویران ہو گیا تھا۔ وہ سیاہ نام لڑکی سڑک پر کھڑی تھی۔ جانے کون سی آگ لگی تھی۔ وہ اکثر وہی رہ جاتی۔“

”بس سے اتر کر اس نے سڑک پر کھڑے گردن اونچی کر کے دیکھا۔ وہ دونوں ٹھکانوں ساتھ ساتھ تھیں۔ ہاں وہ اوڈو کا بیٹھ سبز بیلوں سے بھرا تھا اور ساتھ موجود اونچے ستونوں والی سفید عمارت کوئی انٹرنیٹ ٹیوٹ تھا شاید۔“

”کوئی ضرورت نہیں ہے اس فضول انسان کا دوڑان کھٹکھٹانے کی۔ میں مسجد میں ہی چلی جاتی ہوں۔“ وہ مسجد کے سیاہ گیٹ کے سامنے آئی۔ گیٹ کا سیاہ لوبا چمک رہا تھا اسے اس جگہ لوہے میں اپنا ٹکس دکھائی دیا۔

بلبو بیچو کے اوپر گھنٹیوں تک آ کر تار گردن سے لپٹا اوپٹ۔ ”اوہی بھوری پونی ٹیل ہاتھ سے لٹھے پہل جانے والے شخصوں کے لیے نہیں لگی۔“

گیٹ کے اس طرف ایک پورڈا تھا جس کو وہ پہلے حد تک کھینکی تھی۔ اس پر واضح لکھا تھا۔  
”No men Allowed“ (مردوں کا داخلہ ممنوع ہے)

ساتھ پوروی گاڑو بیٹھا تھا۔ اس نے کمری سانس لے کر اندر قدم رکھا۔  
بڑا سا سر سبز لہان۔ سامنے سفید رنگ مرمر کا پتلا برآمدہ۔ برآمدے کے کونے میں سفید مینڈیشن ٹیبل کے پیچھے کھڑی لڑکی، جو سیاہ عیالیا کے اوپر سرسئی اسکارف میں ملبوس، فون کان سے لگائے کھوٹھکتی تھی۔

سامنے سے سفید شلوار لیں میں ملبوس ایک لڑکی چلی آ رہی تھی۔ اس نے عیالی اسکارف لے رکھا تھا۔ جیسے یونیفارم ہو۔ محل کے قریب سے گزرتے اس نے مسکرا کر ”السلام علیکم“ کہا۔  
”جی! وہ چوکی۔“ وہ لڑکی مسکرا کر اس کے پاس سے گزرتی رہی۔

”ہیں؟ اس نے مجھے سلام کہا؟ کیا؟ کیا یہ مجھے جانتی ہے؟“ لڑکی نے دیکھی تھی کہ فرشتے کی آواز آئی۔

”السلام علیکم۔ کین آئی بھلا پو؟“  
”جی۔۔۔ مجھے فرشتے سے ملنا ہے۔“ وہ ڈیسک کے قریب آئی۔  
”فرشتے بائی کلاس میں ہوں گی۔ اندر کارڈ اور میں رائٹ۔ فرسٹ ڈور۔“

وہ اوپر اوپر کھینکی سڑک مرمر کے چمکتے فرشتے پہ چلتی جا رہی تھی۔ کارڈ اور میں پہلے کھلے دوڑانے سے ڈار کی۔ اندر سے فرشتے کی مضبوط مگر خوب صورت آواز آ رہی تھی۔

”مرمرین سے مراد بی اسرائیل میں ہونے والا وہ مرتبہ کا قافلہ ہے۔ مفسر کے مطابق پہلی دفعہ سے مرمر ڈکریا کا آئل، جبکہ دوسری دفعہ سے مرسس کے آئل کیا سازش مراد ہے۔“

اس نے کھلے دوڑانے سے اندر گردن کی۔ سامنے بے پلیٹ ٹارم ہے۔ کرسی ہے وہ بھی اسے آگے سینچے کتاب ہونے مٹوئی تھی پھاڑی تھی۔ اس کے سامنے قطار در قطار لڑکیوں کر سیوں۔ بیسی تھیں۔ عیالی اسکارف میں لپٹے بست سے جھلکے مرمر اور تیزی سے کھمبے واپس پلٹ گئی۔

برآمدے میں سفید مینڈیشن ٹیبل کے سامنے دیوار سے لگے کھڑکی۔ بیٹھ کر وقت گزارا اسے مڑا گا مسرتی ہی در پورہ ٹانگے۔ ٹانگے رکھے تھکی پاؤں بٹھالی جو کلم پڑھتے ہوئے تنقیدی نگاہوں سے اوڑھ کر گزرتی لڑکیوں کا جائزہ لیتی رہی۔

یہاں ایک منظم سی چال پیل ہمدقت ہو رہی تھی۔ وہ جیسے کوئی لور ہی دیا تھی۔ یونیفارم میں ملبوس اوپر اوپر تیزی سے آتی جاتی لڑکیوں۔ وہاں ہر طرف لڑکیوں ہی لڑکیوں تھیں۔ اسٹوڈنٹس کی سفید شلوار لیں اور اوپر کسی رنگ کا اسکارف تھا، جبکہ تمام بیچو اور کونسلروں کے سیاہ عیالیا اور سرسئی اسکارف تھے۔

کے عیالیا اور اسکارف لٹنے کا انداز اسے حد نہیں تھا۔ بست پر اسٹوڈنٹ اور ایکٹو اور مصروف لڑکیوں۔ جیسے وہ الگ کی دنیا لڑکیوں ہی چلا رہی تھیں۔ کچھ تھا اس مسجد میں جو محفل کو گھسی اور نظر نہیں آیا تھا۔  
”السلام علیکم! اگر آپ پور ہو رہی ہیں تو اس کا مطالعہ کریں۔“

”شیدو۔۔۔ اس نے شائے اپنا کارڈ سیشنٹ کے ہاتھ سے دینے کا کھیل۔  
چند منٹ پہلے ہی اسے بے اختیار وہ شام یاد آئی جب آغا جان نے میرس پہ اس سے وہ سیاہ جلد والا مصحف چھینا تھا۔  
وہ قرآن کی ساہزائے سلیمان تھی۔  
وہ یو کی دور میان سے کھیل کر پڑھنے لگی۔

”اور اس نے ہی فنی کیا اور ماہر بنا لیا ہے۔ اور وہی ہے جو شعری (استارے) کا رپ ہے اور ماہر اس نے ہی لڑکی قوم ہلو گولڈا کیا اور قوم منصور کو بھی پھر کچھ ہائی نہ چھوڑا اور ان سے پہلے قوم لود کو بھی۔ بلاشبہ یہ سب انتہائی ظالم سرسئی لوگ تھے۔ اور اس نے پہلا اپنی ہوئی سیدیوں کو۔ پھر ان پر چھایا اور پھر انہیں۔ تو اسے وہ کی کون کون سی نعمتوں پہ بھڑکے؟ یہ تو تیسریسہ تھی۔ کئی تیسہ سات میں سے آنے والی قریب آئی۔ اللہ کے علاوہ کوئی ظاہر کرنے والا نہیں تو کیا تم اس قرآن سے قہج کرتے ہو اور بیٹے ہو؟  
دو تے نہیں اور تم کھیل کھاتہ کر رہے ہو؟“

”محفل؟ اسے۔“  
وہ جہاں کھو کر پڑھتی چلی جا رہی تھی بری طرح چوکی۔  
فرشتے سامنے کھڑی تھی۔

اس نے قرآن پڑھ کر لیا اور سینہ رکھ کر کھڑی ہوئی۔  
”السلام علیکم۔ یہی ہو؟“ فرشتے اس کے گلے لگ کر الگ ہوئی اور اسے شاہوں سے تمام کر مسکرا کر دیکھا۔ وہ محفل سے دوڑتی لگی تھی۔ شفاف سپید چوہا سرسئی اسکارف میں سفید اوڈو اور وہ کالج سی بھوری پیکر۔



# مرحباً اسپغول

- بیزاریت، جھپٹ اور قبض کا قدرتی اور بہتر علاج ہے۔
- اضافی کالسیوں کی مقدار کو کم کرنا ہے اور ہڈیوں سے روکا ہے۔
- جسم میں ناہمی کی کوہر کرتا ہے۔
- سہا پے کو کم کرتا ہے۔



دو چمچ روزانہ  
صحت کا خزانہ



SEARCHABLE  
ISPAGHOL  
TDSM

علم ہوا کہ میں ان کی کزت ہوں؟  
 "تم نے خود بتایا تھا جب ہم پرستاروں میں تھے پڑھ  
 رہے تھے۔"  
 "اور انہی دنوں کی دلت کی الجھن سلجھ گئی۔" میں ڈیٹنگ کی  
 لڑکی نہیں تھی پھر انہوں نے فواد بھائی کو کیسے ارست  
 کر لیا؟"  
 "یہ تو تم ہاویوں سے پوچھنا۔ میری تو عمر سے اس  
 سے بات نہیں ہوتی۔"  
 "ٹھیک۔ دیکھتے تو ہیں فرشتے! میں پھر آؤں گی۔"  
 اور وہ سوچ رہی تھی کہ اس کا ہاویوں سے زیادہ رابیلہ  
 نہیں رہتا مگر اسے فواد کے کیس کی ہر بات معلوم تھی۔  
 عجیب بات تھی۔  
 "نور میں دعا کروں گی کہ تم بھی ہمارے ساتھ آکر  
 قرآن پڑھو۔"  
 "معلوم نہیں۔ شاید میں کچھ عرصے تک اگلیں  
 چلی جاؤں۔"  
 "اوہ۔ فرشتے کے چرے۔ سہا پے مار لیا۔"  
 "آپ کی مسجد میں قرآن پڑھاتے ہیں؟"  
 "ہاں۔ ہر رات صبح ایک اسٹاک اسکول ہے۔"  
 "ہوں نہیں چلتی ہوں۔" وہ اسے لاپس آتک  
 چھوڑنے لگی۔  
 "تمہیں کبھی کسی نے اس کتاب کی طرف نہیں  
 بلایا تھا؟" چاہتے سے اس نے پوچھا تو اس کے پردے  
 قدم دوک گئے۔  
 یادوں کے رے۔ ایک سیاہ فلم چھوڑا دیا تھا۔  
 "بلایا تھا مگر میں نے دل کا انتخاب کیا اور میں خوش  
 تھی۔ اس نے کہا تھا یہ کتاب سحر کر رہی ہے اور مجھے  
 سکھ رہے ہیں۔" وہ ڈر گئی۔  
 "کتاب سحر نہیں کرتی پڑھنے والا خود کو سحر زدہ  
 محسوس کرتا ہے۔"  
 "ان دونوں میں کیا فرق ہے؟"  
 "ہمت ہے۔ لفظوں کو الگ الگ پرکھنا سیکھو اور نہ  
 زندگی کی سمجھ نہیں آئے گی۔"  
 فرشتے چلی گئی اور وہ شاہراہ اٹھانے خود کو تھمتی باہر

"ٹھیک۔ سب کئی ہیں؟"  
 "الوہ! نہ۔ آتے دنوں بعد تمہیں دیکھ رہی ہوں"  
 مگر میں سب ٹھیک ہے؟"  
 "جی۔ اس نے نگاہیں جھکا لیں اور ہمت ہی غمی  
 اپنے اندر راتاری۔  
 "چلو کوئی بات نہیں سب ٹھیک ہو جائے گا۔"  
 "آپ کی چیزیں نہیں میرے پاس۔" اس نے  
 شاہراہ پر کیا۔  
 "میں کبھی تمہارے لیے کوئی کٹ لٹ لائی ہوں۔"  
 جی اور شاہراہ نے لیا۔ کوئی کٹ لٹ نہیں ہمت خاص  
 سا انداز۔ سچا اور خاص۔  
 "لیکن اگر تم یہ رکھنا چاہو تو۔"  
 "نہیں میں یہ عیلا وغیرہ نہیں لیتی۔"  
 "نور! اہم دن۔ ہمت شکر ہے۔" وہ خوش دلی سے  
 مسکرائی تو محفل کو اچھا لگا۔  
 ہمت نے یہی ٹوٹ لیا "اتنے سنجیدہ اور سخت نظر  
 آتے ہیں کہ جیسے ایک وہی ٹیک مومن ہوں اور باقی  
 سب گناہگار کافر۔ اسے ایسے لوگوں سے شہر چھوڑی  
 تھی جن کے سامنے اسے کئے کہ یہ مجھے ہمت کناہگار  
 آکھ رہا ہے۔ مگر فرشتے اور میں کی مسجد کی لڑکیاں اس  
 روحانی آیت سے ہمت مختلف تھیں۔  
 "یہ ان کا ہے۔ اس نے وہ سراسر شاہراہ سامنے لیا۔  
 "ہاویوں کا؟"  
 "جی۔"  
 "اچھا! ہاویوں کبھی شہر میں ہوتا ہے کبھی نہیں۔  
 میرا اس سے ایڑی کٹ لٹ کٹ نہیں رہتا۔ میں بھول  
 جی جاتی ہوں ہمت۔ اگر تم یہ اس کے چوکیدار کو دے  
 دو تو وہ بچتا رہے گا۔"  
 "فرشتے! انہوں نے آپ کو اپنی اور فواد بھائی کی  
 ذیل کے بارے میں بتایا تھا؟"  
 "ذیل نہیں وہ راصل آتا فواد سے ہمت تک تھا  
 اور اسے اس کے ڈیٹنگ کی کسی لڑکی کے دلچے پکڑنا چاہتا  
 تھا۔"  
 "وہ ڈیٹنگ کی لڑکی کی توقع کر رہے تھے تو آپ کو کیسے

ساتھ والے کھلے کپڑے میں اندر جاتی گاڑی کے بھر  
کوڑی۔ شیشے بچے ہوا۔ سر کیس یاد رہے جسے چرسے  
ڈارک گھاس لگائے اس نے اسے دیکھا تھا جو کپڑے کے  
ساتے کھڑی آنکھیں سکڑے اسے ہی دیکھ رہی  
تھی۔ وہ چونک کر کچھ کہہ کر گاڑی لٹن سے اندر لے  
گیا۔

چونکہ ارٹھا گیا ہوا اس کے قریب آیا۔  
"صاحب کہہ رہا ہے آپ کو اندر ڈراؤنگ روم  
میں بٹھائے وہ آتا ہے۔"  
"تمہارے صاحب نے سوچا بھی کیسے کہ میں اس  
سے ملنے آئی ہوں۔ ہائی فٹ۔ یہ پگھلا اور اپنے  
صاحب کے منہ پر مارا۔" غصے سے اس کی آواز بلند  
ہونے لگی۔ سارا کیا دھرا اسی شخص کا تھا اسے اس پر  
بے طعن غصہ آیا تھا اس نے شہ پارے تھمایا۔  
اسی لیل وہ کیسے ہاتھ میں لیے جنوری سے چننا ان  
تک آیا۔

"خان! گیسٹ روم کرو اور بتل سے کون چھوٹے پنی کا  
برڈ بوسٹ کرنے۔ چننا ان ہاں لوہر آب۔ پانی نے اندر  
آجائیں۔" شاکت و مہوار لہجہ وہ تھا "خلف لگ رہا  
تھا۔"  
"مجھے اندر آئے گا کاپی شوق نہیں ہے۔"  
"نہیں تھا لوہے کے باہر آنے کی خبر سننے کا تو ہو گا۔"  
اور وہ ہندو سب سی سوہتی رہ گئی تو وہاں نے مسکرا کر  
سر جھکتے راست چھوڑ دیا۔  
دن کی روشنی میں اس کا لائن بچا تھا ہی نہیں تھا جتنا  
اس رات کا تھا۔

لوہی دیوار گیر کھڑکیوں کے پلکے ہی گرہن پر دے  
نفاست سے بندھے تھے مسنہری روشنی چمن کر اندر آ  
رہی تھی۔ کونوں میں بڑے بڑے مظاہر طرز کے  
سٹری ٹیموں میں لگے پودے بست ترو تازہ لگ رہے  
تھے۔

"بیٹھے۔" وہ ہاتھ سے اشارہ کرنا سامنے صوفے پر  
بیٹھا اس کے چرسے پہ کھڑکی سے روشنی سیدھی رہ

رہا تھا۔

"تھک گیا۔" وہ ڈراؤنگ روم سے چلی۔ اس کا  
صوفہ اندر حصے میں تھا۔ وہاں کو اس کا چہرہ بھی اسی  
ار کی کاہر لگا تھا۔  
"آپ نے جو بھی کتاب ہے ڈراؤنگ روم لے آئیے۔"  
"ڈراؤنگ روم؟" وہ ٹانگ پہ ٹانگ رہے ٹیک لگائے  
مخروط سا مسکرایا۔

"میں ڈرتی نہیں ہوں بلکہ آپ کو بے حد ناقص  
اعتبار سمجھتی ہوں۔"  
"شوق سے سمجھیں مگر میں نے آپ کو انعام نہیں  
گیا۔ آپ کورٹ میں میرے خلاف بیان نہیں دے  
سکتیں۔"  
"آپ کو کس نے کہا کہ میں آپ کے خلاف بیان  
دے رہی ہوں؟"  
"آپ کے آپ نے۔"

محمل نے خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھا بات کچھ  
کچھ سمجھ میں آئے گی تھی۔  
"وہ کہہ رہے تھے کہ آپ کورٹ میں یہ بیان نہیں  
کی کہ میں نے آپ کو جس بے جا میں رکھا اور پھر  
وہ آپ پر اس کے لیے دواؤں لیں گے۔"  
"آپ کو کھیل لگا کہ انہیں مجھ پر دواؤں بنا رہے  
؟" وہ لب مطلق ہی تانگ پہ ٹانگ رہے پانوں تھا  
رہی تھی۔ انداز میں ہلکا سا ہنر تھا۔ ہاں ڈراؤنگ روم  
سیدھا ہوا۔  
"دیکھنا مطلب؟"

"جس بے جا میں تو آپ نے مجھے رکھا تھا اس  
ایس بی صاحب۔"  
"کس محمل ایذا دیم! اتنی آسانی سے اتنے بڑے  
بیان نہیں ایسے جا سکتے۔ حالانکہ آپ جانتی ہیں کہ  
میں بے قصور ہوں۔"  
"بے قصور؟ اگر آپ مجھے گھرانے دیتے تو میں  
یوں بدنام نہ ہوتی۔"  
"مجھے آپ بے ہوش ہوئیں۔ حالانکہ اس وقت  
آپ ایک لے ایس بی کی محفل میں تھیں وہاں

ڈاؤنگ روم میں۔ اگر آپ صبر کی پخت نہ پہنچا جتیں تو  
میں آپ کا بیٹن لے کر رات میں ہی آپ کو ایک کھڑ  
چھوڑ آتا۔"

"مجھے کمرے میں بند کرنے وقت تو آپ نے کسی  
بیان کا ذکر نہیں کیا تھا۔"  
"مجھے قانون مت سکھائیں۔ وہ میرا تفتیش کا  
طریقہ تھا۔"  
"اور آپ کے اس طریقے میں مجھے کوئی یل نام ہو  
جائے؟"  
"تو وہ جانے مجھے ہوا نہیں۔"  
"آپ۔" اس کا دل چاہا لگائے اس کے سر پر  
پھوڑے۔

"میں اس وقت آپ کو آپ کے گھر نہیں بھجوا دیا  
سکتا تھا۔ ہم نواد کو ڈھیل دے رہے تھے۔ میں جانتا تھا  
آپ سمجھ گھاں اور فخر سے پہلے مسجھ کے دروازے  
میں کھٹے نمونوں لڑا رہے تھے آپ کو لینے آیا تھا۔"  
"مجھے آپ کی کمائی نہیں سمجھی۔" وہ بے ہوش تھی۔  
وہ ابھی تک لڑکی میں تھی جس سے اس کے چہرے  
کے نقشہ میں مدح بڑھتے تھے۔  
"نہ سیں۔ مگر میرا کارڈ رکھ لیں۔ ہو سکتا ہے آپ  
کو میری مدد کی ضرورت پڑے۔" اس نے ایک کارڈ  
اس کے ہاتھ میں گویا ہوسٹی رکھنا چاہا۔  
"مجھے ضرورت نہیں ہے۔" اس نے پکڑ لیا مگر  
جتنا نامہ جوبلی اور غیر اسی طرح کارڈ پکڑے ہر کھلی گئی۔  
وہ لڑکی میں تھا کھڑا رہ گیا۔ کھڑکی سے چمن کر آئی  
روشنی ابھی تک اس کے چہرے پر چڑھی تھی۔



لاؤنگ روم میں سب بڑے موجود تھے۔ وہ سر جھکائے  
کارڈ کو احتیاط سے پاکٹ میں چھپا کر اپنے کمرے کی  
طرف چلے گئی۔  
"مفل! مظفران بچانے قدرے رعب سے پکارا۔  
تھا جانے تو اسے دیکھتے ہی منہ پھیر لیا تھا وہ اس دن  
سے اس سے مخاطب نہیں ہوئے تھے۔

"جی ہاں کواری سے رکی۔"  
"مگر صبر سے آ رہی ہو؟"  
"میرے کونائے کئی کئی تھانے!"  
"واٹ؟" مظفران بچا غضب ناک سے اس کی  
طرف بڑھے۔

"جی آپ کے فواد تمہارے خلاف بچہ کونائے کئی  
تھی۔ کیسا؟ نہیں کونائے کئی؟" وہ ان کے بالکل سامنے  
کھڑی بلند آواز میں بولنا لگی سے بولنا تھی "اور مجھ سے  
آئندہ سوال جواب مت دیجئے گا میں بد صبر بھی جاؤں  
میری مرضی۔ آپ لوگ سوتے کون ہیں مجھ سے۔"  
چننا ان کی آواز کے ساتھ اس کے منہ پر تھپڑ لگا تھا۔  
وہ بے اختیار دو قدم پیچھے ہٹی اور چہرے پر ہاتھ  
رکھے۔ بچہ کئی سے مظفران بچا کو کھلا۔  
"بچہ کونائے کئی تم؟" انہوں نے اس کو باہوں  
سے پکڑ کر فوراً سے بھجوا دیا۔

"ہاں ہاں کونائے کئی۔" مجھے تمہیں روک سکتے آپ  
لوگ۔" انہوں نے چناؤ کر چلائی تھی۔  
وہ سر سے ہی کے اسد بچا تھے اور پانوں انہوں  
بھائیوں نے کچھ نہ دیکھا۔ ماہوڑ تو اس پر چننا ان کی  
پارٹش۔ پر لگی۔  
آنا جاگن بڑے صوفے پر خاموشی سے ٹانگ سے  
ٹانگ چڑھائے بیٹھے اسے دیکھ رہے تھے۔ ہائی  
ہیٹلک ہٹا عہد اور لفٹ بھی قریب ہی بالکل خاموش  
بیٹھی تھی۔ سامنے پان کے کھلے دروازے میں کھڑی  
تھی۔ اوپر سے چھوٹوں سے آج تھا تک رہی تھی۔  
وہ اسے بری طرح کھایاں کھتے ہاتھ چلے گئے۔  
صوفے پر بے حال ہی گری تھی کئی کئی گھوڑا رہی تھی مگر  
ان دونوں نے اسے نہیں چھوڑا۔

"بچوں کونائے کئی پچھا؟" وہ دونوں پارٹس کی پوچھتے  
یہاں تک کہ فضا کی محفل میں جواب دیتے کی  
سکت نہ رہی تو انہوں نے ہاتھ روک دیا۔ صوفے کو  
ایک ٹھوک مار کر مظفران بچا پارٹس لگے۔  
"ای ای ای۔" وہ صوفے پر گری منہ پر پاند رکھے  
تھنی تھنی سسکیوں سے دو رہی تھی۔ مسرت اور



تھیں بھی نہیں تھیں۔ تو سب آہستہ آہستہ سب بڑے ایک ایک کر کے اٹھ کر باہر چلے گئے۔ بیڑھیوں سے لگی تماشہ دیکھتی لڑکیاں بھی اپنے کمروں کو ہو گئیں۔

”میرا تو تم سب اللہ کرے تمہارے سب کے بیچ مر جائیں۔ چھت کرے تم لوگوں پر۔۔۔ گردن کاٹ دیا میں تمہارے بچوں کی۔۔۔ وہ تو بچوں سے ملتی گھٹ گھٹ کر دیا تھا میں ایسے جا رہی تھی۔

کتی ہی دیر بعد لاؤنج کا دروازہ کھلا اور دن بھر کا تھکا ہارا حسن اندر داخل ہوا۔ کوٹ یا تو بڑے ڈالے، ٹائی کی ٹائٹ ڈھیلی کرنا وہ ”مئی مئی“ پکارا تو آگے آیا تو ایک دم ساکت رہ گیا۔

کارپٹ پر بٹھوے کٹن اور ایک صوفیہ جیسے ٹھو کر مار کر جگہ سے بیٹا لیا تھا۔ اس پر عجیب طرح سے گرمی گھل۔ بٹھوے بال چہرے پر ٹپل۔ ہاتھوں پر سرخ نشان۔ وہ بال بالوں سے آویھا چہرہ چھپائے سکیوں سے رو رہی تھی۔

وہ تھیر رہا تھا قدم آگے کیا۔

”مخمل!“ وہ بیٹا لیا دیکھتے اسے دیکھ رہا تھا۔ ”کس نے سب کس نے کیا ہے سب؟“

”میرا تو تم؟“ ایک دم بال بال دھا کر اس نے حسن کو دیکھا اور پھر بتائی تھی۔ ”تھرا کرے تم سب میرا تو تھے وہ یہ فلم کرتے ہوئے آگے تمہارے بچے سر پانچیں سب کے“

”مخمل! اٹھو بیٹو یہ کس نے کیا ہے میں۔“

”میرا تو تم سب۔ وہ لوری قوت سے چلائی پھر یکدم بلیک کر رو رہی اور اٹھ کر لڑکھرائی ہوئی اپنے کمرے کی طرف پھوٹی۔

رات کے تیسرے پہاں نے آہستہ سے دروازہ کھولا۔ مدہم ہی چہرہ آہستہ ستائی دی اور پھر خاموشی چھا گئی۔ لاؤنج ٹائٹ اور تاریکی میں ڈوبا تھا۔ وہ دیکھتے جسم کو زبردستی کھینچتی لی وہی تک آئی۔ ساتھ ہی فون سینٹر رکھا تھا اس نے گاؤ نہیں نکالا

اور اوپر اوپر اسی سے کھینچتی وہیں آئی۔ صورت آج گریہ نہ تھیں۔ صبح جب صبح میرے کمرے کے لیے نقلی تھی تو صورت گریہ ہی تھیں عمر شریفی اس کے جانتے ہی ان کو نہیں سمجھ دیا کیا تھا۔ سالہا کر شریفی بچھو کے گھر۔

اور روزانے کی کھڑی لگا کر بیٹھتی تھی ملائت آن کر رہی تھی۔ سامنے دیوار پر آئینہ لگا تھا اسے اپنا عکس سامنے ہی دکھائی دے رہا تھا۔

بے بال چہرے کے اطراف میں گہرے سوجے ہوئے۔ ہونٹ۔ ملتے اور گھل۔ سرخ سے نشان جو نیلے پڑ رہے تھے۔ اس نے بے اختیار بال بالوں کے پیچھے اڑے۔

وہ کارڈ ابھی تک اس کی جینز کی جیب میں تھا۔ اس نے مزے مزے اسراہہ کارڈ نکالا اور نمبر ڈائل کرنے لگی۔

پہلی کھنٹی پوری تھی تہ کئی تھی کہ چونکی سی ”کیلو“ سنائی دی۔

”اے۔۔۔ اے نہیں بی صاحب“ اس کی آواز لڑکھرائی۔

”کون؟“ وہ پوچھا تھا۔

”مخمل۔۔۔ مخمل۔۔۔ اے اپنا نمبر ڈالی اور آواز یاد کر کے رو رہا کیا۔“

”مخمل یاد کر رہی تو تم پتھر ہے؟“

وہ جیب رہی۔ آنسو اس کے چہرے پر اڑھکتے تھے۔

”مخمل۔۔۔ بولو۔“

”مجھے اٹھتے انہوں نے خارج کیا ہے۔ اے۔۔۔“

”اے۔۔۔“ وہ چپ ہو گیا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ ”کب کیسی ہو؟“

”مجھے نہیں ہے۔“ وہ رونے لگی تھی۔ ”مجھے بتائیں تو ابھی جیل میں ہیں۔“

”ہے تو سنی مگر شاید جلد ہی اس کی شناخت ہو جائے۔ وہ لوگ عسکریت نہیں میرے خلاف گواہی دینے آسائیں گے۔“

”پھر میں کیا کروں؟“

”بان بیٹو۔“

اس نے سب سے پہلے فون کو دیکھا۔ عجیب سر پھر اٹھنا تھا۔

”تم کچھ یاد رکھو کہ تم میرے خلاف بیان دو گی۔“

”اور کوٹ میں جا کر مگر جاؤں؟“

”ہاں وہاں سب کچھ بتاؤ۔“

”اور وہ اس دم کس لیے میرا کھینچ کر لیں گے آپ کو انداز ہے؟“

”تم اس کی پوچھا۔“

”آپ سب مجھے اپنے اپنے مقصد کے لیے استعمال کر رہے ہیں آپ کو مجھ سے کوئی بھی درد نہیں ہے۔“

چہرے خاموشی چھلنی رہی پھر وہاں نے ٹھک سے فون بند کر دیا۔

وہ دھمکی فون ہاتھ میں لیے بیٹھی رہ گئی۔

اس نے سب سے پہلے فون کو دیکھا۔ عجیب سر پھر اٹھنا تھا۔

”تم کچھ یاد رکھو کہ تم میرے خلاف بیان دو گی۔“

”اور کوٹ میں جا کر مگر جاؤں؟“

”ہاں وہاں سب کچھ بتاؤ۔“

”اور وہ اس دم کس لیے میرا کھینچ کر لیں گے آپ کو انداز ہے؟“

”تم اس کی پوچھا۔“

”آپ سب مجھے اپنے اپنے مقصد کے لیے استعمال کر رہے ہیں آپ کو مجھ سے کوئی بھی درد نہیں ہے۔“

چہرے خاموشی چھلنی رہی پھر وہاں نے ٹھک سے فون بند کر دیا۔

وہ دھمکی فون ہاتھ میں لیے بیٹھی رہ گئی۔

سیرت اگلی صبح ہی آگئی تھیں۔ انہوں نے کوئی سوال نہ کیا تو اب رہا گا۔ اس نے دیکھ کر ایک جاگہ کی جیب پر ہونٹوں پر لگ گئی۔ کہتے ہیں بعد آہستہ سے لوگوں کو اس انداز۔

”تم فون کے خلاف صورت کو لائی ہو گی۔ انہوں نے سیری ہنسی کے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ ”اور پھر جیب پھاپ کام میں لگے۔“

پورے گھر کا اس سے سوشل بائیکاٹ تھا۔ کمرے میں جھانکھائی اور سارا دن اندری بیٹھی رہتی۔ پھر نہ نکلتی۔ کمر لگتی بھی تو کوئی اس سے بات نہ کرتا۔

اس روز صبح سوچ کر وہ فرشتے سے ملنے مسجد چلی آئی۔

کاموں کی تڑپ کھنڈے درختوں کی بال سے ڈھکی تھی۔ زر خیتوں نے سارے پہ بھٹری چھلایا کر رکھی تھی۔ آگئی گیٹ کے سامنے رک کر اس نے گردن اوپر اٹھائی۔

سفید اونچے ستونوں والی وہ عمارتیں عمارت اپنے

اولی وقار و تکلیف کے ساتھ کھڑی تھی۔ برابر میں سبز بیڑیوں سے ڈھکا ہنگ تھا جس کی بیڑیوں دیوار کے ساتھ ایک خالی کھنڈی خالی نصب تھا۔ محل جب بھی اوپر آئی، وہ چادریوں نظر آتا۔ اسے بے اختیار بس اسٹاپ کا بیچ اور وہ یہاں تک یاد آئی تھی۔ نہ چلے گئیں۔

سفید رنگ مرمر کی کٹھن تھیں چمکتی رہا دیواریاں آج بھی لگی ہی رہ سکیں تھیں جیسی وہ ان کو چھوڑ کر گئی تھی۔ وہ اوپر اوپر کلاسز کے کھلے دیوانوں میں جھانکتی آگے بڑھتی گئی۔

”باب وہاں سے طبر میں نہ آگے ہو۔“

آخری کھلے دیوانے سے اسے فرشتے کی آواز سنائی دی۔ اس نے ذرا سا ہلکا ہلکا۔

وہ تکب ہاتھ میں لیے سٹیمک سی بڑھا رہی تھی۔ سیاہ عیبلا کے اوپر سرخیں اس کا کوف میں اس کا چہرہ جھک رہا تھا اور وہ سٹریٹ جیک وار کر سٹیل کی سی آگھیں۔ اس نے کیس لے کر پھر کئی تھیں۔ ٹکر کس؟

وہ ان ہی سوجوں میں کھڑی دیوانے کی اوٹ میں کھڑی تھی جب فرشتے کا آواز۔

”آگے بڑھو! اسرار طبر۔“

اور اسے پھر آگھوں کی صحت نوش ہوئی تھی۔

”تم کیسی ہو مخمل؟“ وہ بلسا بول کر میرے ساتھ اندر آگھیں میں بیٹھے ہیں۔“ فرشتے نے اس کا ہاتھ ہونٹ سے تھلا اور پھر اسے تھلے ہی اسے مختلف راہداریوں سے گزرائی اپنے آگھیں تک لگائی۔

”اور یہ کیا حالت بنا رہی ہے تم نے؟“

”پتا نہیں۔“ اس نے بیٹھے ہوئے میز کی بیٹھی کی سٹیمک اپنا غلٹ دیکھا۔ بھوری لوری اپنی ٹیل سے لٹکتی لاریاں تھیں آگھوں کے گہرے تھلے مانتے اور گال پر کھڑے ٹیل اور ہونٹوں کے سوچے کنارے۔

یکدم روٹھی اس کے چہرے پر بڑی تو اس نے آگھیں چہرہ کیا کر چھو لیا۔ فرشتے اپنی کمری کی پشت پر کھڑی کے بلائینڈ ز کھول رہی تھی۔

”ہاں میں نے بتایا تھا تم نے اسے کل کی تھی؟“

وہ ذرا سی چونکی۔ ”ہاں وہاں ہر بات کیوں اسے بتانا تھا؟“

اس نے سب سے پہلے فون کو دیکھا۔ عجیب سر پھر اٹھنا تھا۔

”تم کچھ یاد رکھو کہ تم میرے خلاف بیان دو گی۔“

”اور کوٹ میں جا کر مگر جاؤں؟“

”ہاں وہاں سب کچھ بتاؤ۔“

”اور وہ اس دم کس لیے میرا کھینچ کر لیں گے آپ کو انداز ہے؟“

”تم اس کی پوچھا۔“

”آپ سب مجھے اپنے اپنے مقصد کے لیے استعمال کر رہے ہیں آپ کو مجھ سے کوئی بھی درد نہیں ہے۔“

چہرے خاموشی چھلنی رہی پھر وہاں نے ٹھک سے فون بند کر دیا۔

وہ دھمکی فون ہاتھ میں لیے بیٹھی رہ گئی۔

اسے یہ نہیں جانتا چاہیے تھا۔  
 "انہوں کو تمہاری ہمت نظر تھی۔" وہ واپس کرسی  
 پہ آ بیٹھی تھی۔  
 "انہیں میری نہیں اپنی فکر ہے۔ ہمت خود غرض  
 ہیں آپ کے لڑن۔"  
 "جانے دو۔" وہ تری سے مسکرائی۔ "کسی کے  
 پیچھے اس کا براؤ کر نہیں کرتے۔"  
 "تو بھی ہے۔" اس نے شانے اپنا کئے۔ "یقیناً وہ  
 اسے لڑنے کی ہر ہمتی نہیں سن سکتی تھی۔"  
 "اجماعیہ بتاؤ۔" وہ دراز کرسی پہ آگے کو ہولی "آگے  
 پڑھائی کا ایسا پروگرام ہے؟"  
 "تبرہ میں تو خود ہی ہوا نوان کرتی ہے۔"  
 "تو ابھی گرمیوں کی چھٹیوں میں لوہرا اسکول آجاؤ؟"  
 "قرآن پڑھنے۔"  
 "آ۔۔۔ نہیں۔۔۔ انگریزوں کی۔۔۔ میرے پاس  
 قرآن سے ترشہ والا گھر میں پڑھا لوں گی۔"  
 "کی ایس کی میں کون سا بیجکٹ تھا؟"  
 "میتھس۔"  
 "کس سے پڑھا تھا؟"  
 "کرنل میں پڑھنے اور شام میں ایک ایس کی کے  
 پاس پڑھنے سے پائی گئی۔"  
 "میتھس کی بیک تھی تو سنی تمہارے پاس پھر وہ  
 وہ جیک سے کھل پڑھا؟ پھر پڑھ کر پڑھ میں۔"  
 "گھر میں خود سے پڑھا جاتا ہے اور۔۔۔ پھر  
 رک گئی اور جیسے سمجھ کر تھی سانس لی۔" قرآن اور  
 نصائی کتابوں میں فرق ہوتا ہے۔"  
 "اسی لیے ہم چار سال کی عمر سے گھنٹوں نصاب کو  
 پڑھتے رہتے ہیں اور قرآن کو پڑھا پڑے کے لیے رکھ  
 چھوڑتے ہیں۔"  
 "مگر قرآن کو اللہ نے آسمان بنا کر اتارا ہے تاکہ ہر  
 کوئی سمجھ سکے۔ میتھس نیچر کے بغیر سمجھ میں نہیں  
 آتی۔"  
 "قرآن آجاتا ہے؟"  
 "ہاں سمجھوں نہیں۔"

فرشتے نے تھی سانس لی اور جھٹکا کر کے ہار سے  
 ایک سیاہ جلد والی بچہ کتاب نکالی۔  
 "یہ انجیل مقدس کا ایک قدیم حصہ ہے۔ اس میں  
 محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی پیش گوئی ہے۔ کتاب  
 دلچسپ ہے یہ پڑھو۔" اس نے ایک صفحہ کھول کر اس  
 کے سامنے کیلا ٹھہرا کر کتاب اپنی جانب ہٹا لی۔  
 "اس کی امت کی انجیل ان کے سینوں میں ہوں  
 گی۔" وہ بے اختیار روی۔ "انجیل؟" اس نے پوچھا۔  
 "انجیل کی جمع۔ مراد ہے قرآن مجید ہے۔ اس سے  
 پڑھو۔" فرشتے نے ایک جگہ انگلی رکھی۔ "خود طوطی پیدا  
 انگلی جس کا گلابی داخن غنات سے تراشہ تھا۔ اس  
 نے انگلی میں زمو جزئی چاندی کی انگوٹھی پہن رکھی  
 تھی۔"  
 "اور اچھا۔" وہ اوجھ سے پڑھنے لگی۔  
 "وہ باز اوروں میں شور کرنے والا ہو گا۔ نہ ہے ہو وہ کو  
 ۔ نام احمد ہو گا ولادت مکہ اجرت طیبہ اور ملک شام  
 ہو گا۔ وہ آفتاب کے مایوں پہ نظر رکھے والا ہو گا۔ اس  
 کے لڑانے والے کی کارکردگی سنی جائے گی۔"  
 وہ راک کر کے اٹھ کر پڑھنے سے روکتی گئی۔  
 "ملک شام پھر؟"  
 "بعد میں مسلمانوں کی حکومت شام تک پھیلی گئی  
 تھی اسی طرف شاہ ہے۔"  
 "اور آفتاب کے مایوں پہ نظر رکھا۔"  
 "نمائوں کے اوقات کے لیے۔"  
 "اور اذان ہوئے جو اللہ۔"  
 "بالا۔" فرشتے جواب دیتے ہوئے مسکرائی۔  
 "گھر بیٹھ کر پڑھو کی تو یہ سوال کس سے پوچھو گی؟"  
 "قرآن کی تقابیر بھی تو پڑھ سکتے ہیں۔"  
 "علم پڑھنے سے نہیں سمجھتے آفتاب۔"  
 "آخر گھر بیٹھ کر پڑھنے میں کیا ہے؟"  
 "موسیقی کو غصے کے پاس جانا پڑتا ہے میری جان منظر  
 موسیقی کے پاس نہیں آتے۔ اچھی کو فانی کے علم کے  
 لیے اتنی ہی سفر کرنا پڑتا ہے۔"  
 "آپ۔۔۔ آپ کی ساری بات ٹھیک ہے مگر فکر

میری بات بھی ٹھیک ہے۔"  
 "خدیجہ بنت خنیذہ ذاکہ لا الی حولہ ولا الی حولہ۔"  
 فرشتے بینوں کو اٹھائیں کے درمیان گھمائی مسکرا کر گھری  
 سانس لے کر بولی۔ "وہ ان کے درمیان تہذیب میں  
 ہیں نہ لوہر کے ہیں نہ اوجھ کے ہیں۔"  
 "آپ نے عمل میں کچھ لکھا؟" اب عام بندے کو  
 عمل کھلی سمجھ میں آتی ہے؟ قرآن اردو میں کیوں  
 نہیں اترتا؟"  
 "اچھا سوال ہے۔" وہ اپنی نشست سے اٹھی اور  
 سامنے کرسیوں کے ریک کی طرف گئی۔ پھر سیدھی  
 کھینچی کتابوں کی جلدوں پہ انگلی گزار لی کسی کتاب کو  
 تلاش کرنے لگی۔  
 "تو تمہارا نقطہ یہ ہے کہ صرف خلی مخلور آ کر ترجمہ  
 دیکھ کر قرآن پڑھنا ہی ہوتی ہے۔" اس نے ایک کتاب  
 پہ انگلی رکھی اور اسے کھینچ کر باہر نکالا۔  
 "یہ سورہ یس اسرا نکل میں اللہ کے آہم کو سمجھا  
 کرتے سے انکار کرنے کا قصہ ہے۔ اس میں اللہ نے  
 اولاد آدم کے لیے کیا لفظ استعمال کیا ہے۔ پڑھو اور پھر  
 قرآن والے قرآن اس کے سامنے کھول کر رکھا اور اپنی  
 اور جزئی انگوٹھی والی انگلی ایک لفظ پہ رکھی۔ "خمن  
 ہے اختیار قرآن پہ بھگی۔"  
 "لاحتسکن البتہ میں ضرور قابو کروں گا۔" اس  
 نے لفظ اور ترجمہ دونوں پڑھے۔  
 "رائٹ۔ اگر البتہ میں اور ضرور کے شہزادوں کو نکال دو  
 تو میں حسی لفظ وہ جانتا ہے۔ ح ج ک یعنی حنکا  
 حنکا کے تین معانی ہوتے ہیں۔ کسی چیز کو خوب  
 پار کی میں سمجھا۔ مذہبوں کا حیت کا عقابا کرنا اور  
 حورے کے جنوں کے درمیان سے لگام گزار کر  
 گھوڑے کو قابو کرنا اور میں اس اتنا کھلے قابو کرنا۔  
 جسے انگریزی میں کنٹرول کہتے ہیں۔ جبکہ عربی کی  
 وسعت ہمیں بتاتی ہے کہ شیطان کس طرح ہماری  
 نفسیات سمجھ کر ہمارے ایمان کا عقابا کر کے ہمیں  
 لگام والا ہے اور وہ لگام عموماً منہ کے راستے سے ڈالی  
 جاتی ہے اور قرآن اسی لیے عربی میں اترتا ہے۔ تم

میری بات سے بور ہو رہی ہو۔ چلو چلتے دو۔ ابھی  
 تمہارے پاس ٹائم ہے اس لیے کہہ رہی تھی اور نہ  
 بعد میں دنیاوی تعلیم میں کچھ کر نہیں اس کا وقت  
 نہیں ملے گا۔"  
 "یعنی آپ بھی ٹیکنیکل میٹریوں کی طرح دنیاوی  
 تعلیم کو کٹا سمجھتی ہیں؟"  
 "میں دنیاوی تعلیم میں کھو کر ماہ پرست بننے کو لگنا  
 سمجھتی ہوں۔"  
 "اچھا میں چلتی ہوں۔" وہ بیک کنڈے پہ ڈالتی  
 اٹھ کھڑی ہوئی۔  
 "ہاں۔" جس پر ہور رہی ہے گھر میں سب پریشان  
 ہو رہے ہوں گے۔"  
 "پریشان اور پریشان کئی نہیں ہوتا، نتیجوں کی پروا  
 کسی کو نہیں ہوتی۔"  
 "کن تعلیم؟"  
 "میں ابیرے لیا نہیں جس۔"  
 "عمر کیا ہے تمہاری؟"  
 "میں ساڑھے۔"  
 "پھر تو تم بچہ کی عمر میں آؤ۔ تم کو اس تاباں فتنے کو کتنے  
 ہیں جس کا پاپ ٹوٹ ہو جائے۔ بلوغت کے بعد کوئی  
 شے نہیں ہوتی۔ اپنی اس خود تری کو اپنے اندر سے  
 نکال دو۔" محل۔  
 "آپ کیا کہہ رہی ہیں؟" محل بے یقینی سے بچھے  
 بیٹی اور چند کھلے اسے یوگنی سے اکتاہٹ لگا ہوں سے دلچو  
 کر لیتا کچھ کے تجزی سے باہر بھاگ گئی۔  
 فرشتے کی بات نے ایک دم اسے حسرت و سڑب گرایا  
 تھا۔  
 "بھاڑ میں گئی ڈسٹری میں یتیم ہوں!" وہ تجزی  
 سے راجہ اداری عبود کر کے برآمدے میں آئی۔ آگے  
 نکل ہی تپائی تھی کہ رہسپہشت نے روک دیا۔  
 "السلام علیکم یہ آپ کا ایڈیشن فارم فرشتے بلانی  
 نے کہا تھا کہ آپ کو اس کی ضرورت ہے۔"  
 "آف! وہ گھری سانس بھر کر ایک کے قریب آئی۔  
 "دیکھا ہے۔"

**Goldenpearl<sup>®</sup>**  
COSMETICS



”بس دیکھ کر وہ اپنی کمرہ کی صفحے پر سولی نہیں بیٹھتا“  
 ماہر نے کہا ہے۔ ”اس نے سوچا۔“  
 ”نیانچ کون سا ہے؟“ وہ اب پر اسہ کھنسن کے  
 صفحے پلٹ کر دیکھ رہی تھی۔  
 ”معلم الکتب پر سول ہیلی کاس ہے۔“  
 ”میں فرشتے کو صاف انکار کر دوں گی، مجھے وہ برا  
 منائے۔ بس پورا دیکھ کر وہ اپنی کمرہ کی۔“ وہ سوچ  
 رہی تھی۔  
 ”اور یہ فارم فل کر کے گدھ حرم بنا ہے؟“  
 ”اسی ڈیک ہے۔“  
 ”اور نہیں؟“  
 ”مہم کی نہیں نہیں ہوتی۔“  
 ”پھر میں کچھ چار جز تو ہوں گے۔“  
 ”ہم قرآن پر معاملے کے چار جز نہیں لیتے۔“  
 ”تو نہ لیں مجھے کون سا اور حرافہ لیتا ہے میں تو  
 پورا دن اس کا رٹ لیت کر قرآن میں بڑھ سکتی۔ کئی  
 ایک سو بار فرشتے ہرگز نہیں کہتے کہ اس نے  
 خلیفہ کی تھی۔“  
 ”مردوں کے ساتھ اور فارم فل کر رہی تھی۔“

”کیا فرق برتا ہے آپ کو؟“  
 ”فرق تو بڑا ہے۔ تمہیں یوں دیکھ کر مجھے یقین ہے  
 کہ تم میرے خلاف کورٹ میں پیش ہونے کے لیے  
 تیار ہو چکی ہو۔“  
 ”ہونا ہرے کا نمک اب کیا کرے۔“  
 ”کچھ نہ کرو۔“ وہ اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ محفل چھو  
 موڑ کر اسے دیکھنے لگی۔ جو سامنے گئے درختوں کی بازو کو  
 دیکھ رہا تھا۔ ”جب تک تم عدالت میں جاؤ گی ہمارا  
 چند افراد کی کمرہ کے گرد مزید ٹک ہو چکا ہو گا۔ بس  
 ابھی ان کی مانتی جاؤ اور کورٹ میں جے بول دینا۔“  
 ”استعمال کر لیں سب مجھے اپنے اپنے مقاصد کے  
 لیے۔“ وہ دیکھ سے سر جھکتی اٹھی اور زمین پہ گرا بیٹھ  
 اسٹریپ سے اٹھایا۔  
 ”تو رہو گی، بہت اہم خیال رکھا کرو۔“  
 ”آپ کی فکر میں بھی غرض پوشیدہ ہے۔ کاش میں  
 آپ کے خلاف بیان رے سکوں۔“ وہ تیز تیز قہقہہ مٹانا  
 سے مزک۔ آگے بھجے گی۔  
 وہ تھا نے اپنا کر گیت کی طرف آیا گیا بند کرتے  
 ہوئے اس نے خط بھر کو کمرہ میں موڑ کر اسے دیکھا ضرور  
 تھا جو سر جھکائے تھیں۔ مزک کے کنارے چلتی جا رہی  
 تھی بس اس کی جھوٹی اور پٹی پٹی ٹیل گولڈن پہ برابر جھولی  
 رہی تھی۔  
 وہاں پلٹ کر وہ اسے دیکھنے پہ جا لگے کی طرح بھاگت  
 دو درختوں کی بازو کو پھر کراچ پھر سے ویران ہو گئے۔

”میلو!“  
 وہ بیل سے ٹیک لگائے چھٹھوں پہ پر اسہ کھنسن  
 رکے سر سری سا رہ رہی تھی جب وہ واؤ کھلا۔ آواز  
 پہ محفل نے سر اٹھایا۔  
 ”جو کھٹ میں آؤ گے کھڑی تھی۔ ریڈ ٹراؤڈرز کے لوہے  
 سٹیو۔ بس سٹیو شریٹ۔ یہ اس کا مخصوص ایگسٹریٹ کا  
 ”کیسی ہو؟“ کوئی اس کے پاس آکھڑا ہوا۔  
 اس نے ہولے سے سر اٹھایا۔  
 ”ہاں، بہت سنجیدگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ سیاہ  
 ٹراؤڈرز پہ رٹ سی سفید شریٹ پہنے، اسے کھٹ کے کیلے پل  
 اور چہرے پہ نمی پھیلنا نہیں مجھے تیرا لگ کر آؤ۔“







رنگارنگ داستان

## پہچان

۶۰

### سانٹھوں اور آخری قسط

”میں چاہتا ہوں میں تمہارے لیے شرکاً بہترین و گلیل باز کروں جو تمہارے کیس کی اس طرح دی کرے کہ تمہیں کم سے کم مرزا ہو۔“ بہت دیر خاموش رہنے کے بعد انہیں خیال آیا تھا کہ وہ یہاں کس مقصد کے لیے آئے ہیں۔

”عجب منصف شرع ہے جو چاہتا ہے مجرم کو کم سے کم مرزا ہو۔ ایسا قاضی جس کی ہمدردیاں جرم کرنے والے کے ساتھ ہیں اور مجرم بھی ایسا ہو اقبال جرم بھی کر چکا ہو اور سزا کے لیے بھی تیار ہے پھر قاضی کی ایسی ہمدردی ہے معنی دار ہے۔“

وہ اسی حکمت بھرے انداز میں ان کے چہرے پر نظریں بنا کر بولیں نظریں بھی ایسی ہی متقابل کو اندر سے



یا پھر حلقہ کی ان وہاں میں گھر ہے مراد ہی رہے کہ ان کے لیے اب نیلم کے اس ایک فکری بھی میں تھی۔ وہ وہاں سے یوں بٹے جیسے ساری دنیا کی مسافت طے کر کے زندگی کے آخری کنارے پر آ بیٹھے ہوں۔ اب انہیں نہ آگے جانا ہے نہ پیچھے ہٹنا ہے۔ ہر طرح کا سطر تمام ہوا۔ محبت کا بھی اظہار کا بھی۔ آگے اب کچھ بھی نہیں تھا۔ صرف حیات تمام کا قاعدہ اور سطر آخرت، جس پر ہر کوئی جاتا ہے مرضی سے جائے یا زبردستی جانا ضرور ہے۔ اب انہیں بھی بس اس آخری دنگ کا اظہار کرنا تھا جس ان کی زندگی کا پورا اس آخری سطر جانے کے لیے روانہ ہو جاتا جس کے بعد انہیں معلوم تھا حساب کتاب کے لیے نہ ختم ہونے والے کھاتے تھے جس کا اختتام کہیں بھی نہیں تھا۔ نیلم کے اعمال کی اس دنیا میں سزا کا اختتام تھا مگر ان کی سزا بے انجام تھی۔ یہی نہ ختم ہونے والی نہ اس دنیا میں نہ اس دنیا میں۔



”کمال ہے تم نے اسے جانے کیلئے کیا۔ اتنی بے خبریوں تم اس کے جانے سے؟“ اسامہ جھینلا کر طائفہ پر بڑک کر بولا۔  
 ”بھائی قسم لے لیں میں نہ ماننے کے لیے سنی تھی اور اس کا کہیں جانے کا ارادہ تھا بھی نہیں اور نہ مجھ سے ذکر ضرور کرتی۔“  
 ”اس کا سبب فون بھی گھر رہے۔ ہمیں پھونڈی تھی۔ سنی کہ اپنا پرس ضروری سلمان کو کھ بھی تو ساتھ نہیں لے کر گئی۔“ اسامہ شکر لہے میں بولا۔

”اس بات کی تو مجھے پریشانی ہے۔ وہ خال ہاتھ بیٹا تھے کمال بنا سکتی ہے؟“  
 ”آپ نے منزل سے رابطہ کیا؟“ ذرا درجہ دل سے خیال آیا۔  
 ”وہ میرے ساتھ ہی تو تھا۔ ہم دونوں شہر بھری خاک چھان کر آ رہے ہیں۔ اور ہمیں تو اس کی کسی لکھی دست خط کا بھی علم نہیں تھا جہاں وہ جا سکتی ہے جو وہ چاہو میڈیا فورٹ کے ٹھکانے تھے۔ اس طور پر ان کا گھر جو پولیس سٹیشن کے بجلی ہے لگاؤ نشن بھی خراست میں ہیں تو وہاں تو وہی نہیں سکتی تھی اور ہم کہاں ڈھونڈتے اسے؟“ وہ سر تکانے لگا۔

”جہاں تیرا گھر ہے۔ میڈیا فورٹ جنرل میں ہیں تو پھر اور کون ہے جو اسے لے جا سکتا ہے؟“ طائفہ خود گلابی کے انداز میں بولا۔  
 ”جس طرح وہ سال سے غائب ہوئی ہے۔ کہیں بھی یہ آثار نہیں کہ اسے زبردستی لے جایا گیا ہے۔“  
 ”تو آپ کے خیال میں وہ اپنی مرضی سے گئی ہے؟“ طائفہ کچھ چونک کر بولا۔

”مجھے کیا پتا؟ وہ مجھے کون سا پتہ بتا کر گئی ہے۔“ وہ چڑ کر بولا۔  
 ”اچھا یوں کہ تانیہ کا سبیل فون لے کر تو اس میں جو جو نمبر ڈیڈ ہیں ان پر زانی کرتے ہیں۔“ اسامہ کو اچانک سے خیال آیا۔

اسی وقت ڈور قفل ہوئی۔

”میں دیکھتا ہوں جا کر منزل ہوگا۔ تم تانیہ کا سبیل لے کر آؤ۔“ اسامہ جاتے ہوئے اس سے بولا۔  
 اسامہ منزل کے ساتھ واپس آیا تو اس کے چہرے پر بھی حشک اور ایویسی تھی۔

”کچھ خالص خبر نہیں ہیں۔ گھر کے یا قوت جہاں تیرا اور یہ کسی باب کا گھر ہے اور شاید اوپر کا نہیں۔“ طائفہ نمبر چونک کر بٹے ہوئے بولا۔

اسامہ نے اس سے سبیل فون لے کر باب کا گھر بلایا۔  
 وہ سری طرح سیاب نے ہی کل ریسیور لی۔

”مگر میں کسی تانیہ کو نہیں جانتا۔“ اسامہ کے پوچھتے پر وہ لہو بھر سوچ کر بولا۔  
 ”ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟“ فون تانیہ کے سبیل فون میں ڈیڈ ہے۔“

”تو اس بات کا اس سے کیا تعلق جڑتا ہے کہ میں ان قانون کو جانتا بھی ہوں سُوری۔“ پھر اس نے فون آف کر دیا۔  
 تینوں کم صدمہ چھو گئے۔

”وہ دست ڈریس تھی۔ بہت زیادہ۔ سائے گھر والوں کے لیے سے اور یا قوت اور جہاں تیر کی باقیات سے خوفزدہ... میں نے اسے مت سمجھایا۔ کسی دینے کی کو شش بھی کی مگر۔“ طائفہ اسرو کی سے بولا۔  
 ”تم نے ارد گرد ہسٹے میں کسی سے پوچھا؟“ وہ سکتا ہے تانیہ کو کسی نے ہاتھ کھلایا کی کے ساتھ۔“ اسامہ کو پھر سے خیال آیا۔

”بھائی میں خود بہت کم اور گرد والوں سے ملتی ہوں۔ میں کیسے پوچھتی۔“ وہ شرمندہ سی لگا میں جھکا کر بولا۔  
 ”تم نے اپنے پیچھے شش کو کیا؟“

”ابھی نہیں سمجھے امید تھی کہ وہ اب تک واپس آ چکی ہوگی اس لیے میں نے گھر میں کسی کو نہیں بتا دیا۔“  
 ”میرا نشان ہو جائیں۔ منزل کے ہونے کے لیے میں بولا۔“

”اگر وہ اپنی مرضی سے گئی ہے پھر اس کا اپنا کاشک ہے۔“ اسامہ آہستگی سے بولا۔ منزل کے سطر چپ کر اس کی طرف دیکھا۔

”وہ ایسا کیل کرے گی وہ دست خوفزدہ تھی اور وہ ابیں ڈوہ بالکل بھی نہیں جانتا پتا تھی اسی لیے تو میں اسے اور حے کر گیا تھا کہ کھو توں میں میں ای ایو کو رضامند کر لوں گا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ منزل لوٹے ہوئے لہجے میں بولا۔

”جو اس دنیا میں وہ آتا ہے پھر اس کے لیے زندگی میں کچھ بھی ٹھیک نہیں رہتا۔ ٹھیک ہو بھی تو لگتا ہو یا چلا جاتا ہے۔“ طائفہ رندھے گئے سے بولی اور اٹھ کر اندر چلی گئی۔  
 ”میں جانتا ہوں۔“ اگر کوئی اطلاع ملے تانیہ کی تو پھر مجھے ضرور بتانا۔“ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

”ہوں رات تک کو کھ لیتے ہیں۔ تم ابھی گھر میں نہ بتانا۔ شاید اس کا خود ہی سے کوئی فون آیا ہے یا کچھ پتا چل جائے۔“

”ہو سکتا ہے اسے کسی نے گنہگار کر لیا ہو۔ ان لوگوں کے گروہ میں سے؟“ اسامہ کو اچانک خیال آیا۔  
 ”دونوں صورتوں میں اس کی واپسی ناممکن ہے۔ منزل ایویسی سے بولا۔

”کیا ایم پولیس کی مدد لے سکتے ہیں؟“ منزل نے لٹی میں سر ہلایا دیا۔

”وہ جہاں تیر بولی کی سماجی رہ چکی ہے۔ پولیس کے لیے اتنی خبریں ہم لوگوں کی زندگی و شمار کرنے کے لیے کافی ہو گی۔ اس لیے بہتر ہے پولیس کو تو اس واقعہ کی بھنگ بھی نہ ملے۔ پہلے ہی وہ یا قوت اور جہاں تیر کے اڈوں اور تانیہ کو شہر گھر میں سوچتے پھر رہے ہیں۔“



”بھرتراں نے تھک کر کہا۔“ اسامہ زبیر لب پہ بیٹا۔

”میں مطلب؟“ ستریل چونکا۔

”بعض خوف سے تم لوگوں نے اسے اپنے ہی گھر میں پناہ نہیں دی کیوں خوف اسے یہاں سے بھی لے گیا۔“  
”میں سمجھا نہیں؟“ ستریل الجھ کر بولا۔

”اب تم بے شک اپنے پینشن کو بھی گھر جا کر تنادو اس کی گشدرگی کے بارے میں۔ اور یہ بھی کہ وہ شاید اب کبھی بھی نہیں آئے گی۔“  
”اسامہ! تم کیا کہا جا رہے ہو۔ میں واقعی نہیں سمجھا رہا ہوں؟“ ستریل پریشان ہو کر بولا۔

”وہ تم لوگوں کی وجہ سے میرے خیال میں دوبارہ اس کھالی میں کود گئی ہے جس میں سے قدرت نے اس پر اپنی صبر پائی کرتے ہوئے اتفاقاً نکال دیا تھا۔ اگر تم لوگ اپنے دل وسیع کر لیتے اس کے کہہنا کہ وہ ظلمی کو معاف کر دیتے تو شاید ہم آنے والی بہت بڑی جدائی کو ختم کر سکتے تھے۔ اب آگے کیا ہو گا اس کے ساتھ۔ میں بھی نہیں جانتا تم بھی نہیں جانتے مگر ابھی شہر بھر میں میزیم یا قوت کا قصہ جس طرح افسانوں میں مشہور سرخوں کے ساتھ لگا گیا جا رہا ہے اور اس کی پس پردہ کہانی تو اس شہر جان چکا ہے کیا تم پھر بھی تانبے کے ساتھ آئے والے دونوں کا تصور نہیں کر سکتے؟“ اسامہ ڈھکنے چھے الفاظ میں بہت بچھ کہہ گیا اور ستریل اس کی بات سن کر دنگ سا رہ گیا۔

”میں نے کم از کم میرا خد اکواہ ہے میں نے ایسا نہیں چاہا تھا۔ میں اس کے لیے آخری حد تک لڑتا صرف گھروالوں سے نہیں تمہاری دغا سے۔ میرا بھروسہ تو کرتی۔ اسے میرا انتظار کرنا چاہیے تھا۔“ وہ ایک دم سے دل برداشتہ ہو کر صوفے پر گر گیا اور اسامہ کے پاس مزید کہنے کے لیے الفاظ ختم ہو گئے۔



”میں تمہارا انتظار کر سکتا ہوں۔“ وہ زرا امید سے بولے۔

”اگر کھالی میں بولے۔“ ستریل نے لہجے میں طبیعت کی۔

”کیوں؟“ وہ احمقانہ کرتے ہوئے بولا۔

”اس کیل کلاباؤب تو میرے پاس بھی نہیں۔“ وہ اور خلاؤں میں دیکھتے ہوئے بولی۔

”وہ کتنی راتیں خود سے لڑتی تھی کہ وہ کہیں یہ سب کر دی ہے۔ اس کی محبت ہاتھ پر دھاتے اس کے ساتھ کھڑی ہے تو وہ ہاتھ کیل میں بڑھاتی۔“

”تو پھر تم میرے انتظار کو لا حاصل کو سمجھے پروا نہیں۔ مجھے تمہارا انتظار تو کرنا ہے۔“ وہ بھی اٹھ لیجے میں بولا۔

”جیسا ہے وہ انم اور میرا قوت سے ملنے حوالا ملتی تھی۔“ وہ گہرا سانس لیتے ہوئے بولی۔

”تم حوالا ملے کیوں نہیں؟“ وہ چونکا۔

”میرے پوچھنے کہ انہوں نے میرے ساتھ ایسا کیا کیوں کیا؟ پتا ہے انہوں نے کیا کہا؟“

”وہ حوالا انہوں سے اسے دیکھنے لگا۔“

”کتنے لگیں۔ میں نے تو کچھ نہیں کیا۔ تم خود میری طرف بھیجی پہلی آہیں شاید یہ اس محبت کی تقویٰ تھی جو کبھی تمہارے دھوکے باز پاپ نے مجھ سے کی تھی اور میرا نام آسان ہو چلا گیا۔ اس وقت میں نے فیصلہ کیا۔“ وہ لہجہ

بھرتراں کی۔

”میں سمجھتی تھی میں ایک شہر اور بڑی بڑی چیز ہوں۔ اسٹی سمجھو وار کہ یہ تھکان کی آنکھوں سے اس کی بی بیٹا، یا آسانی یا سچا سچا ہوئی اور میرے سپا قوت نے مجھ پر یہ عقیدہ کیا کہ مجھ سے بڑا ایک شہر اور بڑی بی بیٹا اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ مجھ نے سمجھا یا خود مجھے نظر آ رہا تھا نظا ہر وہ شیوں کے جلو میں چلا۔ یہ سیدھا سا دل پر کشش دستہ کس کھالی میں جا کر ٹھہر گیا تھا۔ میں اس عورت کی کشش میں اندھا بند سوئے تھے بغیر بولنے ہی گئی۔ شاید یہ قسمت کی مولائی تھی یا کچھ میرا دل اس اجارا ہا کہ نہیں کوئی دل ڈھبہ نہیں۔ اگر ایسا ہو تا تو شاید میں تمہارے کیا کسی کے بھی سامنے کھڑی نہ ہو پائی۔ خود کو ختم کر چکی ہوئی گھریا رات کے اندیشے۔ وہ سیاہ رات جو میزیم یا قوت کے گھٹاؤ نے مرا نام مجھ پر مسلط کرنا چاہتے تھے اس کا خوف۔ کتنا جان لیوا ہے اس نے ایک دم سے تمہیں بند کر لیں۔“

”میں اس کا تصور کرتی ہوں تو لرز جاتی ہوں۔ اس لیے میں نے سوچ لیا ہے مجھے ابھی نہ تو شادی کرنا ہے نہ اس کے بارے میں سوچنا ہے۔ کتنے سال تک نہ بھی میں نہیں بتا سکتی۔ معلوم نہیں اس خوف کے دور ہونے اور خود پر اظہار حال ہونے میں مجھے کتنے برس لگ جائیں۔ میں تم سے کی کہوں گی۔ میرا انتظار نہیں کرنا۔“ وہ ایک دم سے بڑی بڑی بڑھا اور سنجیدگی لگنے لگی تھی۔

”تم اپنے بارے میں خود فیصلہ کرو اور مجھے اپنے بارے میں کہتے دو۔ اگر تم نے مجھے خود سے الگ سمجھ ہی لیا ہے تو میں اپنے لیے فیصلے خود ہی کرنے چاہوں۔“ وہ جڑے ہوئے انداز میں بولا۔

”وہ جتنی تمہاری مرضی۔ میں تمہیں بھروسہ نہیں کر سکتی جیسے تم مجھے نہیں کر سکتے۔“ وہ صوفے سے منگرا کر بولتا۔

”مجھ کو تو دل نہیں جب ہونے سے ان کے درمیان ہونے والی تمام باتیں ہو چکی ہوں۔“

”ان کی باتیں ابھی ابھی لوہے کے زوالی پھر رہی تھیں۔“

”چاروں اور خیر مزہ دل پھرایا۔ اسے خالی تھی شہر میں کھیلنے والی لڑکیاں۔ چھپا رہی تھیں۔ موسم کا وہ ظلم مجھے سزا باز کیے ہوئے تھا۔ نہ چھانوں نہ دھوپ کی سڑی نہ گرمی نہ ہوائ۔ میں اس کی ہی لڑائی تو شستہ کی۔ جو دلوں کو سچ رہی تھی کہ سال سے بھاگ چلو مگر کہاں؟“

”وہ قتل نے ہی سے سراخا کر اس وقت کے موسم سے پوچھا ایک موم کی حد پر وہ سرا موم کھڑا ہے دن کی حد پر رات کی حد پر تمام محبت کی حد پر لغت۔ مگر پھر کی حد پر کیا تھا؟ پھر کئی دنوں سے شہر ہو۔ اس کی حدود کا حکم تھا وہ لوں کو نہ اپنی اپنی حد پر قائم رہنے کا انتہا۔“

”فون تو کر سکتا ہوں نا تمہیں۔ رابطہ تو رکھو گی نا؟“ بہت دیر بعد وہ انم کو خیال آیا تو پوچھ بیٹھا وہ خلی خالی نظروں سے دیکھتی رہ گئی۔ ان نظروں میں نہ ہاں تھی نہ نا!

”اور یہ بھی تو ہو سکتا ہے جس طرح پہلے مجھے تمہاری کشش نے لندن سے پاکستان لایا پھر کبھی کسی طرف سے پھر میں پاکستان سے لندن چلا جاؤں۔ فلاسے سٹ جائیں تو دوریوں کے امکان بھی سٹ جاتے ہیں۔“ وہ بچوں کی خوشی سے بولا۔

”چلو یہ بھی کر کے دیکھ لیا۔ ابھی تو میرے لیے دوری اور قربت ایک جیسے ہیں۔“ وہ بونٹی منگرائی۔  
”ایسا ہے تو پھر میں رہ کر دکھاتا پھر میں مالوں تاکہ تمہارے نزدیک قربت اور دوری ایک جیسی ہے۔“  
”میں تمہارے بھاگ رہی ہو عزت؟“ وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر بولا۔  
”جی کما تم نے مگر تو جانچ میں بھاگ رہی ہوں تم سے میں خود سے۔“ وہ افسرو کی سے بولی۔

وہ تم مجھے خود سے نفرت سی ہو گئی ہے۔ میں اتنی بڑی اتنی کمزور لگتی تھی مجھے تب تک نہیں آتا۔ ابھی میں کمزوری کی میں خود کو برا بنا چاہتی ہوں۔ صحت بڑی کمزور۔ صحت سے دلاری کی سزا پوری آسان نہیں۔ تمہارے بارے میں میں نہیں جانتی کہ میں نے تم سے واقعی۔ اس کے الفاظ جیسے ختم ہو گئے اور اس کی آنکھوں سے وہ آنسو ٹپک پڑے۔

"تو تم دونوں سزا مجھے تو تم پر مجبور ہے کہ تمہارے کسی طرح مشہور بہادر اور باکرا ہو۔" وہ تمہاری نفرت سے بولا۔

"یہ ممکن نہیں۔" وہ جھرمجھی سی لے کر سیدھی ہو گئی۔ چہرہ صاف کر کے پہلے جیسی بندھی سی عروہ بن گئی۔

"میرے لیے یہ ضروری ہے ورنہ۔" وہ تمہاری نفرت سے بول رہی تھی۔ وہ بھی کھڑی ہوئی۔ "بھینسی بھینسی۔ خاک شرمندہ سی عروہ شاید تمہیں بھی قبول نہ ہو۔ تمہارے دونوں میں ہی کچھ سے بے زار ہو جاؤ۔ بلکہ مجھے خود سے خود کو سمیٹ لینے دو۔ تم اس عمل سے نہیں کڑے اور میں دعا کروں گی تمہارے ساتھ ایسا بھی نہ ہو مگر یہ بہت مشکل عمل ہے۔"

"تو تمہیں مشکل میں پڑتی ہو۔" یہیں رہ جاؤ۔ سال دو سال تو میں ویسے بھی انتظار کر سکتا ہوں۔ اس کے بعد جو تم کو۔" وہ پھر تری سے بولا۔

"میں نے کہا تھا ابھی مجھے ہر شے سے دور ہو جانے دو۔ میں اسٹریڈ کرنا چاہتی ہوں۔ خود کو بھول جانا چاہتی ہوں۔ اگر تم سے جڑی رہی تو پھر خود کو کبھی نہیں بھول پاؤں گی اور جو کچھ میں نے اپنے ساتھ کیا ہے وہ تم کو میری ہی نظر میں ناقابل معافی ہے۔ اتنی سزا میرا حق ہے۔ سزا کے بغیر ورنہ کئی محکم نہیں ہوتی میرے ذہن میں یہ یقین پکا ہے۔ اس نے مسکرا کر بات ختم کر دی۔"

اور جانے کے لیے مجھ سے کہا کہ اب محبت کا حاصل ہو گیا۔ پھر ابھی مصطفیٰ صاحب کب راضی تھے۔ انہیں بھی منانے میں شاید بہت وقت لگا۔ وہ درجہ پانچواں "بڑی" کے لیے تھی۔ اس کے دل کو یقین تھا۔ اس نے کہا اس کے لیے اگر عروہ کی طرف دیکھا۔ وہ بھی پکا سا مسکرائی۔ وہ اپنے فیصلے پر مطمئن تھی اور اس کی خوشی میں۔ انہی کی خوشی کو۔ دونوں اچھے کر دوس پر ہنسنے لگے۔



"میں اس کا کچھ پتا نہیں چلا۔ وہ جہاں بھی گئی ہے۔ شاید اپنی مرضی سے۔" تنزل جھکے ہارے لہجے میں کہ رہا تھا۔ یقین کے خط بند ٹوٹ گیا۔ وہ بے اختیار رو لانے لگیں۔

"اتنی آپ روئے؟" کا کیا فائدہ؟ وہ اتنی تو تھی۔ بہت آس بہت امید لے کر۔ مگر اس کی آس بڑی تھی اور ہمارے دل چھوئے۔ ابی ہا ہم معاف کرنا نہیں جانتے۔ ہم ایسے نصیب پسند لوگ ہیں جو خود ہی اپنے زخموں کو کھرتے ہیں اور زخم رہتے ہیں اور پھر ان ہی زخموں کی لذت کو سستے خود کو مظلوم کہلاتے ہیں۔ تکتے مٹاتے ہیں ہم لوگ۔" اسے خود ہی بھی بے تحاشا قصہ آ رہا تھا۔ اسے نامہ کی ذہنی کیفیت کو سمجھتے ہوئے اس کے لیے جلد سے جلد کوئی شخص قدم اٹھانا چاہیے تھا۔ یوں اسے دو سہولت کے گھر میں ڈال کر کیا اس کا فرض ادا ہو گیا تھا؟

"اسے ایک بار ہی مسکرایا تو آنا چاہیے تھا؟ میں نے بات کی تھی اس حسن سے وہ بالکل خاموش ہو گئے تھے جس کا مطلب شہر ضامن ہی تھا مگر۔ تم اسے فون کرو۔ کہیں تو اس سے رابطہ ہو سکتا۔" وہ دوتے ہوئے بولیں۔

"کپ کے خیال میں میں نے ایسا نہیں کیا ہو گا؟" وہ کراس اس لے کر اپنی سی بولا۔

"وہ اپنا فون بھی نہیں چھوڑتی تو رابطہ کہاں کرتا۔"

یا یقین کی سسکیاں کسب کی خاموشی میں گونجنے لگیں۔ اسی وقت گھر سے کہا ہر ٹہٹ سی ہوئی۔

اور ریحہ کے ساتھ اندر آتے محمود عالم کو دیکھ کر دونوں چونک سے گئے۔ ریحہ انہیں دروازے سے گھاس جھوڑ کر اسی طرف گئی۔

"آئیں آج میں محمود بھائی! یا یقین چہرہ صاف کرتے قدرے بو کھلا کر بولیں اور کھڑی ہو گئیں۔ تنزل کے اعضاء تن سے گئے اس نے حیرت سہی طرف کر لیا۔

"میں آپ کے لیے چائے لے کر آئی ہوں۔" چند لمحوں کی معنی خیز خاموشی سے گھبرا کر یا یقین کہہ کر تیزی سے باہر نکل گئیں۔

محمود کھڑے کھڑے شاید تھک سے گئے اس لیے خود ہی صوفے پر بیٹھ گئے۔

"کیوں گئے ہیں آپ یہاں؟" وہ تنفر بھرے لہجے میں بولا۔ وہی شخص تھا جو کسی بھی حوالے سے پہلے کسی بھی نسبت سے آگاہ ہونے سے بھی پہلے کس نفرت اور غلو بھری نظروں سے اسے دیکھا کرتا تھا اور کس یوں بارے ہوئے انسان کی طرح بیٹھا تھا۔ اور تنزل کو اس پر ذرا بھی ترس نہیں آ رہا تھا اس کی موجودگی اسے ابھرنے میں جھکا کر رہی تھی۔

"مجھے خود میں ہاتھیں رساں کیوں کیا ہوں۔" وہ نہ حال سے انداز میں بولا۔ تنزل اسی طرح نہ صوفے پر بیٹھا رہا۔

"یہ کیا تم بھی مجھے معاف نہیں کرو گے؟" وہ عجیب ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولا۔ محمود عالم اور اس طرح تنزل جیسے انسان سے بڑا معافی مانگا۔ تنزل کو ان کی ذہنی حالت کچھ اترتی تھی۔ ایک کھنڈ ایک کھنڈ۔ وہ کچھ اللہ غور ہی کر سکتے تھے۔ اسے جو بھر کو کسی ماں پر نہیں مہا گیا۔

اس سے کیا ہو گا؟ وہ چاہتے ہوئے بھی بہت سخت لہجہ نہ اختیار کر سکتا۔

"کیا نہیں کیا ہو گا؟" وہ خود سوالی اور جوابیوں کے محور میں الجھ رہے تھے اس سوالی انداز میں بولے۔

"شاید مجھے یہ خیال رہے کہ کئی تو ہے۔ کوئی ایک۔ جس کے گھسے میں سر رکھ کر دو سکوں۔ تنزل مجھے لگا ہے میرے اندر آنسوؤں کا سترا دکھانا ہو گیا ہے۔ مگر میری آنکھیں خشک ہیں میں رونا چاہتا ہوں۔ مجازاً میں مارا کر گئی کے گلے لگ کر۔ جب کوئی مرے تو کسی اپنے کے گلے لگ کر اس کے سر سے گلے لوگ دھاڑیں مارتا کر کر دوتے ہیں تو پھر اس کے دل کا سارا اخیار نکل جاتا ہے۔ وہ بالکل ہولنے سے بچ جاتے ہیں۔ میں بھی اپنی موت کا پرہیز کسی کے گلے لگ کر رونا چاہتا ہوں اس آنکھوں محمود عالم کی موت پر۔ جس نے یہ سارا اٹھ چھایا۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بے خوف سے لہجے میں بولتے چلے گئے جیسے انہیں خود ہی گناہ ہو کہ وہ کیا بول رہے ہیں۔

"کیا آپ کو اس محمود عالم کے مرنے پر افسوس ہے؟" وہ تھوڑا سا ان کے قریب ڈرنا تو ہو کر بیٹھ گیا۔

اور دونوں نے پہلے بار ایک دوسرے کو اسے قریب سے دیکھا۔ دونوں کی نظریں ملیں اور بتائیں کیا ہوا۔

محمود عالم کے سمندر روں کے بند ٹوٹ گئے اور اس اللہ ہی نے تنزل بھی بھول گیا کہ اسے اس شخص سے کتنی نفرت ہے۔ وہ کبھی اس کی پاس بیٹھنا تو کیا اس کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہے گا۔ محمود بالکل بھول گیا۔ محمود عالم دور دور سے اس کے گلے سے گلے دور رہے تھے اور اس نے بڑی قراحتی سے اپنا کندھا ان کے سامنے پیش کر دیا تھا اور وہ روئے چلے جا رہے تھے۔

"میں نے سب کچھ برباد کر دیا۔ اپنے ہاتھوں سے اپنی بڑی سے اپنی کیسکی سے اپنے گھٹیا پن سے میں اعلا

خاندان کا ہر کچھ طرف نکلا اور ایسے کئے انسان کو کوئی بھی معاف نہیں کرتا اگرنا بھی نہیں چاہیے۔ تم بھی مجھے  
 صحابہ کو ہماری وجہ سے پھری وجہ سے وہ علم سے یا قوتوں کی اور ہزاروں زندگیوں کا تباہ و تخریب کر کے  
 ایک ٹیم کو بچا لیتا۔ تنزل لیتا تو میں اتنا بڑھتا ہوں کہ یہ نہیں نکلا۔ وہ لوگوں اس کا چہرہ انھوں میں کے اس سے ہر  
 کی طرح پوچھ رہے تھے جسے ہر ایسے مشکل موقع پر اس سے مشورہ کیا کرتے ہیں۔  
 اور اس کے تنزل پر رکھا کہ وہ جانی زندگی میں اتنا تازہ ہو گیا تھا۔ اس کی وجہ محمود عالم کے نبوی اخیر تھی۔  
 اگر وہ احسن مراد کا پٹا ہوتا تو یقیناً ان کی طرح بریکٹیکل زندگی میں اتنا کام نہیں ہوتا تو اپنے اصل پاپ کی طرح  
 برہنہ تھا صرف انھیں مارنے اور اوپے اوپے منسوب بنانے خواب دیکھنے والا۔ کچھ کرگزرتا اس کے اختیار میں  
 نہیں تھا۔

”تمہارا امت شکر ہے تم نے مجھے اپنا کدھا ہار دینے کے لیے اور تم نے مجھے زیر بار کر لیا میں تو تمہیں ہاپ  
 ہونے کی حیثیت سے کچھ نہیں دے سکا مگر تم نے مجھے ان لمحوں میں اپنے جسم کی دیوار سوار سے کوئی بہت  
 شکر ہے مجھے اب تم سے کچھ نہیں چاہیے۔“ وہ ایک دم سے جیسے پکے والے محمود عالم بن گئے اور چہرہ صاف  
 کر کے کھڑے ہو گئے۔

”لیکن ایک بات ہے میرا اب کچھ تمہارا اور لائیو کا ہے لیکن میں سمجھتا ہوں میں ایک ناکام انسان ہی نہیں  
 ایک ناکام پاپ بھی ہوں۔ ایک نئی کی سرگرمی بھی ناصیبت سے وہ بھی نہ تھکے سے نہیں جھانکا۔ تو تمہوں کا  
 سرور سے بن کر بھی میں کوئی فرض اور نہیں کر سکتا۔ تمہوہ کرنا جس میں تمہاری خوشی ہو اگر میں تمہیں ساتھ  
 ملنے کو کہوں گا تو میرا نالستگی میں نہیں اس خوف فریبی یا سبق دہوں گا جس کا مظاہرہ میں نے ساری زندگی  
 کیا۔ خوف فریبی اور احسان فراوانی میری خواہش ہے کہ کوئی نہیں ملے کہ یہ طبع نہ دے سکے کہ نکلے یا پھر محمود  
 عالم جیسے خوف فریب انسان کے بیٹے۔ جب میں نہیں پکے تھوڑے سا تو اتنے کا بھی حق نہیں رکھتا۔ اپنا تھیل رکھنا اگر  
 کسی لیکن نہیں۔“ وہ خود ہی رنگ کھتے۔

”میں ہوں میں۔“ وہ کہ کر بھی ہنسی کھڑے رہے۔  
 ”ایک بڑی بڑی پھر عالی قدرت انجانے میں کسی مجھے دے چکی۔ تم میرے پاس رہو نہیں مجھے لے لیا نہیں  
 کرتے۔ یہ فعلی طور پر ہے کی محمود عالم جیسے لاپرواہی خود غرض انسان کا ہونے کے بعد بھی کسی کے نام کے ساتھ بنا  
 جڑا ہو گا اور وہ میرا نالستگی میں ہی ان وقت دعا میں گرفتاری میں اس اب بھی ہے کہ  
 میرا لیے تمہوہ بڑے خدا حافظ۔“

وہ اس کے کنبے سے اپنا کدھا ہاتھ رکھ کر آہستگی سے اس کے پاس سے گزر کر باہر چلے گئے  
 اور وہ کچھ بھی نہیں بول سکا میں کسی ت کی طرح کھڑا رہا۔

”تم اپنے آپ کے پاس چلی جانا۔“ یا قوت نے اس بھری نظروں سے لائے کاپیا ت چھو کچھ کرنا۔  
 ”کیوں ساہا پ؟“ وہ طرح کر رہی۔  
 ”جیسا بھی سنی۔“ یا قوت نے کہنا چاہا۔  
 ”پلیز یہ ایسا دسا کیسا اتنی اہم بات اتنے غلط۔ ایک ایسا انسان جسے میں جانتی تک نہیں۔ اوہی زندگی اس کا  
 نام چاہئے لیسے گزار رہی۔ اور یہی کی کوہی زندگی اس کے ساتھ گزار رہی۔ اسے سبیل۔“ وہ تندی سے بولی۔  
 ”یو تو میں اب کوئی سات آٹھ سال کی بے سارا ہے آسرا بھی نہیں جسے کسی ایسے راست دکھانے والے کی یو

انہی کچھ کر ساتھ ملنے والے کی ضرورت ہو اور ہم اس کی توجیہ یہ اتنی تھی۔ آپ نے اس وقت مجھے بھی وہی  
 نہیں چکرتے تھی تو اب کیا خوف ہے اب کو یہی کہ میں نہیں کہ نہ ہوں میں۔ وہ کوئی کی تو کیا اب کو تو اب کسی  
 بھی بات کی فکر نہیں ہوتی چاہیے۔ تمہا کچھ کھتے اس کی ضرورت اس کے ہر ہر لفظ سے جھلک رہی تھی۔  
 میں تمہاری ہر دم ہوں۔“ وہ سر جھکا کر بولیں۔

”تو ہمارا صرف میری نہیں ان بیکروں لوگوں کی جن کی زندگیوں کو آپ نے یہ ہار دیا۔ ہمارے پاس وہ سب  
 دیا نہیں ان سے مدد کیوں مانگتے گا؟“

آپ نہ قابل مدعا ہیں نہ قابل رحمہ۔ انفرت بھری نظریں میں نکلیا قوت نے کبھی تصویر بھی نہیں کرنا تھا۔  
 وہ عظم آپ کے ساتھ ہوا تو عظم آپ نے بھی کم نہیں ڈھایا اب آپ کو کیوں فکر ستانے لگی کہ آپ کی بیٹی اسکی  
 اس معاشرے میں جس طرح رہے گی کیا اسکی اسی طرح ہمارا جس طرح آپ بھی بلا نہیں اسکی پھر نہ والی کسی بھی  
 لڑکی کی چھاپا بن کر اس سے بچت جاتی ہیں اور اس کے بدن سے لو کا آخری اظہر تک کچھ نہیں ہیں۔ کوئی دن کہتے  
 بھی لکھتی کوئی بلا۔“

”تاہم اس سے زیادہ ان کی ہواشت میں تھی۔  
 ”کیوں؟“ وہ دل گیا آپ کا ہمارا بھی آپ نے ان معصوم زندگیوں کے بارے میں بھی ایسے لہجہ کو سوجھا تھا یو  
 آپ کی وجہ سے ہوا وہ میں۔“

”اس کا نظارہ تو یہ سبیل۔“ وہ ہلکتے خورہ لیسے میں بولیں۔  
 ”یہ کٹھن میں نام یہ کٹھن ہو بھی نہیں سکتا اتنی زندگیوں کا آغاز صرف آپ کی ایک زندگی اس میں مجھے  
 بھی حصہ ڈالنا ہوا آپ کی زندگی میں وہ اللہ کی اور تو ڈالنا ہی نہیں ہوتی ہے تو خوار کیا نہ ہوا تو اب  
 I have to contribute۔“ اور یا قوت نے اسے اس نظروں سے اسے دیکھ کر کہا ”یہ لوگوں کی نسل تھی  
 جو میں کا بھی ہی کافی تھی۔“

”میں جانتی ہوں ہمارا اب کبھی آپ سے ملے نہیں اور اس کی آپ نے سمجھا ایک جا تیرہ لڑکی کو اب قوت  
 کو یہی کہ آپ کی بھی نظروں سے ہوتی ہے میں سمجھتا ہوں آپ کے اور آپ کے اس شیطان شہت یا پھر  
 سے جانب ہیں اب کس کس کو ختم کر لیں گی؟“ میں کرکتیں نا نہیں چاہیے آپ کی کہی تھی اسی حق وہ ہا ہر کھتے  
 لگا ضروری ہے اور یا قوت کے ہتے جتے کی اور آپ کا کچھ نہ کہہ لگانا اور ہوجانے کا ہتے ظاہر یو۔  
 اس نے ایک نظر ڈالی اور یہی کی ”یہ یا قوت نہ کھتی رہ لیں۔“

ایئر پورٹ پر محمود عالم اور سارہ محرومی آگے کرتے آئے تھے وہ آپ سے وہاں موجود تھا۔  
 ”میرا مشورہ ابھی بھی نہیں پہنکی سے واقف کر کے۔“

”میں نے تم سے کوئی مشورہ نہیں مانگا۔“ مجھے ضرورت ہے یہ طے ہو چکا ہے کہ محمود عالم وہ کریں گے جو ہمارا  
 دل کے گاہگ اپنے دل کی نالبت میں اپنے دل کی مالوں کا اور میں۔“ اس نے عجزہ کو بات کھل نہیں کر سکی۔  
 وہ واقف رہی سے مسکرا کر رہی تھی۔

مشاید مجھ پر میری قسمت کا کوئی اچھا گوشہ ہے جس میں میرے لیے اتنی خالص محبت مخلوق اور نہ یہاں پاپ  
 کی دعا میں تو وہ نہیں سکتیں کہ میرے ماں باپ کو اپنی ذات کی دیواروں کے باہر جھانکنے کی بھی قسمت ہی نہیں  
 ملی۔“

تم ابھی بھی ان سے ناراض ہو؟

علیہ السلام نے یہ سب کچھ دیکھا تھا۔ اس نے اپنا مختصر سامان اٹھایا باری باری بارش انداز میں محمود عالم اور سارے کے گلے کی۔ اور دائم کی طرف ہاتھ ہلائی مضبوط قدموں سے چلتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

مغرب آتم آجاؤ گی تلو و کھو ویر نہیں کرنا تھا نہیں میں اتنے دن تمہارا انتظار کر سکوں یا نہیں۔ آخری لمبے میں جاتے سارے کو کیا ہوا ایک دم سے دوڑتی ہوئی گئیں اور اس سے لپٹ کر بولیں اور مرزے کے مضبوط قدم کھل گئے۔

”مہم! میں آپ کے پاس ہی ہوں جب تو اوزوں کی میں آجاتی کی۔“ وہ بھی نے اختیار ان سے لپٹ گئی اور دائم کے دل کو تھین ہو گیا۔ وہ اب زیادہ عرصہ خود کو ان تھیلوں سے لاد نہیں رکھ سکے گی۔ وہ ایک دم سے ہلکا پھونکا ہو کر دوڑ چالی عزم کو دیکھ کر ہاتھ ہلانے لگا۔



”دیکھو تو اس بڑھے آٹا کو کیا ہوا اس عمر میں۔ سٹھیا گیا۔ سب کچھ چھوڑ چھاؤ کر جائے کہ ہر کوئی کیا نہ اتا نہ پتا مر مر گیا تو کون فن و فن کرے گا۔“

”تو کیا تو تھو تھو تھو سے ایک سی طرح کے جھلے تھوڑے سے فرق سے لالے جا رہی تھیں۔“  
”تیز لکھ بھیا سے میں نے اہل جاں اٹھایا کچھ پتا چل جائے۔“ یا سمین نسل دیتے کو بولیں۔  
اور رات کے تیز لکھ نام اور اوپس لوٹ آیا۔

”پورے شہر میں تلاش کرو الا حکمہ کہیں نہیں ہیں۔ پھر گھر میں ایک جلد خاموشی چھا گئی تاسیہ کی آشدگی کے بعد کی یہ پوری خبر تھی۔“

”حسن مرزا کے گھر میں تو اب بھی اب خاموشی ہی رہتی تھی مگر جی و جاؤ نہ کامل لکھ کچھ بھی نہیں تھا۔“

”ابھی اٹھنے جا رہی تھی۔“ اس جلد سٹال کو تیز لکھ کی مدد ہم تو اڑنے لڑاؤ۔

”جی۔“ او خدا! تمہارا لاکھ کھڑے میرے مولا کوئی تو ابھی خبری۔“ یا سمین کی آنکھوں میں آنسو آگئے تو کرسی کا مطلب تیز لکھ کا مستقل نہیں رہتا یا سمین کے لیے تو یہی سب سے بڑی خوشخبری تھی۔  
”لیکن مجھے کوئی کی طرف سے تین سال کے لیے ملا بیٹیا جانا ہو گا۔“ اس خبر کا بقیہ حصہ یا سمین کے لیے کسی دھماکے سے کم نہیں تھا۔

وہ بے یقین نظروں سے اسے دیکھتی رہ گئیں۔

اور یقین جیسے میں نے خود سے لپٹی تو کرسی کی تلاش نہیں کی تھی ہمگ۔ اگر آپ کہتی ہیں تو میں اتفاق کر دیتا ہوں۔“ وہ یا سمین کے تاثرات دیکھ کر اٹھنے ہی لگے۔

”نہیں بیٹا! اتنے عرصے کے بعد تو خدا نے یہ یہ کریم کیا ہے تو کیا شوکر مارو گے ہرگز نہیں تم بے فکر ہو کر جاؤ تو کرسی پر۔“

وہ ایک دم سے مان گئیں اور تیز لکھ حیران سا دیکھا کیا در نہ اسے یا سمین سے اچھے خاصے معرکے کی امید تھی کہ وہ بھی نہیں یا سمین کی۔

شاید اس لیے انہیں یہی بہتر لگتی کہ فی الحال تیز لکھ سے چلا جائے۔ ورنہ محمود عالم کی کشش اسے کسی بھی

لکھے کچھ کتنی تھی۔

”دیکھیں جلتے سے پہلے ایک ٹوٹی ترمیمی بھی پوری کرو گے۔“ خدا و پروردہ بولیں۔  
”جو آپ کہیں۔“ وہ فوراً سے بولا۔

”تمہیں شادی کر کے ماٹھ کو اسے ساتھ لے جانا ہو گا۔“

اور تیز لکھ کو اپنے کانوں پر یقین ہی نہیں آیا وہ بے یقینی سے دیکھتا ہوا لٹی میں سر ہلانا جاتا تھا۔  
”تو تم میری بات نہیں مانو گے؟“ وہ تھل سے بولیں۔

”نہیں ایسا سوچ بھی نہیں سکتا تھا! ای، کہ آپ عاقل کے لیے۔ اتنی آسانی سے مان جائیں گی۔“ وہ یا سمین کے گلے میں ہاتھیں ڈالتے ہوئے بولا۔

”خود غرضی کھو اسے بھی میری شبانہ اسی طرح خدا کو مجھ پر میری تائید پر رحم آجائے۔“ وہ گھر آجائے، مگر میں عاقل کو سینے سے لگا لوں تو۔“ وہ کہتے ہوئے ایک دم سے رو پڑیں۔



”کن کتنے عرصے بعد ہم تینوں پھر سے اس طرح اکٹھے ہوئے ہیں کچھ یاد ہے دائم اللہن میں ہماری یہ کون کبھی بھی ایسے شام نہیں ملتی تھی سیدہ ساتھ مل کر اسامہ، دائم اور لائیبہ کی طرف دیکھ کر بولا۔

”مہوں یاد ہے۔ اور سچ میں اتنا کچھ بدل گیا کہ پھر یاد کرنے کی فرصت بھی نہیں مل سکی۔“ دائم ہاتھیں پھیلا کر بولا۔

”تم نے آگے کیا سوچا ہے؟“ دائم نے اسامہ کی طرف دیکھ کر کہا لائیبہ بالکل خاموش بیٹھی تھی وہ ان سب کو اکثر رشید کے ساتھ رہتی تھی اگرچہ محمود عالم سے دیا لینے آئے تھے مگر اس نے انتظار کر لیا تھا۔

”میں اللہن میں جا رہا ہوں۔“ اسامہ لائیبہ سے بولا۔ ”مجھے وہاں بہت اچھی جا رہی ہے۔“

”میں لائیبہ سے ملنے کو نہیں آتی تھی؟“

”میں لائیبہ سے ملنے کو نہیں آتی تھی؟“

”وہ دن تو گئے جب زندگی ہمارے پروگرام کے مطابق چلا کرتی تھی اب وہی کچھ چلے گا جو زندگی چاہے گی میں نے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا ہے۔“ وہ بے نیاز سے بے میں بولی۔

اسی وقت دائم کا سبیل فون بجنے لگا۔

”ہکسکو زنی۔“ کہہ کر فون سننے ایک طرف چلا گیا۔

”تم میرے ساتھ چلو گی لندن؟ تمہارا ڈریس ڈیزائنو بیٹے کا شوق اور۔“

”اور کیا؟“ لائیبہ اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

”اور۔“ میرا ساتھ۔“ وہ لکھ بھر کو بھجکا پھر مسکرا کر بولا۔ اور لائیبہ اسے دیکھتی رہ گئی۔







وقت بخار صفت لہو یہ لہو اپنا  
کس کو معلوم! یہاں کون ہے کتنا اپنا

جو بھی چلبے وہ بنا لے لے اپنے میا

کسی آئینہ کا جو تا نہیں چہرہ اپنا

خود سے ملنے کا پلین عام نہیں ہے ہر

اپنے اندر ہی چھپا ہوتا ہے راز اپنا

یوں بھی ہوتا ہے وہ فربہ جو ہے ہم سے سوز

الذکے ہونے میں نہیں ہوتا ارادہ اپنا

خط کے آخر میں سبھی یوں ہی رقم کرتے ہیں

اس نے رسما ہی لکھا ہوگا تمہارا اپنا

ندا فاضلی

خواب بھی وصل، واقعہ بھی ہے

جو نہیں بھی ہوا، جو بھی ہے

وہ بتے بے نیاز کیا دیکھے

بزم میں کوئی دوسرا بھی ہے

آف نہ کی ہم نے جان جانے تک

صبر کی کوئی انتہا بھی ہے

جیسا اندھیرا ہو رہا ہے

کہیں دیکھنا بھی بیٹھا بھی ہے

زندگی نے نہیں دیا بس ہمیں

گو بہت کچھ ہمیں دیا بھی ہے

جاننے سب ہیں اے شعور مگر

آپ کو کوئی بلوچتا بھی ہے

اور شعور

نہ آئینہ نہ حیرانی ہے گھر میں

عجب آشوب ویرانی ہے گھر میں

کہاں کی مشکلات باز و ماں

فقط ہونے کو آسانی ہے گھر میں

جسے دیکھو وہی تصویر سا چہرہ

یہ کیسا رنگہ پریشانی ہے گھر میں

کسی دستک پر کیا وا ہو دیا دل

مستون چشم تک پانی ہے گھر میں

کوئی تحریک عشق تازہ لاؤ

کئی دن سے یہ زندگی ہے گھر میں

یافت علی حاتم

اک بے دھیانی

میں ٹھنڈے توڑے کی روتی ہوں

مجھے بے دھیانی میں ڈالا گیا

مجھے بے دھیانی سے اپلا گیا

ہرے کتے ٹکڑے اکٹرا گئے

میں ٹھیک سے سینکی جا نہ سکی

میں کسی چنگیر میں آن سکی

میرا ہستا، گندھتا اور جلتا

بے کار گیا، میں بارگئی

اک بے دھیانی مجھے مار گئی

حمیدہ شاہین

# زندگی کا اصول

## رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "میں سے علم کے ٹھکانے کا مال طلب کیا جائے تو قتل ہو جائے تو وہ شہید ہے" (ابن ماجہ)

- 1- ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ اس کی جان، اس کا مال اور اس کی عزت محفوظ رہے۔ لہذا علماء اور کے خلاف دفاع کرنا اس کا حق ہے۔
- 2- مال کی حفاظت کے لیے علماء کے خلاف لڑنا جائز ہے تو عزت اور جان کی حفاظت کے لیے لڑنا جائز ہوگا۔
- 3- دفاع کرنے والا تنہا شہید ہے تو شہید ہے۔ تاہم اس کا دوسرا مال کی حفاظت یا اسلامی سلطنت کی حفاظت کے لیے جہاد کرتے ہوئے شہید ہونے والے کے لیے۔ اسے شخص کو باقاعدہ شہید اور شہید دینے کے لیے لے کر لے کر جہاد کے شہید کے لیے عمل اور کفن کی ضرورت نہیں۔

## زندگی

زندگی کب سے ہے اور کب تک ہے کون جانے ازل سے بڑیک مازل سے پہلے اور اس کے بعد بھی زندگی ہے۔ تخلیق ہونے سے پہلے سے نالائق کے ارادے میں زندگی اور تکمیل کے بعد خالق کے درپوش ہونے کوئی زندگی نہیں ہے۔ زندگی بہر حال زندگی ہی رہے گی۔ (داصف علی داصف)

## یعنی قریشی۔ نواب شاہ

### شادی کے بعد

شہر نے بڑی سے کہا: "بیم! آج میرا دوست وزیر برآمد ہے۔" بڑی نے کہا: "آپ جانتے تو ہیں، آج ملازمہ چینی پر ہے۔" اچھی برقع دھو کر لے کر بیٹھی۔ معافی کرنا ہے۔ پیلے کپڑوں کا ڈھیر ہاتھوں میں پڑا ہے اور مست بہا رہا ہے۔ "جاتا ہوں، سب جاتا ہوں، شوہر نے اطمینان سے کہا۔" سب کچھ جانتے ہوئے بھی آپ نے اپنے دوست کو ذرا کی عزت دینے والی؟ مہینہ بھر کے عیسائی ہو کر کہا۔ "وہ بے وقوف شادی کرنا چاہتا ہے۔ میں نے اسے اس لیے وزیر بنایا ہے کہ وہ شادی کے بعد کفر کی حالت میں نہ ہو۔" شہر نے کہا۔

### میرے وطن کی سیاست

حکمرانوں کے افکار تکرار ہیں۔ مسلمانوں کو عزت اسلام اور کلموں میں غلبہ فلا کا "رسول فرنگ" کی انت سربراہ ہے اسلام کی زمینوں میں میں موجود ہوں کہیں صد ملک سے کہیں چھپے ہوئے ہیں کئی ساتھی آیتوں میں مرے وطن کی سیاست کا مال دست پر چھو گھری ہوئی ہے طوائف تماشائیوں میں (شورش کا شہیری)

## پتھر کے لیے پتھر کشش افراد

جدید تحقیق کے مطابق پتھر پر انسان کو کشش نہیں کرتا اور کوئی خاص کشش ہوتی ہے جو کسی انسان کے جسم کو کھینچنے کی ترغیب اس کو پیدا کرتی ہے۔ طور پر لہذا جو کسی کے دو ماہر ہونے کی بارے میں جو تحقیق کی ہے اس کے مطابق بعض انسانوں کے جسم کا پتھر کشش ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ پتھر کسی ایسے انسان کو کھینچتا ہے کہ اس کا خون بہتا ہے جس سے اس کے رستے میں آسانی ہو۔ تاہم اچھی تک ماہرین یہ طے نہیں کر سکے کہ پتھر کے لیے پتھر کشش کون سی خوبی یا کس شخص کا پسند یا خون ہوتا ہے۔ شاہدہ شہر زانا۔ رحمانی لکھو

## محبت

انا لا مضبوطیوں میں محبت توڑتی ہے۔ محبتیں اعتبار ہیں، اعتبار اور اظہار و اعتراف ہی ہیں۔ محبت اور بہت کر لوگ ایسے ہوتے ہیں جن سے آپ محبت کرتے ہیں۔ ان سے ہی تم لوگ ایسے ہوتے ہیں، جو آپ سے محبت کرتے ہیں۔ عورتیں ذہانت ہیں، محبت جانتی ہیں اور صرف دین نیکہ خواہ ہیں ذہین مردوں سے متاثر ہوتی ہیں۔ محبت کو انہیں نہیں دیکھ سکتیں۔ شاید ان لیے کیوں کہ انہیں میں انحصار دکھایا گیا ہے۔ محبت اور شکر ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔ مینا بشیر ذراغی۔ بگوات

## بے بسی

ایک صاحب نے اپنے نفسیاتی معالج سے کہا۔ "ڈاکٹر صاحب! آپ کو یاد ہے کہ تیرے کپڑوں میں آپ نے مجھے مشورہ دیا تھا کہ بے بسا نہ کا دو باری مہر و فیات کا لہو سے آنا رکھنے کے لیے ہے

تو صورت لڑکیوں کے ساتھ وقت گزارنا چاہیے۔ "حقا ہاں! یہ نفسیاتی معالج کے کہا گئے ہیں۔" تو کیا اس آس کوئی ایسا نسخہ تجویز کر سکتے ہیں جس سے میرا دل پتھر کا پتھر کی طرف متوجہ ہو جائے۔ ان صاحب نے بے بسی سے مشورہ طلب کیا۔ غم و اقرار کرنا ہی

## غلط فہمی

ایک صاحب مجھ سے ہوئے تار و تار سے نکلے تو وہ ان کے لیے دروازہ کھولنے کی خواہش سے لپکا۔ مگر کسی چیز میں الجھ کر پڑا۔ کلب کے بیچ سے باہر آ کر اس کو ڈانٹا۔ "ذرا متلاش سے بلا کر، تمہارے اس حرج کرنے سے کوئی کچھ کام دوں گا نہیں، تمہارے ممبر ہونے سے فائدہ سزا ہے۔" گوجر

## فرودات

- وہ سفر فریے گاڑی میں بیٹھ گئے تو وہ کورنگی
- مختار ہے اور جب کاڑھی ملائے کا شکر ہوتی ہے تو وہ کسی انسان کی خوش قسمتیاں پتھر کرتا ہے۔
- تم سے براہ راست نہیں کہتے ان کو میں تو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔
- مس سے بد قسمت وہ انسان ہے جو اپنے مستقبل سے خائف ہو۔
- عملیات زمان نہیں پہنچاتی جہاں تم پہنچا رہا ہے۔
- میریں ہونا عزیز ہونے کی اہت ہے۔
- جب فدا کرنے والا ہو تو تو بہ چین جاتی ہے
- اپنی لاعلمی کے احساس کا نام علم ہے۔
- خود کو گھڑی کھاؤں تو طاقت ملے گی اور اگر وہی خود کو زیادہ کھاؤں تو طاقت چھین جائے گی۔
- اپنی ہستی سے زیادہ کام کرنا ہلاکت ہے اور اپنی ہستی سے کم کام کرنا بددینائی ہے۔



THE VITAMIN COMPANY  
www.vitamincompany.com  
Your Beauty Range...



HELPLINE & FREE HOME DELIVERY: 0800-09-1111

**اپنا اپنا شوق**

ایک مگر کتنی ہور ہی تھی۔ دونوں پہلوان تھے  
بھلے تھے یا بھول گئے تھے اور کلاس سے ہے تھے۔ ان کی  
کتنی سے آگے لڑا ایک صاحب نے بہت زیادہ  
یاد دیت محسن کی۔ وہ بیچ کر گئے تھے۔  
پتیاں بچھا دو بجلی فضول خرچ ہوں ہی ہے۔  
یہ دونوں پہلوان ڈو مار رہے ہیں۔  
دوسرے کو نے سے ہی آواز آئی۔  
"نہیں، نہیں۔۔۔ ابھی پتیاں مت بچھانا۔  
میرا ناول ابھی ختم نہیں ہوا ہے۔  
عہد بچھو۔۔۔ کراچی

**اچھی اور نیک بیوی**

علماء نے کہا ہے کہ نیک بیوی کے اندر چار  
صفات ہوتی ہیں۔  
1۔ اس کے چہرے پر جیا ہوا انسان کے چہرے  
پر خوبصورتی مگر ہی باؤ تو ہے نہیں بلکہ جیا  
سے آتی ہے۔ جس کے چہرے پر جیا ہو۔ اللہ  
دیت العزت اس کے چہرے کو پرورش دیتا  
دیتے ہیں۔  
2۔ ذہان کے اندر شہ سہی ہو۔ یعنی نرم بولنے والی  
ہو۔ جب غاوند سے بات کرے تو نرم ہونے  
پائی کرے۔ جب نامحرموں سے بات کرے تو پائے  
جلنے تو آواز دہرے نما سخی اور یہ لگائی ہو  
اور غاوند سے بات کرے تو بے حد نرمی ہو۔  
3۔ عورت کے ہاتھ ہر وقت کام میں لگے رہتے  
ہوں۔ (یعنی عورت گھر، بچوں اور غاوند  
کے کام کا نڈیا لگی رہے)۔  
4۔ اس کے دل میں اللہ ادا اس کے رسول کریم  
صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہو۔ (جب یہ محبت  
ہوگی تو ان کے ارشادات کے مطابق ضرور  
خداوند سے بھی محبت ہوگی۔ امن کی اطاعت  
شعار ہوگی۔  
ممبر تین الرحمن۔ لاہور

(ادبیت علی دہشت)  
فرید نادر مجور کتب

**بعد از دی کے**

گھر سے جانا کہ محبت کی شادی کرنے والی ایک  
لڑکی نے اپنے شوہر سے کہا۔  
"میں تو بیاں پر اپنا ہی کا خون آیا تھا۔"  
"اچھا... کیا کہہ رہے تھے وہ؟ شوہر نے چونکا  
کہ بڑھیا۔  
"فوکہ رہے تھے آخر تم گھر واپس نہ آئیں تو تمہیں  
کچھ نہیں کہا جاتے گا؟"  
میں پری مرزا۔ لاہور

**یاور**

ترین کا اچھی پلانے والے تاسم سے اس کی نظیر  
تھا تو کہنے پوچھا۔  
"تاسم! اچھی ترین کی طرح کے لیے مفر پر پڑھانے  
ہو کہ اس خطرات نہیں بھی پڑی یا تو ہی آتی ہے"  
"میں بھی بائیں کر رہی ہوں، تاسم کے گون بڑا ملتے  
ہوتے کا۔" تاسم نے نرم میں یاد دہانی کی بات کر دی  
"اچھا، تو سونے میں بوقت نہیں یاد کرنا رہتا ہوں۔"  
تو اس کی بات سن کر تاسم نے ہی تو میں دو  
مرتب ترین دوسری ترین سے لگا پچھا ہوں "تاسم  
نے جوش سے بتایا۔  
سیدہ لبیب ڈہرا۔ کہہ دو لکھا

**عشق کا علاج**

ڈاکٹر ماضی العزنی نے اپنی کتاب "لا تعزین"  
میں لکھا ہے۔  
"برائے وقتوں میں جب کسی شخص کو عشق کا روگ  
لگ جاتا تو بطور علاج اسے طبیعتی باڑی کا کام سونپ  
دیا جاتا۔ جس کی وجہ سے وہ دن بھر کھیتوں کے کام  
میں مشغول رہتا اور رات کو کھٹاؤٹ کی وجہ سے  
گہری سندر سو جاتا۔ یوں اسے پریشان رہنے اور  
سوچنے کا بہت کم موقع ملتا رہتا۔  
عاشق۔ کراچی

# حکایتیں

### شہانہ ایاز

کسے ڈائری سے

سب کچھ حاصل کیسے کی خواہش میں مصروف لوگ تدبیر سے تقدیر کو بدلنے کے لیے کوشش میں۔ جب اتنی محنت اور جہاں نشانی کے بعد بھی کچھ ہاتھ نہیں آتا تو بے اختیار خدا سے شکوہ کرنے لگتے ہیں۔ اسی شکوے کو الحمد للہ تم کا اسی جو صورت الفائد سے کرنا ہے اسے خداوند بزرگوار انسان کا پیمانہ مرنے تیری مثال ہے تو پھرتے پھیلے کہیں ہیں؟

جب کسی شخص کو تھک رہے ہو تو دیا آج تک سب اچھی چالوں کے بیٹھے ہیں؟

اپنے کندھوں پر چٹانوں کے ٹکڑے ایسے اپنے ہم کردوٹوں میں گھر پھر بھی ایک ہیں؟

پاپرز پھر بھی صحیح تو امر کر دیتے ہم سے دکھاتے لئے صبر سے جیسے ہوں ہیں؟

### انعمی حدیقی

عظیم ہاشمی... ایک مشہور نام... ایک منفرد شاہ... ان کی ترقی... ہمدردی اور ان کی فہم کی ان کی اس عزت کو تو انسان کے متعلقہ رویوں کا بہترین حکاں کہا جاسکتا ہے۔ قدرت پرستی بھی ہے امید بھی ہے، کچھ بدل دینے کا عزم بھی ہے اور حقیقت کی انمول میں انھیں ڈال کر لے جنوں کو لینے کا حوصلہ بھی ہے۔ یہ سادہ مگر تیرا ہے۔ الفلک گویا

### لاڈلی مہتاب

کسے ڈائری سے

میری ڈائری میں تجھ پر طریف احسن کی یہ عزت آپ سب قابلین ہیئتوں کی نذر۔ رستوں رستوں دیب ہزاروں بیٹے ہیں لیکن ہم تو اپنی ماہ نکلتے ہیں

ایک آواز اٹھالے جاتی ہے ہم کو اک سائے کے جیسے ہم بھی پستے ہیں

تم سے پیسے ہم ہی تم کو پیادے تھے اب یوں ہے تم اپنے آپ سے پستے ہیں

ہم بھی کچھ ڈینا دلاری سیکھ گئے بات بڑے تو ہم بھی بات بدلتے ہیں

بے پروہم جانوں کی صورت ہوتے تھے وہ چھپے جو گل دانوں میں پلٹتے تھے

### شاہدہ ٹیپیر

کسے ڈائری سے

یہ حقیقت ہے کہ انسان جتنا بھی صاحب اختیار ہوا ایک طوطا سا بھی آتا ہے۔ دل پر اپنا اختیار کھڑا ہوتا ہے۔ انسانی نفسیات کے اس پہلو کو متور جمیل نے نہایت دلکش انداز میں اجاگر کیا ہے۔ اس میں یہ دلکش نظم پر صبر اور میرے انتخاب کی داد دیں۔

### کون روک سکتا ہے...

اللہ صلیب خواہش کے لیے شمارہ کوئے اولیٰ امی کو کیشوں بدلنے کے لیے ستارہ ادا سے ہوں اور اس محنت کو ترک کر کے بیٹے کو نیکو نمائندگی کو

دل کو اس کی آہٹ پر بر ما اور کھنے سے کون روک سکتا ہے پھر وقا کے مجرا میں خوشبوؤں کو چھوٹنے کی

دوڑ تک پھلنے سے ننگے پاؤں پلٹنے سے کون روک سکتا ہے

آسوں کی بارش میں چاہے دل کے ہاتھوں میں ہجر کے مسافر کے پاؤں تک بھی چھو آؤ

جس کو نوٹ جانا ہے اس کو ذرا جلنے سے لاسے بدلنے سے اذرا جاکھٹے

کون روک سکتا ہے...!

### سازو رضان

کسے ڈائری سے

میری ڈائری میں تجھ پر طلعت اعلاقی احمد کی نظر ہے بہت پسند ہے۔ لیکن آپ کو بھی عذر ہو سکتا ہے۔ اتنا ہی یاد رکھو مجھے

میں کسی کتاب میں بیٹے دنوں کے دوست کا اک خط پڑا ہوا ہے لفظ لٹے بیٹے ہوں رنگ آٹا آٹا مہمی لیکن وہ اچھی نہ ہو کچھ کچھ ہے عورتوں کے تمام دل کو گروے ہوئے تمام کچھ بیٹے دنوں کی سب کچھ بیٹے اور روڑے اتنا ہی یاد رکھو مجھے بیٹے دنوں کے دوست کا بیٹے کوئی خط ہوں میں لکھا ہوا کتاب میں...!

مصدق کی شخصیت ماٹری ٹرانسپیرنس اور سٹریٹنگ ٹرانسپیرنس

# صحتی مسائل سے

فوز نصیر کراچی

بہتر دنوں کی راہ پہ چل کر زندگی کا  
یا پھر چلو تو راہ کے بہتر دنوں کا  
پڑھتے چلو وہ اسم، کہ شہر طلب ہے  
مگر فیر چاہتے ہو پیلٹ کرنے و ٹیکسٹا  
اسلام آباد

سویا امتیاز قید آباد

جزر و لہ کوئی مرا سمفرتی  
منزل تک آگیا ہوں بھی سوچنا ہوا  
بگھ اس سے مختلف تو اسوں کی کیفیت  
تھر برہنہ ہوتی، کا غر جلا ہوا

کنول فرخ ملتان

بگھ دیوانی کی یہ ملاقاتیں بہت اچھی لگیں  
اسی سے بولے ہو کہیں باتیں بہت اچھی لگیں  
وقت رخصت اس سے تھوڑے پھول اور کچھ لگیں  
آنسوؤں سے ترے سوغاتی بہت اچھی لگیں

ندا شاکر لاہور

وہ کہتے ہیں رخصت کی باتیں تھلا دیں  
تختتے کہیں خوش رہیں، مسکرا دیں  
جوانی ہو کر جاوے گی تو یاد ہے  
تیری سادہ دُشا کو تختت بنا دیں

کرک محبوبہ خیال پورچال

نیرم میں باعزت تاجر ہو کر تھے  
مہم بھی تیرے خصال گہرا کرتے تھے  
کوئی تو جس سے ہے اس طور کی ناہوشی کی  
وہ نہ ہم حاصل تفریر ہو کر تھے تھے

آنت جاوید رسالہ پور

سکیم دل کو بہتر سکون فرماتا ہے  
اگرچہ ترک مجتہد کو اک نمانہ ہوا  
انصاف قرآن

ملتان

دفا نرقت ہوں دُوری میں بھی مجتہد ہے  
ایکے رہنے میں لیکن بڑی اذیت سے  
وہ دودا یا کہ وہ بھی گھروں کو چور لگے  
جو سوچتے تھے کہ اب منتقل ہو سکتے

بہتری فاطمہ فیصل آباد

یہ جو مجھ پہ گئی اپنے کا گانا بولے  
مجھ کو ایسا نظر آنے میں بڑی دیر لگی  
بولتا ہوں تو میرے ہوتے تھے جلیں  
اس کو یہ بات بتانے میں بڑی دیر لگی

میشروالہی شاہدہ

کسی کا دل تو ہوا کہن عمر جھڑ پھر تھی  
پہنسی و عشق تو دھوکا ہے سب کو پھر بھی  
بہتر باو زمانہ اور ہے گزرا ہے  
نئی کی ہے کچھ تیری رنگہ پھر بھی

لیلیا احمد کراچی

دیل کے سب نفس تھے اجنبی کی کیروں سے  
نفس یا ہوتے تو مٹاتے جلتے  
شہر تھے مہر بھی ہم کو بھی سہلت دینا  
اک دیا ہم بھی کسی رزق سے جلتے تھے

گل بی مرزا لاہور

یوگ ٹوٹ جلتے ہیں ایک گھ بنانے میں  
تم ترس نہیں کھاتے بتیاں جلاتے ہیں

صوفیہ فیصل آباد

دفا کی لان میں اُس کو منانے تو اچھا تھا  
انامی جتک میں اکثر تھلاں چیت جاتی ہے

# میڈی کیم ڈیٹیل کریم



- لونگ
- شہکیات
- یو کپش
- اسپیروٹ
- سا کولہ لینک



کیا آپ کے ہاتھ پیٹ میں فلورائیڈ کے علاوہ  
یہ پانچ اجزاء شامل ہیں؟

احتیاط علاج سے بہتر ہے۔

دینا کہ کوئی بھی انسان نہ جانتا تھا اور احساسات سے غالی نہیں رہتا۔ وہ ناولک جذبات زندگی کی اسماں ہیں۔ جس طرح  
 ٹوشنگ کے بغیر نعل جتنے رنگہ وہ جانتا ہے۔ اس طرح اخبار کے پناہیہ اکثر بے سول رو جاتے ہیں۔ اظہار کا ہی ایسا ہے  
 کوئی ہوا اس کا ہوا ہی ہر شادی سے۔ شاعری اظہار کا ایک ہی صورت اور یہی اکھٹوں کی آبی کے سانس کا طبع  
 واضح نہیں کر پاتی جو کبھی ایک شعر کہتا ہے اور آپ سے کہہ سکتے ہیں۔ اور سبھی تو سب دہلی میں تھا۔  
 زندگی کی کوئی دھوپ چھاؤں میں بہت ہی پادریں بہت ہی پادریں آپ کی ہم سفر ہی ہوں گی۔ کبھی آنکھ میں آنسو ہیں  
 کر کے کبھی آپ پر چھوٹ کھائے۔ اپنی ان یادوں میں میں بھی شریک کچھ مگر صرف مضمون ہی اے میں۔ یہاں کی شعر بھی ہو گئی  
 ہے۔ مگر بھی اور غزل بھی ہے۔ ہر آپ کے لیے ایک ہی سلسلہ شروع کر رہے ہیں "روشن حرف وہ سارے"  
 سوالات یہ ہیں۔

- (1) وہ شعر جو کچھ آپ کے لبوں پر جاتا ہے؟
- (2) وہ شعر کلم یا غزل جو آپ کے پیٹہ یا دوش سے تھوڑے تھوڑے کی بیجا بنا؟
- (3) کسی نے آپ کو کچھ کہے یا سنا ہے کوئی شعر پڑھا ہے؟
- (4) وہ غزل تھا آپ نے لکھی یا دیکھی ہے یا لکھی گئی ہے؟
- (5) کلاسیک شاعری میں سب سے آپ کا انتخاب؟

## روشن حرف وہ سارے

سحر کجیالب

وہ روز تھا جو نور جیسے اجابت کے غزلی پہ نظر ہے  
 جس دور میں جیسا شکل ہے اس دور میں جیسا لازم ہے  
 یہ ہیں جو پر شکستہ ہے، لگتا ہے جو زخم زخم گلاب ہے  
 یہ ہے دانش مہر عہد کی جہاں ظلمتوں کا انتخاب ہے  
 جہاں ترہائی ہو جھوٹ کی، جہاں سحرانی ہو بہت کی  
 جہاں بات کرنا محال ہو وہاں آکسی بھی عذاب ہے  
 میری جان ہونٹ تو کھول تو کہی اپنے حق میں ہی ہوں تو  
 یہ جب ہے تیری خاموشی نہ سوال ہے نہ جواب ہے  
 وہی آہ آہ ہیں آہیے، وہی قفل قفل ہیں قاصدے  
 وہی خار خار ہے راہ گزر وہی دشت دشت صواب ہے  
 حالات کے تشبیہ و قراز سے اگر کوئی بلال  
 بندہ متاثر ہو یا پھر ان پر غم کی نگاہ رکھتا ہوں تو وہ ان  
 اثرات یا احساسات کو کتنی طور پر الفاظ کا دلچسپ ضرور  
 دے گا وہ الفاظ نظم بھی ہو سکتے ہیں اور سڑ بھی۔  
 فی زمانہ جو حالات چل رہے ہیں وہ یقیناً ہر زبان  
 کن ہیں۔ مگر امید کے واسطے کو بھی تمام رکھا ہے کہ  
 مایوسی تو ہر حال کفر ہے۔ سو آج کل تو یہ اشعار بھی وہی  
 زبان ہیں۔ خود کو جو مسلہ دینے کے لیے۔  
 چراغ زندگی ہو گا قیوداں ہم نہیں ہوں گے  
 چمن میں آسے کی فصل بہاراں ہم نہیں ہوں گے  
 کہیں ہم کو دکھا دو اک کرن ہی غمناک ہی  
 کہ جس دن جھگڑے کا بستہ ہم نہیں ہوں گے  
 اور یہ شعر بھی اگر دیکھتے ہیں تو کیا ہے۔

وہی ہم اور ہیں بیٹے ہوئے ہی چاند جہے اچھے ہوئے  
 وہی صبح کوئے لیل ہے، وہی شام شہر قراب ہے

مجھے سہ تھوڑے بھر نہیں کہ میں خود ہی تھوڑے مانیوں  
 میری زندگی بھی عذاب ہے تیری زندگی بھی عذاب ہے  
 جی ہاں! معذرتاً میرے پسندیدہ شاعروں میں  
 سے ایک جن کی یہ غزل ان کے تعارف کا وسیلہ بنی اور  
 پھر میں ان کا کلام پڑھتی چلی گئی۔

فقط مسووفیت جگہ اس قسم کی ہے کہ وہ سبیل سے ملنا  
 ملانا پس اب تو نصیب سے ہی ہوا ہے تو اکثر جب میں  
 بہت عرصے بعد ملوں تو مختلف طرز سخن کا سامنا ہونا  
 رہتا ہے مگر جہاں ہے جو کبھی کسی دوست نے شعری  
 اصلی صورت پر گزار رکھی ہو۔ اس کا تیار نتیجہ کر کے  
 ہاتھ میں لکھواتی نہیں بلکہ منہ لہانی ہیں۔ ایسے ہی  
 ایک بار میری دوست نے یہ شعریں پھاڑا تھا جو مجھے  
 ابھی تک یاد ہے۔

کسی کے طرف سے بیخبر کر نہ کر جفا ہر گز  
 کہ اس لیے جا شرارت سے بڑا نقصان ہونا ہے  
 جیکہ اصل شعر کچھ لال ہے  
 کسی کے طرف سے بیخبر کر نہ کر مہر وفا ہر گز  
 کہ اس لیے جا شرارت سے بڑا نقصان ہونا ہے  
 جیکہ اصل شعر کچھ لال ہے  
 کسی کے طرف سے بیخبر کر نہ کر مہر وفا ہر گز  
 کہ اس لیے جا شرارت سے بڑا نقصان ہونا ہے  
 جیکہ اصل شعر کچھ لال ہے

دشت تھالی میں اے جان جہاں لڑاں ہیں  
 تیری آواز کے سائے، تیرے ہونٹوں کے سراب  
 دشت تھالی میں، ہوری کے خشن و غناک تلے  
 کھل رہے ہیں تیرے تیرے پہلو کے سخن اور گلاب  
 اٹھ رہی ہے کہیں قربت سے تیری سانس کی آغ  
 اپنی خوشبو سے سلتی ہوئی مدھم مدھم  
 اور اتنی پار چپکتی ہوئی قسطو قسطو  
 مگر وہی ہے تیری ولہار نظر کی جہنم

اس قدر پیار سے اسے جان جہاں رکھا ہے  
 دل کے رخسار پہ اپنی دشت تیری یاد نے پافر  
 یوں گلاب ہونا ہے گریہ سے انہی صبح قزاقی  
 دھل گیا جگر کا طن آج بھی کئی وصل کی رات  
 کک کلاسیک شاعری میں سے کسی ایک کا انتخاب! بہت  
 بہت مشکل میں ڈال دیا ہے ہر شام ہی جہاں "سرو  
 میدان" لکھا ہوا ہے ہر غزل بھی جہاں لکھا ہے ہر وہاں  
 انتخاب واقعی بہت کھن ہو جاتا ہے۔

بہر حال جہن نامتھ آزاد کے کلام سے چہ اشعار!  
 نہایت قریب صورت کلام کہ جس میں زندگی میں بھی  
 محسوس ہوتی ہے اور جو ایک حقیقت سے بھی آشنا  
 کرتی ہے۔

گہرہ واسن سے غلامی کی چھڑانے والے  
 تیرے ہاتھ پہ غلامی کا تھکا آج بھی ہے

جو سلا تیری لگا ہوں سے نہیں ہے شاید  
 جو سلا میری لگا ہوں پہ گمراہ آج بھی ہے

تو ہماروں کا نہیں دیکھ سکتے سمجھتے ہو  
 ان ہماروں کے تعاقب میں توڑاں آج بھی ہے

آج بھی لداں میں ہے دو کی دنا آہ  
 دم بخود کھپتے ہونٹوں پہ لداں آج بھی ہے

جلوہ فرمائیے حسن آج بھی آہ نہیں  
 عشق کی دھن نظروں میں لداں آج بھی ہے

آج بھی دیدہ انکار پہ پردے ہیں مچھا  
 صل طلب مسلہ سوہ و زواں آج بھی ہے

عندراب آج بھی گزار میں سے جو لداں  
 درد ہر پھول کے سینے میں لداں آج بھی ہے

21۔ جی نہیں میرا ایسا کوئی دل نہیں چاہتا۔ خواتین ڈائجسٹ کی کہانوں میں حقیقت کا رنگ سب سے نمایاں ہوتا ہے۔ رانگڑ اپنی کہانوں کو جیسے بھی عمل کرتی ہیں وہی بیسٹ ہے۔

یعنی قریب۔ نواب شاہ

یاد نہیں رہا کہ کبھی خواتین میں کوئی ایسی تحریر شائع ہوئی ہو جسے پڑھ کر میں نے یہ سوچا ہو کہ یہ تحریر میری چھوٹی بھینس پر نہیں ہے۔ خواتین ڈائجسٹ نے ہر دور میں بہترین تحریریں شائع کی ہیں۔

1۔ یوں تو بہت سے ایسے نسلے ہیں جو یادداشت میں محفوظ رہ جاتے ہیں لیکن زہمت شاک حیدر کی تحریر خواتین کے چہرے "کسمیرا" آخری تھی۔

"بہم جیسے لوگ جو زندگی بھر صرف خوابوں کے چہرے کو سنوارنے میں لگے رہتے ہیں اور بھول جاتے ہیں کہ بہت سی چیزیں روشنی سے منکروہ ہوتی ہیں اور روشنی صرف وہاں ہے جہاں حقیقت ہے۔"

لہذا ان دنوں کے مہینوں نے بہت سی انجمنوں کو سنبھالا۔

2۔ میں نے کبھی بھی کسی جہی کہانی کے بارے میں یہ

خواتین ڈائجسٹ

کی طرف سے مہینوں کے لیے ایک اور ناول

گوئی ایسا اقل دل چہرے

پبلشرز

قیمت --- 250 روپے

مطالعہ کا پتہ

کتبہ عمران ڈائجسٹ 37- اردو بازار کراچی۔

نہیں سوچا کہ اس کا اہتمام ایسا ہو آیا وہاں ہونے کو کہتے ہیں غائب کا نام اس کو ساتھ لیکن اس کے باوجود کسمیرا 2010ء کے خواتین میں پہلے عربز کا ایک ناول تھا "دشمن" جس کا اہتمام پڑھ کر مجھے بہت برا لگا تھا۔ وہ بھی اس لیے کہ ناول کے ہیرو کرم کا رویہ نہایت کم سن ساتھ (ایڈٹ) میں انتہائی اسٹلٹنگ تھا۔ کیا تھا اگر کرم زہمت و پورے دل سے معاف کر دیتا۔ اب زہمت نے اتنی بھی بہی غلطی نہیں کی تھی کہ کرم نے اسے اس ہی طرح سے بے عزت کیا۔

شوقی افکار۔ حکم

بلشہر کچھ لفظ کچھ جملے ایسے ہوتے ہیں جو دل و دماغ پر نقش ہو جاتے ہیں۔ روشنی ہی کہہ دیتے ہیں۔ سب سے پہلے ذکر کرم کی اپنی موٹو فورٹ رائٹرز فرحت اشتیاق کا (جہاں نے ہمیں انتظار کی سولی پر چڑھا رکھا ہے) فرحت کے سب سے بہترین ناول "مستطیع" جان ہے تو اسے۔ اس کے وہ حالات جب میلو جی کی گریڈوں کے ساتھ ہسپتال میں ہوتے اور وہ اپنی خراب طبیعت کی وجہ سے اسے جی کے ساتھ لگا کر لے کر "تقیوں" "تقیوں" درمیان میں اس کے والدین کی بارگاہی جی اسے میں مہربان کیا کرتا۔

تعمیر لوگ ایسی اس دنیا میں مہجور ہیں ہمارے پاس ساری باتوں کے لیے وقت ہے۔ لیکن ان لوگوں کو وقت کم ہے اور ہمیں اس وقت ان کی خوشی کا خیال کرنا ہے۔

اور وہ ان کی خوشی کا خیال کرتے ہوئے ہمیں سے نکال کر لیتا ہے۔

لہذا میرا جملہ "کسمیرا" کے "گلیاں پریم" نگر دیاں سے جب ناموقی "سود" کو یاد سہری شادی کی اجازت دیتی ہے اور سرمد کے استفسار پر اس کا یہ کہنا کہ۔

"محبت کو تقسیم نہ کرو ضرب دو۔ تقسیم سے محبت جتنی ہے ضرب سے بڑھ جاتی ہے۔"

پتے سے سرمد تمہاری محبت میں نہیں بول رہی ہوں کہ محبت کو تقسیم نہیں ضرب دو آ گیا ہے میری محبت ہے گی تمیں بیٹھ کر دو سروں تک پہنچے گی۔ یہ محبت کا فیصل جو دو سروں تک پہنچ کر انہیں فیصل باب

کر دیا ہے یہ سب صوفیوں سے تمہاری محبت

22۔ ویسے ساری کہانوں کے اہتمام ہوتے تو فرحت میں اسی ہیں ان کا چارم ہوتا ہے۔ لیکن کسمیرا میں رانگڑ کے حکم بہت بے زور ہے۔ جتنے ہیں نیونک میں جتنی ہوں کہ کہانی اور حقیقت میں تمہارا سافرق ضرور ہونا چاہیے۔ کہانی حقیقت کے قریب ضرور ہو مگر حقیقت کو کتنا زیادہ ہونا چاہیے۔ اگر مجھے موقع مل رہا ہے کہ میں کسی کہانی یا ناول کا اہتمام ہونا چاہوں تو دو تا نو فرحت اشتیاق کے ہیں (فرحت سے بے حد معذرت کے ساتھ) کیونکہ سوال پڑھتے ہی جو وہ کہانیاں میرے ذہن میں آتیں وہی ہیں۔

پہلا ناول "وہ جو قرض رکھتے تھے جان باریہ" اس کے ایڈٹ میں فرحت کی شادی یقیناً سعد کے ساتھ کر دینا چاہوں گی۔ کیونکہ اتنی تھنک فریا کے والدین جب اس دنیا میں نہیں رہے تو فریا کے تانا کوا نہیں رکھے دہی سے معاف کر دینا چاہیے۔ تھا اور فریا جو ان کی لڑکی تھی ان کی لڑکی تھی اس کی خوشی کا خیال رکھتے ہوئے اس کی شادی سعد سے کر دیتے۔ مزہ بھی اتنا بڑا نہیں تھا۔ آج کو اس بارہی ناول پر زیادہ حق سحر کا ہے۔

دو عمر ناول "مستطیع" جان ہے تو

اس نسل جتنے عمارت کے مرنے کا نئے حد رکھتے اور پتھر سے نکلنے میں یقیناً "عمار" کو تو مرنے کی کھول کی تھی خیال ہے اس طرح ہو سکتا ہے کہ عمارت جی جانا ہے اور جہاں اس کا ایک کھلٹ ہونا ہے۔ وہاں اس کے کردار کو کچھ دیر کے لیے ختم کر دیا جائے اور جی اسی طرح ان کے والدین کے پاس آئے اور ان کے ساتھ رہتے جس طرح کہ وہ رہتی ہے اور وہ لوگ بھی سمجھتے رہیں کہ عمارت جی کے گریڈ حقیقت وہ زندہ ہو اور وہاں اس کے ساتھ پتھر ایسا ہونے کہ جس کی پتھر وہ اپنے والدین اور رشتہ داروں کے پاس نہیں پہنچ سکتا مگر وہ اس وقت وہیں آجاتے جب اس کے والدین اپنی کو معاف کر چکے ہوں۔



شعاع



اپریل 2011 کا شمارہ شعاع ہوا گیا ہے

- "میں ہی اللہ ہی ہو گی تھی" محبت کا رنگ کے ناول
- "شرارت" نیونک کا ناول
- عمارت کی شادی اور سعد کے والدین
- "مستطیع" اور "عمار" کے ناول
- "مستطیع" اور "عمار" کے ناول
- "مستطیع" اور "عمار" کے ناول
- "مستطیع" اور "عمار" کے ناول
- "مستطیع" اور "عمار" کے ناول
- "مستطیع" اور "عمار" کے ناول
- "مستطیع" اور "عمار" کے ناول

شعاع، اپریل کا شمارہ آج ہی خریدیں۔

# خبریں و سنی

## غزل توایان

کام کرنے کا تعلق ہے۔ تو مجھے سلمان خان کے ساتھ کام کرنے کا بے حد شوق ہے (المان بی) جہاں تک سوال شمعون سے شادی کا ہے تو میں جو چاہوں اس کو ضرور حاصل کرتی ہوں (قسمت کی بدولت جتلیہ) وقت نے میرے فیصلے کو صحیح ثابت کیا ہے۔ (انجی) وقت ہی کتنا گزر رہا ہے؟ شمعون بہت لڑکھ اور خیال رکھنے والے شوہر ہیں۔ ان کے متعلق باتیں ان کے محتاشین نے پھیلائی ہیں۔ مجھے ان کے ساتھ بر فخر ہے۔ (اب یہ دیکھنا ہے کہ یہ خیالات کب تک برقرار رہتے ہیں۔)



## پھرتی

کرکے شعیب ملک، والا کپ کی ٹیم میں اپنا جگہ بنائے۔ لیکن بھارتی ٹیم کا یہ مزہ کی بات تواری خوب کر رہے ہیں۔ اس لیے ٹیم صاحب ہونی چاہیں ان کو جگہ والے اسکے لیے خاصی متحرک ہیں۔ سٹین میں آیا ہے کہ غائب اور شعیب مل کر پاک انڈیا پروڈکشن کے تحت فلم بنانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ جس میں سیدہ الٰہی سے کہ بیو خود ہی آئیں گے (پھر فلم دیکھنے لوگ کیسے



## منظرِ بولی

عظیمہ شمعون کی ذہنی پر ڈراموں میں نظر آئیں پھر اچانک غائب ہوئیں۔ سٹین میں آیا ہے کہ شعیب منصور کی آنے والی فلم "بول" میں اہم کردار ادا کر رہی ہیں۔ اس حوالے سے خود عظیمہ کہتی ہیں۔ "شعیب منصور کا نام کامیابی کی ضمانت ہے۔ گھر والوں نے مجھے شعیب منصور کا ستنے ہی فلم کرنے کی اجازت دے دی۔ یہ فلم ایک مہولہ نکل مووی ہے جس کا میسج بھی بولڈ ہے۔ یہ فلم شوہر میں میری قسمت کا فیصلہ بھی کر دے گی۔ جہاں تک بول ڈراموں

آئیں گے (۴) اور شعیب کے متعلق بہت ساری باتیں سننے کی ہمت کون ادا کرے گا کرتی ہے۔ اس کا فیصلہ نہیں ہوا۔

## خواب

کونل رضوی اچانک وار ہوئی ہیں۔ کچھ عرصے شورہ اسکرین پر جلوہ گر رہتی ہیں۔ پھر ایک دن اچانک سے غائب بھی ہو جاتی ہیں۔ اس مختصر عرصے میں وہ "زبان کے جوہر دکھاتا بھی نہیں بھولتیں۔ گزشتہ دنوں وہ کتنی نظر آئیں۔ فنی صلاحیت میری رگ رگ میں دوڑ رہی ہے۔ (ہم نے تو سنا تھا رگول میں خون دوڑتا ہے) اور ہر دم اس کا اظہار میری خواہش ہے۔ (وہ تو آپ کی آمد سے ظاہر ہے) یہ اظہار ادا کاری میں ہویا موستی میں۔ میں اس کا اظہار دے گا حصول ہی چاہتی ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ جب بھی گاؤں تو وہ شعیب اور میڈونا کے معیار کا ہو۔ (پلے معیار طے کر لیں کیونکہ میڈونا اور شعیب تو بالکل مختلف ہیں اور جب اداکاری کروں تو مادہ جوڑی شہتہ اعظمی اور میل



اسٹریٹ جینیسی کامیابی پاویں۔ (کونل) آپ اسے اتنا ہی آسان سمجھتی ہیں؟ ذہنی طور پر مجھے کافی تنگ میں کہتے انٹلسٹ کا کردار پسند ہے (المان بی) اگر پاکستان یا بھارت میں اس کا کامیاب ٹیٹا تو مجھے یہ کردار گرے خوشی ہوگی۔"

## پروفیشن

مارننگ شو کی کپریٹرز میں ڈاکٹر شانت واحدی کا نام کسی تعارف کا حتمی نہیں اور جب سے وہ دوسرے ٹی وی چینل پر نظر آ رہی ہیں۔ انداز بالکل پروڈرام کی سادہ سبزیوں کی طرح کا سا ہے۔ اپنے تجربے کے حوالے سے وہ کہتی ہیں "میں بچپن سے ہی عام بچوں سے مختلف تھی۔ میرے والدین نے ہر قرینہ کو مدد جان سے پوری کی۔ میڈیکل جینیسی مشکل تعلیم دلوانی۔ کچھ پوچھیں تو مجھے کہتے کہ سائے آتے ہوئے بڑی چھچھاپٹ ہوئی تھی۔ (گٹا تو نہیں ہے) عمر بھر میں نے اپنے آپ کو کامل کر کے اس شعبے کو پروفیشن بنا لیا (بیسے باق پتیر ہے جینیسی) کہ

جہاں تک سوال میری انوکھی زندگی کا ہے تو ہماری شادی نہ تو اس طرف یا بھی رہنا سہی کے ہوتی ہیں میں ہماری مرضی بھی شامل کسی سمجھے اپنا آپ ایک ماں کے روپ میں زیادہ پسند ہے۔ میرے خیال سے اس شعبے میں وہ کر بھی ہیں ڈاکٹری کی طرح لوگوں کی خدمت کر رہی ہوں۔ چونکہ میں کبھی ہی سچ اپنے ہم وطنوں کو خوشیاں بانٹتی ہوں۔ "واللہ رے خوش جینیسی ڈاکٹری میٹ سٹال کرنے کا اہتمام اور ذمہ دار ہے۔"

## جاہلی علم

جاہلی دنیا ہر کسی پر سحر ماطاری کر رہی ہے۔ خاص طور پر جاہلی فلسفوں کا گریز ہر دور میں رہا ہے۔ میری پورا پورا سیریز نے فلم بینوں کا دنیا حلقہ ترتیب دیا ہے۔ جس کے لیے طلسمانی دنیا میں رہنا ایک حسین خواب ہے اسی لیے امریکہ میں جو ٹی وی خوش کو دیکھتے ہوئے



## موسم کے پیکوانی

### خالد جیلانی

جب سب آبیرو اچھی طرح سے کھر ہو جائے تو سائچے کو ذرا سا چین کر لیں۔ خشک جیوہ لے کر چھڑک دیں۔ ابھی میں تیار کر لیا جا رہا ہے اس وقت میں ڈال کر پھلے سے گرم اوون میں تین منٹ کے لیے بیک کریں۔ ساسی کے بعد فیل کر لیں۔ اس وقت ٹھنڈا کر لیں اور جو کورنگوں میں آت لیں۔ مزہ دار براؤنیز تیار ہیں۔ اسے آس کریم کے ساتھ سرو کریں۔

### ملائی لڈو

#### ضروری اجزاء :

- کنڈینسڈ ملک
- بٹیر
- وٹیلہ ایسنس
- بیٹلارنگ
- لال گھی یا ڈور
- چائمی کاورق
- آدھی پیالی
- ایک پاؤ
- دس تین قطرے
- دو چمچے
- ایک عدد

#### ترکیب :

سیدہ کو کو پاؤڈر اور بیکنگ پاؤڈر کو ایک چمچلی میں ڈال کر چھانٹ لیں۔ ایک پیالے میں مکھن ڈال کر اس میں لٹکی ملائیں۔ دونوں کو اچھی طرح سے ملا لیں۔ پھر ایک ایک کر کے اس میں انڈے شامل کریں۔ جب تینوں چیزیں اچھی طرح کھس ہو جائیں تو اس میں چھلانا پورا سیدہ کو کو پاؤڈر اور بیکنگ پاؤڈر کو تین حصوں میں تقسیم کریں اور ایک ایک حصہ باری باری ملائیں۔

### پاکیزہ برائونیز

#### ضروری اجزاء :

- شکر یا کھانسی
- کھانسی کے گڑھ پوچھ
- چائے کے چار چمچے
- آدھی پیالی
- چار عدد
- ایک پیالی (بھلا لیں)

#### ترکیب :

مشرف نے گندے کاموں کے لیے ایسی آٹمیائی بنا لی تھی جو 600 پاکستانیوں کو پختہ کر امریکا کے حوالے لیا۔ ہمارے حاصل کیے۔ اسی تنظیم کے ذریعے ہر وہ کام ہوتا تھا جس سے ہماری دوسری اچھیاں انظار کر دیتی تھیں۔ اس میں بھارتی اور امریکی شہری کارکنے ہیں یہ تنظیم اب بھی کام کر رہی ہے۔

(اسلم یک فرسٹ لائن) جتنی بھی لڑکیاں مسلمان کی زندگی میں آئیں ان سب کا ایک ہی مقصد تھا کہ مسلمان کو بیڑ میں بنا کر بلندی پر پہنچ جائیں ان میں سے کوئی مسلمان سے شادی کرنے کی خواہاں نہیں تھی۔ کتر بنانے بھی ایسا ہی کیا۔

(مسلمان خان کے والد سلیم خان) الطاف بھائی ڈاکٹر طاہر القادری کے چاہنے والوں میں شامل ہیں۔

(فاروق ستار) شیر بنگال اسٹیٹیم میں موجود بڑا دل بنگلہ دیشی ترمشاہوں نے اس وقتیں آدھ ہار کے کر کے لگائے۔ سنگر اسکی چھٹی ہفتے آدھ ہار کے کر کے لگائے۔ سنگر اور بنگلہ دیشی بھارتیوں کے آگے رہنے سے جیسے ہی بنگلہ دیشی نہیں ہیں۔ پاکستان سے آئے ہوئے ترمشاہی ہیں۔

اس میں بھارت اور بھارت نواز حسین و امید کے لیے جو بیخام ہے۔ وہ صابے کی ضرورت نہیں۔

(دوسرے دو ترمشاہ محمد اللہ طارق سمیل) خادم حسین شریف میں شاہ عبد اللہ بن عبد العزیز نے استدعا کی ہے کہ ان کے لیے دلوں کا بادشاہیا انسانیت کا بادشاہ جیسے القاب استعمال نہ کیے جائیں کیونکہ بادشاہت صرف اللہ کی ہے اور ہم سب اسی کے بندے اور غلام ہیں۔ شاہ عبد اللہ نے انھار عقیدت کے طور پر اپنے یا شاہی خاندان کے کسی بھی فرد کے ہاتھ چومنے سے بھی منع کر رکھا ہے۔

جلاوطنی و جلاوطنی اور باقاعدہ تعلیم دینے کے لیے بچک اسکول کا افتتاح کیا گیا ہے جس میں نامور اور پشور جلاوطن بچوں کو اس علم کی تعلیم دیں گے۔ وہ بچے جو ہماری پورے کے کروادوں کی طرح جلاوطن علم سکھانا چاہتے ہیں۔ جوق و جوق اس اسکول میں یہ علم سکھانے کے لیے داخلہ لے رہے ہیں۔ اسکول کا ماحول تقریباً ہے کہ وہ لنگ کی تخلیق کر کے جلاوطنی و جلاوطنی کا مار کھا گیا ہے۔ اگرے اسکول آف ڈارڈوئی "ناہی اس اسکول کے پر پہل 68 سالہ جلاوطن بچوں اور بچوں نے زین روون بارٹ ہیں جو اس اسکول کی کامیابی کے لیے بے حد پرتیوہ ہیں۔

### بچے اور اوجھرے

بھارت کے مشہور اور تاریخی شہر بمبئیال کا پیٹم تبدیل کر کے بمبئیال رکھنے کی تیاری کی جا رہی ہے۔ بمبئیال کا پیٹم بدلنے کی وجہ بہت مشکل خیر پتالی گئی ہے۔ بندو اتنا بندوں کا اتنا ہے کہ بمبئیال کے نام سے اسلامی دور کیا جا رہی ہے۔ مثلاً کہہ جیواں اسلامی نام نہیں ہے لیکن عالمی بمبئیال مشہور مسلمان شخصیت تھیں۔

(دوسرے دو ترمشاہ محمد اللہ طارق سمیل)



خواتین یا بچے میں قارئین کی شرکت کے لئے ہم اس ماہ کے کچن کے خواگے سے ایک فیاملسٹ شریعہ کر رہے ہیں۔

کھانا کھانے پونے آپ کن باتوں کا خیال رکھتی ہیں؟ پختہ پختہ غذا اہمیت کھانا پکانے کی صحت۔

کھانے میں اپنا کھانا مہمان آگے ہیں۔ کھانے کا وقت ہے۔ کسی ایسی دہش کی ترکیب تائیں جو فوری تیار کر کے تیار کر کے کھا سکیں۔

بچوں اور تکی کی سلیقہ مندی کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ آپ بچوں کی صفائی کے لئے کیا تھوڑی سی اہتمام کرتی ہیں؟

صبح کا ناشتہ ہمارے لئے بہت اہمیت رکھتا ہے۔ آپ ناشتے میں کیا بناتی ہیں؟ اسکی خصوصیتیں اور ترکیب بتائیں۔

بھارتی ہیں۔

گھر سے باہر کھانا کھانا پیشینہ بنا جا رہا ہے۔ آپ مینے میں کتنی باہر کھانا کھانے جاتی ہیں؟ (1) جب کوئی لے جائے (2) کسی کی سائیکل پر (3) کسی خوشی کے موقع پر۔

کھانا کھانے کے لئے کھانا کا انتخاب کرتے ہوئے موسم کو مد نظر رکھتی ہیں؟

اجمانے کے لئے کتنی محنت کی قائل ہیں؟

کچن کی کوئی نئی شے جو بنا چاہتی ہیں؟

ان سوالات کے جواب مجھ کو آپ بھی اس سلسلہ میں شرکت کر سکتی ہیں۔ ساتھ ایک حد و تصور بھی لکھ دیجئے۔

تصویر ضروری نہیں ہے۔

ہوں سو فی صد امید ہے کہ جو ہمیں آنا میں گی تصویر دیا ہو گا۔

## آپ کا یار و سچی گناہ

### شامی کا سامان

اشیاء :	تعداد :
پھاڑ	1 ایک ٹوک
اسن (2-3)	4 عدد
اور کس (2-3)	1 کھانے کا بیج
	1 کھانے کا بیج
ہری مرچ	2 عدد
کلی مرچ	2 عدد
سرخ مرچ	2 عدد
پر او حنیا	2 عدد
تمک	2 عدد
نمک	2 عدد
تیل	2 عدد
ترکیب :	
کچے قیتے میں ہری مرچ باریک کٹ کر ڈالیں۔	

ہمیں اور کھانے کا بیج تھوڑی سی مرچ مرچ کھلی مرچ۔

تمک ڈال کر اچھی طرح ہاتھ سے یک جان کریں اور شامی بنا کر ایک طرف رکھ دیں یا دوسرے کہ کھانا لوتے نہ پائیں۔

اب مسالا تیار کرنے کے لئے نسبتاً مٹی موٹی پاز کا مٹی ہے ہری مرچ اور نمک باریک کٹ لیں۔ سب ایک بڑی دھبھی میں بکاسا تیل ڈالیں اور ایک تہ تیار شدہ مسالے کی تھک کر ایک تہ کھولیں اور گھسیں۔ پھر مسالے کی تھک میں اور پھر شامیوں کی پھولیں یہ عمل پورا کر کے اور تھوڑا سا تیل ڈال کر دھبھی کو اچھی طرح دھلا کر پانی آج پکائیں۔ پانی بالکل نہیں ڈالنا۔ کچھ دیر بعد کھلی سے نرمی سے شامی کو پھولیں اور شامیوں کا پانی خشک کر لیں۔ آخر میں ہر او حنیا چھوڑیں۔ مزید ار سامان تیار ہے۔

آپ نے صحیح فرمایا کچن عورت کی سلیقہ مندی کا آئینہ دار ہے۔ کچن کی صفائی کا خط ہے۔ جب تک کچن صاف نہ کر لیں صحت میں آنا۔ کچن گندا نہیں ہونے دینی ساتھ ساتھ صحتی رہتی ہوں۔ ہر کھانے کے بعد فوراً کچن دھوا کر خشک کر کے ان کی جگہ پر رکھتی ہوں۔ پھر سب کو کھانے کے بعد صاف کر لیں اور بالکل نہیں کھتے دینی۔ رات کو سہنے سے پہلے کچن کی صفائی کرنا اور کھانے کے کھلتی ہوں تاکہ صحت مند رہیں۔

1۔ میں دو دفعہ ہفتہ کرتی ہوں۔ سارے ارے بھر لیا تہ ہوں۔ وجہ یہ نہیں کہ میں بہت بیٹھ ہوں۔ اصل بات یہ ہے کہ میرے خاوند جو ناشتہ کرتے ہیں وہ مجھے قطعاً پسند نہیں اور انہیں پراسے بالکل پسند نہیں۔ ناشتے میں وہ قرالی اٹھتے اور تھوس کے ساتھ گرم گرم چائے پسند کرتے ہیں۔ لہذا ناشتے کی ٹیبل پر ان کا ساتھ دینے کے لیے چاول ناچار مجھے بھی مجبوراً ایک سلاکس اور اٹھ کھانا بنا رہا ہے۔ مکان (خاوند) کو آٹس بھیج کر اپنا من پسند ناشتہ کرتی ہوں۔ پراسے کے ساتھ کبھی جیم لگا کر کھاتی ہوں۔ کبھی سامن اور چار ساتھ

میں چھاپا ہوا کھانے کھانے ہو گئے۔

رنگ باہر کھانا۔ کیا مہین اور اچھے ذہن کی یاد دہانہ کر دیتی۔ سب لادور کے حالات لیے ہو گئے ہیں کہ باہر نکلتے خوف آتا ہے اس لیے اب مکان پر دیکھ لینے پر باہر سے کچھ نہ کچھ لے آتے ہیں اور سالگرہ پر اچھا خاصا اہتمام کر رہی ہوں جو جانا ہے۔ البتہ نئے قریبے شادی شدہ رشتہ دار جو قریب کو کھانا یا ہری کھاتے ہیں۔

6۔ کچن۔ کھانے کا بھر پور مزہ لینے کے لیے موسم کو ضرور مد نظر رکھتی ہوں۔ سب سبز پھولوں کی شام میں گول لگے وہ مزہ نہیں دیتے ہیں جو گرمیوں کی وہ پھولیں دیتے ہیں۔ سبز پھولوں میں گرم گرم بھاپ ڈالنی چھریں مزہ دیتا ہے۔ بالکل اسی طرح موسم کو دیکھ کر کھانا کھانے کرنے کے لیے اسی حسب سے دہش کا انتخاب ضروری ہے۔

گرمی کے موسم میں قہر کر لینے کے ساتھ کسی کھانے کو دھوا دھوا کر آنا ہے اور سامان آتے میں خاوند اور بچوں کے ساتھ کچھ کر لیتے اور پھر کچھ کھانے میں آج کر گرم چائے کے مہنت لیتے ہوئے شامی کی پھولوں کو دیکھنے کا یہی حسن و مہنت۔

7۔ دینا کا کوئی بھی کام جو لگا کر دینا کھانے کے ساتھ مزہ اور خوشی میں رہتا اور کچن کو عورت کی خاص وجہ بنا لیتا ہے۔ آپ کوئی بھی دہش چاہیے وہ عامی ہی ہوں تہ ہوا کر لیں سے سخت کر کے کھانے کی تھک لے میں بہت لذت پیدا ہو جائے گی۔ اگر آپ کچن میں داخل ہو ہی چکی ہیں تو تھوڑا سا تیل لگا کر کھانے کو لذت غذا اہمیت محترف اور بار شریطہ ملے گا۔

8۔ اگر کچن کے سبک میں ہنگام کی کوئی رکھ لیں تو کچن میں بدبو نہیں ہوگی۔

9۔ اگر آپ کھولیں زیادہ دیر تک نہ رکھنا چاہیں تو پارٹیکل کے شاپ میں بند کر کے فریج میں رکھیں۔

10۔ ایک لیبل لکھ کر فریج میں رکھ دیں تو فریج سے مخصوص بو نہیں آئے گی۔



بہترین انسان وہی ہے جو اپنی باتوں سے دوسروں کے جذبات کو بخیر نہ پہنچاتا اور جو لوگ نرم گفتار ہوتے ہیں اور شیریں زبان کے گرسے واقف ہوتے ہیں دنیا بہت ان کی عزت کرتی ہے۔  
 اچھائی اور رالی دونوں زبان سے نکلے ہوئے الفاظ برواقوف ہے اس کے لیے زبان کو قابو میں رکھنا بہت ضروری ہے۔  
 نہایت افسوس سے کہنا پڑا ہے کہ آج ہم اپنے ذرا اچھلے سے نا آشنا ہونے کے ساتھ ساتھ معاشرے کے لیے ضروری کا باعث بھی بنے جا رہے ہیں۔

خاتون خاتون کا اپنا مذاق اور ذرا قابل حسین و تالیف ہو گا۔ تب ہی اس کی شخصیت کے اثرات کثیر ہو کر افراد قوی کر سکیں گے۔  
 ہمارے مذہب میں بھی طبیعت نفور و تکبر بچھڑاں غوری اور مبالغہ آمیزی سخت گناہ ہے۔ اسی طرح دوسروں کو برا بھلا کہنا اور اپنی ننگلا بھی مٹھ سے بڑا دھم سے بڑا دھم کی خوشیاں چھین لیتا ہے۔  
 میں اپنی باتوں کو شور مچاؤں گا کہ اگر وہ چاہتی ہیں کہ سب ان سے محبت کریں۔ کوئی انہیں برا نہ کہے تو وہ اپنی زبان پر قابو رکھیں۔ دور گوڑہ و سہو چھل شخص نہ کریں اور جہاں تک ہو سکے دوسروں سے خوش اخلاقی سے پیش آئیں۔ سب ان سے محبت کریں گے اور گھر کو ماحول خوشگوار ہو گا۔



جو لوگ تصحیحاتی طور پر زبان اپنا خود کرتا سمجھتے ہیں پتلا دیکھتے کا ہمد میں نہاں لیے گھما ہے کہ تمہیں تو یہ معلوم تھا  
 70 فیصد سے زیادہ لوگ تصحیحاتی نگار نہیں ہوتے۔ بس انہیں احساس ہوتا ہے کہ وہ پتلا میں اور باری کے لیے وہ  
 تلاش کر لیتے ہیں۔ وہ قریش کر لیتے ہیں کہ جو کہ ایسا ہوا ہے جو کہ اس کی یہ ہے۔ ہے لہذا انہیں یاد رکھنا ہوتا  
 چاہیے۔

بالی لوگوں میں اکثر تصد مہملی دوسرے کے کر رہتے ہیں لیکن وہ خود کا شدید پتلا دیکھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا علاج معمولی  
 دوا نہیں اور تحلیل نفسی کے رہنے کو کرنا پڑتا ہے یا ایسا جا سکتا ہے۔

نفسیات تو یہ دیکھتی ہے کہ انسانی ذہن کس طرح کام کرتا ہے عادات تجزیہ اور معاشرہ کے اس پر کیا اثرات ہیں  
 انسان کے جذبات احساسات کیا ہیں۔ انسان کے ذہن کا جسم کے ساتھ کیا تعلق ہے اور ایک دوسرے پر یہ کس طرح اثر  
 انداز ہوتے ہیں۔

بالی تصد میں سے مہن کا تصد کو تیار کرنا جا سکتا ہے۔ جن کو باقاعدہ علاج کی ضرورت ہے۔ قاصد اپنے ہاتھوں خونخوار  
 رہنا چاہتے ہیں۔ ایک طرف ان کی زندگی خراب ہوتی ہے کہ وہ تندرست ہو جائیں۔ دوسری طرف وہ بیمار ہی رہنا  
 چاہتے ہیں۔ یعنی دونوں خواہشیں ایک وقت کام کرتی ہیں۔

یہ علم ذہنی پریشانیوں، برائیوں اور اضطراب سے لے کر ذہن کے تمام امراض کو معلوم کر کے اس کا تجزیہ کر کے  
 وجوہات کو جاننے کی کوشش کرتا ہے۔

ہم نے کافی طویل خط لکھا ہے۔ مسئلہ وہی ہے جو لوگوں کا عام مسئلہ ہوتا ہے۔  
 ان میں کا تعلق ایک گھر سے لکھے گھرانے سے ہے۔ والد انہیں بڑھاٹا چاہتے تھے لیکن خاتون ان کے بارے میں کھاٹ  
 تعلیم منتقل کر رہی تھی۔ بڑی بہن نے گھر سے فرار ہو کر گورنر مین کولہا پور میں والد نے بڑی بہن کو گھرا لیا۔ بڑی بہن  
 اپنے گھر میں خوش اور مطمئن ہے۔ لیکن بہن گھر کے رشتے نہیں آتے۔ کھتی ہیں۔

ایک جگہ سے رشتہ آگیا ہے وہ ایشیائی جاں اور گوار لوگ ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ میرے ذہن کی فاسٹ اور مغربی پسند  
 طبیعت کسی بھی ایسے لوگوں میں خوشی حاصل نہیں کر سکتی کہ وہ لوگ اپنی ننگلا چھلے کی زبان استعمال کرتے ہیں۔ مجھے جتنی  
 شاعری اور ادب سے شغف رہنے والی لڑکی وہاں ایک صفت بھی نہیں رہ سکتی۔ جہاں زندگی کا مقصد صرف اور صرف کھانا  
 پینا اور سو جانا ہے۔

خاتون والد کی باتوں کی وجہ سے ابا چاہتے ہیں کہ جلد سے جلد میری شادی کر کے جو بوجہ کارواں چلائے۔  
 مجھے بتائیے کہ میں کیا کر سکتی ہوں۔ مجھے نہیں سے روشنی کی کرن لا دیتے۔

بچہ: بہن آپ کی بہن نے خود لڑکی سے کام لیا اور صرف اپنے لیے سوچا۔ یہ نہ سوچا کہ ان کا یہ قدم گھروں کے  
 لیے کتنی شرمناک کامیابی ہے۔ ان کے ان قدم نے آپ کے والد کا مر جھکا دیا ہے اسی وجہ سے وہ چاہتے ہیں کہ آپ  
 کی شادی جلد از جلد کریں۔ کس صوفی بھی کسی بیٹی کے نکاح لڑنے سے ڈرتا ہے۔ والد اپنی سوچ میں حق بجانب ہیں۔

ان حالات میں میرا آپ کو مشورہ یہ ہے کہ آپ اس لڑکے کے گھروں کو نہ بھیجیں بلکہ یہ چاہیں کہ لڑکے  
 طبیعت کا مالک ہے۔ آپ ایک بڑی کھلی فری ہیں اس کو اپنے انداز میں ڈھال سکتی ہیں۔ اس سے زندگی کے راستے  
 انداز کھلا سکتی ہیں۔ وہ شخصیت وہی صوفی زندگی میں اہم قرار آتی ہے۔ آئیے لڑکی کو کھانا پینا اور غسل  
 منڈا لڑکی ہے جو اپنے شوہر کو آہٹ کر رہا ہے۔

بہن: آپ میری اس بات کو سمجھیں کہ آپ وہاں کسی حالت میں سمجھو یا نہیں کر سکتیں تو اپنی والد سے بات کریں۔  
 انہیں اس بات کا یقین اور اعتماد ہے کہ آپ مضبوط کرنا کی لڑکی ہیں۔ کوئی غلط قدم اٹھا کر ان کے ساتھ اور وہاں بھی  
 لگا۔ اس رشتہ کو انکار کرنا چاہتے ہو تو کسی بہتر رشتہ کا تقاضا کرنا چاہئے۔

والد بھی آپ کی عوامی گھر سے ہو سکتا ہے کہ کوئی ایسا رشتہ آجائے جو آپ کے لیے قابل قبول ہے۔ ایک بات آپ  
 سے کہنا چاہوں گا کہ یہ پھولوں اور خوشبوؤں مشغول اور چاندنی راتوں کی باتیں کہیں نہیں اچھی لگتی ہیں۔ عملی زندگی میں ان  
 چیزوں کا ذکر کم ہوتا ہے۔ حقیقت انسانوں سے بہت کھلب ہوتی ہے۔

ایک بہن

لیکھو یا کئی ایک باری نہیں ہے کہ جس سے رنگ زرد اور آنکھوں کے نیچے ملنے ہو جاتے ہیں۔ ہاں اشتہاری حکیم اور  
 صافی خواتین کو بے وقت جاننے کے لیے اس قسم کے اشتہار شائع کرواتے رہتے ہیں تاکہ ان کی جانوری ہو سکے۔ ملائکہ  
 صورت حال یہ ہے کہ ۱۵۰ ازیں سے ۹۵ فورٹوں کو یہ تکلیف ہوتی ہے کسی کو کم کسی کو زیادہ۔ اکثر گھر میں پیڑ کی دوائی یا  
 علاج کے ٹھیک ہو جاتی ہیں۔ اگر چاہیں تو کسی مستحکم کو دکھائیں۔ بعد درود افغان کو کھانے کو کھانے کو کھانے کو کھانے کو کھانے کو کھانے  
 ہے۔

میرے نزدیک یہ باری ہی نہیں ہے۔ یعنی ایسی بات جو سوشل ٹوٹے کو ہوا سے باری کہے گا جا سکتا ہے۔ مناسب تو یہ  
 ہے کہ آپ حکیم سے دوائی منگوائیں۔ لیکن نہ بھی منگوائیں تو آپ خود بخود ہی ٹھیک ہو جائیں گی۔ البتہ گرم پتوں سے  
 پر تیز کریں۔ مرئی انڈیا بند کریں۔ سنیال کھائیں۔ ہسٹرا دودھ استعمال کریں اور گرم پتوں کا استعمال بند کریں۔ تو خود  
 بخود یہ تکلیف جاتی رہے گی اور ساتھ ہی ساتھ اپنا ذہن صاف کر لیں کہ اس کی وجہ سے آپ کے چہرے پر کسی قسم کے  
 اثرات ہیں۔

